جنوری 2021
حجاب ڈائجسٹ
سالِ نو مبارک

بیاد	زیب النساء فرحت آراء
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	سیدہ نثار
نائب مدیرہ	سیمارضا
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاون	ملیحہ احمد / عثمان عبداللہ

جلد	06
شمارہ	03
جنوری	2021

 /women.magazine

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ — 08

حمد — نعیم انصر ہاشمی — 09

نعت — محمد علی ظہوری — 09

آنگن کی چڑیا

انٹرویو — فہمیدہ جاوید — 10

سلسلہ وار ناول

مرگ تمنا — ماوراطلحہ — 87

عشق نگر کے مسافر — ندا حسنین — 141

مکمل ناول

تیرا عشق بلا ذات سجن — ریحانہ آفتاب — 13

میری مٹھی میں گلاب — نزہت جبین ضیاء — 111

میرے سکندر — قرۃ العین سکندر — 183

ناولٹ

دل کو کس کا ملال تھا — نادیہ احمد — 161

افسانے

یادوں کی نمکیات — آرزو احمد — 153

دو پیاسے نین — صالحہ عزیز صدیقی — 177

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتا: 81 عیسٰی بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

ماڈل: مسکان خان.......... عکاسی: کاشف خان

مستقل سلسلے

بزم سخن	سمیہ عثمان	206
موج سخن	زینب احمد	211
کچن کارنر	زہرہ جبین	208
شوخئ تحریر	ہما ذوالفقار	215
حسن خیال	جوہی احمد	219

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
03008264242 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ای میل Info@naeyufaq.com

editorhijab@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جنوری 2021ء کا شمارہ بطور سال نو نمبر آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

پھر نئے سال کی سرحد پہ کھڑے ہیں ہم لوگ
راکھ ہوجائے گا یہ سال بھی حیرت کیسی

بہت سی خوش کن اُمیدوں اور خوش گمانیوں کے ساتھ نئے سال کو خوش آمدید۔

قارئین کرام اور عزیز ہم وطنوں کو نیا سال مبارک ہو۔

سال نو کا پہلا سورج اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ نئی اُمیدیں، نئی اُمنگیں لے کر طلوع ہو چکا ہے۔ میری دعا ہے کہ نیا سال ہم سب کے آنگن میں پُرنور صبحیں اور ست رنگی شامیں لے کر آئے۔

زندگی کیا ہے، انسان کیا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ بس اتنی کہ جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہیں ہوگا، اگر ہمارا آج گزشتہ کل سے بہتر ہے تو کامیاب ورنہ سب کچھ بیکار۔

سال گزشتہ میں کرونا جیسی بیماری کا سامنا رہا جس کے اثرات اب بھی قائم ہیں۔ اللہ اس وبائی مرض سے نجات دلائے آمین۔

وطن عزیز کے حوالے سے دیکھیں تو سال گزشتہ کچھ حوالوں سے خوش آئند رہا۔ خصوصاً امن وامان کی صورتِ حال میں بہتری آئی۔ اس کے لیے پاک فوج کو سلام۔

نئے سال کے آغاز پر ہمیں بہت ہی سنجیدگی سے اپنی زندگی اور اپنے وقت کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم نے کیا کھویا کیا پایا اور کیا کیا کرنا چاہیے تھا۔ اس گزر جانے والے سال میں کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ ایسے کون سے کام ہیں جو نئے سال میں ہمیں کرنے چاہئیں۔

یہ شمارے آپ تمام قارئین کی محبتوں سے سجا ہوا ہے۔ ہر تحریر آپ کو اپنے مزاج اور دل کے قریب محسوس ہوگی۔ ہر کہانی کو پڑھیے اور اپنی رائے ضرور دیجیے، تنقید اور تدبیر کے ساتھ آئندہ ماہ انتظار رہے گا۔

اللہ کرے نیا سال ہر لحاظ سے بابرکت اور دین ودنیا کی تمام خوشیاں لانے والا سال ہو۔ آپ سال کے آغاز میں یہ بات ضرور ذہن نشین کر لیں کہ انسان کی سب سے بڑی دولت اس کا اچھا اخلاق ہے۔

گئے دنوں کی باتیں بھلا کر
نئے سال میں محبتوں کا نصاب لکھنا
مبارک ہو نیا سال آپ سب کو!

قارئین بہنوں کے مشوروں کی روشنی میں اگلے ماہ سے کئی سلسلے شروع کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ کی پسندیدگی کی سند پا سکیں گے، جہاں تک کہانیوں کے معیار اور موضوع کے بارے میں کہا گیا ہے تو ان شاء اللہ وہ بھی شکایت اس بار کافی حد تک دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور آنے والے شماروں میں بھی نظر آتی رہی گی۔

اس ماہ کے ستارے:۔

ریحانہ آفتاب، نزہت جبین ضیاء، آرزو احمد، صالحہ عزیز صدیقی۔

دعا گو

مدیرہ

سعیدہ نثار

حمد نعت

حمد

تو ہے سچا ترے سچے قول سائیں

ادنیٰ ہوں میں ادنیٰ میرے قول سائیں

خطاؤں کا میری رکھنا ہے بھرم مولا

کھل نہ جائیں کہیں میرے راز سائیں

بھید دل کا میں چھپا نہیں سکتا

دل کا بند قفل تو کھول سائیں

پیاسا رہا تکمیل خواہشات میں ہمیشہ میں

بے مراد یوں نہ مجھے رول سائیں

دن ہو، رات ہو، ہر گھڑی انصر

رہتا ہے تو ہمیشہ میرے قریب سائیں

نعیم انصر ہاشمی

نعت

تیری جالیوں کے نیچے تیری رحمتوں کے سائے

جسے دیکھنی ہو جنت وہ مدینہ دیکھ آئے

لو چلا ہوں میں لحد میں میرے مصطفیٰ ﷺ سے کہہ دو

کہ ہو تیری گلی کی مجھے چھوڑنے کو آئے

طیبہ کو جانے والو تجھے دیتا ہوں دعائیں

در مصطفیٰ ﷺ پہ جا کے تو جہاں کو بھول جائے

روضے کے سامنے میں یہ دعائیں مانگتا تھا

میری جاں نکل تو جائے یہ سماں بدل نہ جائے

وہ غمگسار میرا وہ ظہوری یار میرا

میری قبر پہ آ کر جو نعت نبی ﷺ سنائے

محمد علی ظہوری

حجاب کی پیاری شہزادیوں یعنی پیاری بہنوں اور تمام ملکاؤں جو کہ (حجاب وآنچل کی رائٹرز ہیں) کو پیار بھرا شرارتی سا سلام۔ بعد سلام دوستی اور دعائیں کہ آپ سب ہمیشہ آباد و شاد رہو اور ان پیارے صفحات یعنی آنچل و حجاب کے ساتھ منسلک رہیں۔ اگرچہ یہ سلسلہ کنواری لڑکیوں کے لیے ہوگا مگر میں شادی شدہ ہوں اور 24 سال ہوگئے اس بندھن میں بندھے ہوئے مگر اس سلسلے کے جوابات ہی اتنے دلچسپ ہیں کہ دل کیا میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

سوال:۔ کیا آپ کے گھر میں صنفی امتیاز برتا جاتا تھا اور آپ اس پر احتجاج کرتی تھیں؟

جواب:۔ جی ہاں، ہمارے گھر کا ماحول بہت سخت تھا۔ میرے سات بھائی ہیں اگرچہ ہم لوگ مہاجر تھے مگر سکھر میں ہمارے علاقے میں کافی سندھی لوگ رہتے تھے تو گھر والوں نے مشکل سے مڈل تک پڑھایا اور آگے کا منع کیا مگر میری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے، میں میٹرک کر پائی وہ بھی برقع پہن کر جاتی تھی۔ شوق تو تھا مگر اس کے بعد گھر والوں کو شادی کی جلدی تھی پھر شادی ہوگئی اور پڑھائی نہ ہو پائی مگر ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں فرق رکھا جائے دونوں کو یکساں تعلیم کے مواقع چاہیے اور ماں باپ ہی اپنی ذمہ داریاں اچھے سے پوری کریں، یہ نہ ہو کہ زمانے کے ڈر سے لڑکیوں کو تعلیم حاصل نہ کرنے دیں۔ اگرچہ محنت اور کام مشکل ہے مگر کم از کم پڑھنے والی لڑکیوں کو تو پڑھنے دیا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ اچھے مقام پر جائیں تو پھر اللہ کے کرم سے اچھے رشتے بھی خود ہی مل جاتے ہیں اور لڑکیوں کی زندگی میں آسانی ہوتی ہے۔ مستقبل اچھا رہتا۔ہ خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ معاشرے میں ان کی اہمیت کا لوگوں کو اندازہ ہوتا ہے اور لوگ عزت بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر لڑکیاں کم تعلیم یافتہ ہوں تو خود اعتمادی نہ ہو اور کوئی اچھا مقام یا نوکری نہ ہو تو میرے خیال سے تو ان کی اتنی عزت نہیں ہوتی سسرال اور شوہر پر ہی انحصار ہوتا ہے اور ان کی مرضی پر ہی راضی رہنا پڑتا ہے ہاں کچھ کے ساتھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔

سوال:۔ آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جواب:۔ میرے نزدیک تو زندگی گزارنے کا درست طریقہ آداب معاشرت، لوگوں سے اچھے تعلقات، نظم وضبط کا خیال، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی، اگلے جہان کی تیاری اور خاص طور پر اپنی اولاد اور بچوں کی اچھی تربیت اور اس کے ساتھ اپنے کردار اور شخصیت کی تعمیر کرنا ہی علم حاصل کرنے کے مقاصد میں شامل ہے۔ اگر علم محض کاغذ کے پنوں (ڈگری) حاصل کرنے کے لیے یا صرف وقت گزاری کے لیے لیا جائے تو وقت کا ضیاع اور پیسے کے ضیاع کے علاوہ کچھ نہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی اشد ضروری ہے۔ ورنہ تعلیم کا کوئی فائدہ نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ ملازمت کرنے والی خواتین کے حق میں ہیں؟

جواب:۔ جی بالکل، میں حق میں ہوں اگر اس کے گھر کا نظام متاثر نہ ہو رہا ہو، اگر ایک عورت عزت دار طریقے سے کمارہی ہے اور گھر بار بھی چلا رہی ہے تو اس کی ہمت کو سلام ہے۔ مگر یہ کام اتنا آسان بھی نہیں۔

آداب معاشرہ اور مذہبی قوانین کی پیروی کرتے ہوئے عورت ضرورت کے مطابق اگر نوکری کرے یا اپنے شوہر اور اولاد کے فرائض احسن طریقے سے پورے کرے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر شوہر کو بھی چاہیے کہ وہ عورت کی کمائی کو دیکھ کر گھر میں نہ بیٹھ جائے بلکہ دونوں ہی ایک دوسرے کی عزت کریں اور پیار و محبت کے ساتھ زندگی کے تمام معاملات سرانجام دیں۔

سوال:۔ آپ کے خیال میں روشن خیالی اور لبرل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ روشن خیالی اور لبرل کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم مغربی طرز کی حد سے زیادہ تقلید کرنے لگ جائیں اور اپنی روایات اور مذہبی اقدار اور قوانین کو بھول جائیں بلکہ اچھا اور مثبت سوچیں اور اپنے ساتھ ساتھ سب کی فکر کریں۔ گر کوئی ہمارے ساتھ ناجائز کرے تو معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ اپنے گھر اور اپنے اردگرد اپنے مذہبی اور اخلاقی روایات وآداب کو فروغ دیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے بجائے بس مسکرادیں کیا پتا اینٹ مارنے والا ہماری اس ادا سے ہم سے اپنے کیے کی معافی مانگ لے۔

سوال:۔ اپنی مذہبی اور ثقافتی روایات سے آگاہی ہونے پر کیا ان کی پیروی کرتی ہیں؟

جواب:۔ جی ضرور کرتی ہوں اور کرنی بھی چاہیے کہ یہ ہی ہماری پہچان ہے اور یہ شوق نئی نسل میں بھی منتقل کرنا ضروری ہے کہ ہمارا مذہب ہمارے بعد بھی ہماری نسلوں میں منتقل ہوتا رہے اور اگر پھیلا نہ سکیں تو خود تو عمل کریں۔ محرم الحرام، جشن میلاد النبی ﷺ، بڑی اور چھوٹی عید اور دوسرے اسلامی تہوار ہمیں منانے چاہیے اور ثقافتی روایات میں چودہ اگست بھی مگر نہ کہ یہ ہو کہ ہم آوارہ گردی کرنے کے لیے باجے بجا کر تیرہ اگست کی پوری رات پھرتے رہیں بلکہ اللہ کا شکر ادا کریں کہ ہمیں یہ ملک ملا۔ دو نفل ہی پڑھ لیں اپنے بچوں کو قربانیوں کے متعلق بتائیں جو ملک حاصل کرنے کے لیے دیں اور ان میں بھی وطن کے متعلق جذبہ پیدا کریں کہ وہ اچھے اور باعزت محب وطن بنیں جو رنگ و نسل مقام اور مرتبے اور فرقے سے دور ہو۔

سوال:۔ کیا لڑکیوں کو خواب پورے کرنے کا موقع ملنا چاہیے؟

جواب:۔ ضرور ملنا چاہیے بشرطیکہ وہ خواب اچھے ہوں اور ہمارے اس معاشرے اور مذہبی حوالے سے ان کی اجازت ہو اور اس سے کوئی تعمیری پہلو نکلتا ہو جیسا کہ ڈاکٹر، ٹیچر، آرمی یا کوئی اور عزت دار شعبہ یہ نہیں کہ لڑکی خواب پورے کرنا چاہتی ہو کہ میں پاکستان کی نمبرون اداکارہ یا گلوکارہ یا ماڈل بنوں۔

سوال:۔ زندگی گزارنے کے لیے کیا اہداف مقرر کیے ہیں؟

جواب:۔ زندگی میں انسان کو ایسا ہونا چاہیے کہ جب وہ اس دنیا میں ہو تو لوگ اس سے راضی ہوں اور جب اس دنیا سے چلے جائیں تو لوگ اسے اچھے الفاظ میں یاد کریں۔ یہ میرا پسندیدہ ترین اقتباس ہے اور اس پر عمل کی کوشش کرتی ہوں۔

سوال:۔ کس رشتے سے سب سے زیادہ محبت ہے؟

جواب:۔ ماں کے رشتے سے بڑی نعمت کوئی نہیں یہ ہی میری نظر میں زیادہ محبت کرنے والا رشتہ ہے اور اس کے بعد تمام قریبی رشتے۔

سوال:۔ سسرال سے کیا توقعات وخدشات ہیں؟

جواب:۔ چوبیس سال گزر گئے سسرال میں تو توقعات اب کوئی بھی نہیں ہیں ہاں پہلے تھیں وہی جو روایتی ہوتی ہیں اور خدشات نہیں تھے مگر وہ بھی ہوتے درست ہی ہیں شاید ہر کوئی مثبت نہیں سوچتا اور ہر ایک

کی ایک جیسی سوچ نہیں۔

سوال:۔ گھر کے کام میں کتنی دلچسپی لیتی ہیں؟

جواب:۔ گھر کے کاموں میں شادی سے پہلے زیادہ دلچسپی نہیں تھی کہ پڑھتی تھی تو امی، باجی اور بڑی بھابی کام کرتی تھیں اور اب تو میرے بغیر میرے اپنے گھر کا یہ عالم ہے کہ "ایک جسم بغیر روح کے" ہاہاہاہاہا۔

سوال:۔ کیسے لوگوں سے دوستی کرتی ہیں؟

جواب:۔ ان لوگوں سے جو میری نیچر کے مطابق ہوں یا پھر مخلص ہوں اور اگر وہ ڈائجسٹ کے از حد شوقین ہوں تو لازمی دوستی کروں گی کہ یہ میری پسندیدہ خصوصیت ہے۔

سوال:۔ آپ ڈائجسٹ کیوں پڑھتی ہیں؟

جواب:۔ تمام سوالوں میں یہ پسندیدہ ترین سوال ہے۔ اپنی ذہنی اور جسمانی تسکین کے لیے ڈائجسٹ پڑھتی ہوں مجھے پڑھتے ہوئے سکون ملتا ہے یہ میرا پسندیدہ ترین کام ہے ان کے بغیر زندگی نامکمل ہوگی چاہے ٹی وی یا موبائل نہ بھی ہوں چلے گا مگر رسالے نہ ہوں تو کوئی مزہ نہیں، کوئی فرحت بخش سا احساس نہیں، میں اپنی دینی اور دنیاوی معلومات میں اضافے کے لیے بھی ڈائجسٹ پڑھتی ہوں کہ کچھ نہیں بہت کچھ اچھا سیکھوں اور عمل کروں اس پر اور مجھے معاشرے کے متعلق معلومات ملیں تمام رسالوں کی ایڈیٹرز، رائٹرز اور تمام قاری بہنوں کی خیریت اور حال احوال جاننے کا موقع ملے اور اس وجہ سے بھی پڑھتی ہوں کہ میری انگریزی اور اردو کی الفاظوں کی ادائیگی میں درستی ہو۔ اپنی اولاد کو مغربی طرز سے دور رکھنے، انٹرنیٹ اور ٹی وی کی خرافات سے دور رکھ کر ان کو رسالوں کو پڑھنے کا شوق منتقل کر کے ان میں ادبی شوق کو بڑھانے کے لیے اور اچھے کام سیکھنے کے لیے میں یہ تمام پیارے پیارے ڈائجسٹ پڑھتی اور پڑھواتی ہوں یہ وجوہات ہیں ان رسالوں کے لیے جنونی ہونے کی۔

سوال:۔ کوئی یادگار شرارت؟

جواب:۔ یاد ہی نہیں کہ اب زیادہ یاد نہیں رہتا۔ ہاں جن چیزوں میں دلچسپی تھی وہ یاد رہتا ہے مثلاً سندھ میں دریائے سندھ پر موجود سات سہیلیوں کے مزار پر حاضری کے دوران کشتی میں بیٹھ کر گرما گرم مچھلی کھانا، پتنگ بھائیوں کے ساتھ مل کر اڑانا، وہ کھٹے پانی اور آلو پاپڑی والی چاٹ، تیز مصالحے والی فنگر چپس، کم کوالٹی کی کیچپ کھانا، گول گپوں میں پیلی کھٹائی ٹرے بھر کر دوستوں اور کزنوں کے ساتھ کھانا اور کتابیں بیچ کر لچھا اور چٹیسا تو کبھی اسکول واپسی سے باغ میں بیٹھ کر حلیم چاول دوستوں اور اپنی استانیوں کے ساتھ کھانا یاد ہیں اور ان کے دوران شرارتیں کرنا یاد ہیں۔

سوال:۔ کس شخصیت یا واقعے نے اثر ڈالا؟

جواب:۔ واقعہ تو کوئی نہیں ہاں جس شخصیت نے مجھ پر اثر ڈالا وہ ہیں انجم انصار صاحبہ ہیں۔ میں ان کے اخلاق سے بہت زیادہ متاثر ہوں اور آج تک ان جیسی خاتون میں نے نہ دیکھی نہ پڑھی نہ سوچی۔ ان کا اخلاق، کردار، رویہ اور ان کا انداز اور ان کا بناوٹ سے پاک خالص پن ہی میری شخصیت پر گہرا اثر ڈال گیا۔ اللہ نے اس دنیا میں کتنے اچھے اور ہر کیٹگری کے لوگ بنائے ہیں۔ انجم میری مثالی خاتون ہیں ان کے اخلاقی رویے کو اپنانے کی کوشش کرتی ہوں، ان کی سحر انگیز اور پروقار شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے وہ میری آئیڈیل ہیں۔

تیرا عشق بد ذات سجن

ریحانہ آفتاب

"زینی ہوش میں آؤ۔" کشف نے شانوں سے پکڑ کر اس کو جھنجوڑا مگر وہ زرینہ ہی کیا جس کے کان پر جوں رینگتی۔ وہ اپنی بقراطی میں مگن رہی۔

"کاش کہ بل گیٹس میرے ڈیڈ ہوتے، کاش اوباما میرا پڑوسی ہوتا، کاش ٹائیگر شروف مجھے ڈانس سکھاتا، کاش بروک لیسنر اور رومن رینج میرے باڈی گارڈ ہوتے، کاش ناول کا ڈیشنگ ہیرو مجھ سے ٹکرا جائے......"

"کاش کی چلتی پھرتی فیکٹری بند کرو یہ الاپ۔" کشف نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اس کی آواز کا گلا گھونٹا، زرینہ نے اس کا ہاتھ ہٹایا۔

"اس میں برا کیا ہے؟" وہ تنکی۔

"اچھا بھی کچھ نہیں ہے۔" کشف نے آئینہ دکھایا۔ وہ برا سامنہ بنا کے رہ گئی۔

"تمہاری دعوت پہ میں کمبائن اسٹڈی کرنے آئی تھی اور تم اپنی کاش کی پٹاری کھول کر بیٹھ گئیں۔" کشف نے کتابیں سمیٹنا شروع کر دیں جو اس بات کا اعلان تھا کہ وہ رخت سفر کا ارادہ کر چکی ہے۔

"ہاں تو کریں گے ناں کمبائن اسٹڈی۔" زرینہ نے دلاسا دیا۔

"تم کرو میں تو جا رہی ہوں۔" کشف نے اعلان کیا۔

"جا کے دکھاؤ۔" زرینہ نے دھونس سے کہتے چپس کا پیکٹ کھول لیا۔

"چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس لوں گی خالی پیٹ مجھ سے کچھ پڑھا نہیں جائے گا۔" بے چاری سی شکل بنا کر زرینہ نے

اسمارٹ فون اٹھایا۔

"راحیلہ چائے کے ساتھ سینڈوچ بھی بنالینا۔" زرینہ نے کچن کی طرف منہ کرکے آواز لگائی۔

"واؤ...... میرے اسٹیٹس کو 104 لائیکس ملے ہیں۔" وہ فیس بک کھولے کشف کو دکھانے لگی۔

"زینی بی بی میرے گھر جانے کا وقت ہوگیا ہے، اب میں چائے اور سینڈوچ بنانے لگی تو بہت دیر ہوجائے گی۔" راحیلہ منہ بگاڑے چلی آئی۔ وہ اسے گھورنے لگی۔

"کون سا کے ٹو سے چھلانگ لگانے کو کہا ہے، جتنی دیر میں تم یہاں آئیں اتنی دیر میں چائے بن جاتی۔"

"مجھے کوکنگ کے پیسے نہیں دیتی آپ، یہ میرا کام نہیں ہے۔" راحیلہ ہری جھنڈی دکھا کے مڑ گئی۔

"آنے دو مما کو، کرواتی ہوں تمہاری چھٹی۔" زرینہ نے دھمکی دی۔

"کردیں پروا کس کو ہے۔" راحیلہ نے بھی ادھار نہیں رکھا اور سیڑھیاں اتر گئی۔ کشف کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ بڑبڑا کر راحیلہ کو برا بھلا کہنے لگی۔

"ملازمہ بھی بالکل اپنی طرح کی رکھی ہے تم نے۔" وہ کشف کو دیکھ کے رہ گئی۔

"یہ گیٹ کیوں کھلا ہوا ہے نیچے کا۔" ارسم نے نیچے سے پوچھا۔

"لو ایک اور نمونا آگیا۔" اس نے دھیمی آواز سے کہا۔

"چاچی کہاں ہیں؟" وہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا اور دونوں کو دیکھتا تفتیشی لہجہ میں پوچھا۔

"مما بازار گئی ہیں۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"جب تم گھر میں اکیلی ہو تو دروازے کا دھیان رکھنا چاہیے تھا کوئی گھس جاتا پھر......؟"

"آپ گھس تو آئے ہیں۔" زرینہ کی معصومیت پہ کشف کو ہنسی آنے لگی مگر اس نے ضبط کرلی۔

"اور میں اکیلی کہاں ہوں ذرا چشمے کا نمبر چینج کریں آپ کو ساڑھے پانچ فٹ کی میری دوست نظر نہیں آرہی۔" زرینہ کے اشارہ کرنے پہ ارسم نے دائیں جانب رخ کیا۔

"السلام علیکم!" کشف سے کچھ بن نہ پڑا تو سلام کردیا۔

"وعلیکم!"

"یہ وعلیکم کیا ہوتا ہے، سلامتی بھی پتھر مارنے کے انداز سے دیتے ہیں۔" ارسم نے اسے گھور کے دیکھا۔

"یہ مما نے بھیجا ہے، چاچی آئیں تو بتادینا مما کو ان کے ساتھ کہیں جانا ہے۔" ارسم نے ڈبا اس کی طرف بڑھایا، جسے جھٹ تھام کر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈبا کھولنے لگی۔

"ارے بریانی......" اس کے منہ میں پانی آگیا۔ وہ جھٹ نوالہ لینے لگی۔

"ہاتھ تو دھولو۔" ارسم سے برداشت نہ ہوا۔

"ایں...... آپ گئے نہیں۔" نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے زرینہ نے ایسے دیکھا کہ اس کی جان جل گئی۔ کشف نے سر جھکا کر ہنسی چھپائی۔

"جاتے ہوئے دروازہ اچھی طرح بند کردیجیے گا، کہیں پھر کوئی منہ اٹھا کر نہ چلا آئے۔" ارسم سیڑھیاں اترنے لگا تو پیچھے سے زرینہ بولنا نہیں بھولی۔

"تو یہ کس قسم کی روح ہے تمہارے اندر۔" کشف نے کب کی رکی ہنسی کو باہر آنے کا موقع دیا۔ "یہ غالباً تمہارے تایا زاد ہیں۔" کشف نے اندازہ لگایا۔

"ہاں وہی سڑیل تھے...... آؤ تم بھی کھاؤ بہت مزے کی بریانی ہے۔" زرینہ نے ڈبا بیچ میں رکھ دیا۔

❁ ❁ ❁ ❁

"یہ کون سی مخلوق آباد ہے؟" دیوار کی طرف اشارہ کرتے اس نے تمیم سے پوچھا۔ محظوظ کن تاثرات کے ساتھ حیرانگی بھی تھی لہجے میں۔

"ہے ایک پاگل۔" تمیم نے معلومات پہنچائی۔ "محترمہ ایڈونچر اور تھرل کے لیے اکثر اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی رہتی ہیں۔" دھیمی آواز سے مزید معلومات دی۔

"بہت انفارمیشن ہے۔" اس نے مذاق اڑایا۔

"ظاہر ہے سالوں سے پڑوسی ہیں۔" تمیم نے فوراً وضاحت پیش کی۔

"چند دن میں تم بھی محترمہ کے بارے میں سب جان جاؤ گے...... اسپیشل سوشل میڈیا پہ ان کے اسٹیٹس پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔" تمیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فیملی بڑی شریف ہے...... ایک بھائی اور بہن ہے۔"

"ہوں۔" ہنکارا بھر کر اس نے فون اٹھایا۔

"تم اینڈ ہو اس کی فرینڈ شپ میں؟" کسی خیال کے آنے پہ اس نے تمیم سے استفسار کیا تو تمیم نے سر ہلایا۔

"کیوں تم کیا کرنے والے ہو؟" صمیم نے پوچھا۔
"کچھ خاص نہیں...... تم نے محترمہ کے اسٹیٹس کی تعریف کی تو سوچا ہم بھی ایڈ ہو جائیں۔" اس نے ریکویسٹ بھیجتے ہوئے کہا۔
"یقیناً تیرے شیطانی دماغ میں کوئی شرارت کلبلا رہی ہوگی۔ جیسی وہ ایڈونچر کی دلدادہ ویسا تو...... خوب گزرے گی۔" صمیم ہنسا۔
"وال تو کافی انٹرسٹنگ ہے محترمہ کی۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ زرینہ نے اسے ایڈ کرلیا تھا۔
"واہ کیا کوئیک رسپانس ہے بریانی کھاتے محترمہ نے ایڈ بھی کرلیا۔" صمیم سر ہلاتا نیچے جانے لگا۔
"کہاں؟" اس نے جاننا چاہا۔ "کچھ کھانے کو لے آؤں۔" صمیم نے کہا۔
"فیس بک پہ اتنا برا وقت بھی آ گیا...... اللہ خیر کرے فرینڈز ابھی مجھے بھٹکی روح کی فرینڈز ریکویسٹ آئی ہے اب بھٹکی روحیں بھی فیس بک کا رخ کرنے لگی ہیں۔" زرینہ کے اسٹیٹس نے اسے فلک شگاف قہقہہ لگانے پہ مجبور کردیا اور قدرے اونچا ہو کر دیوار کے پار جھانکنے کی کوشش کی، تھی تو غیر اخلاقی حرکت مگر وہ صرف اسے دیکھنا چاہتا تھا۔
دونوں کی پشت دیوار کے ساتھ تھی۔ ایک لڑکی کتاب کھولے بیٹھی تھی۔ دوسری بال بکھیرے سیل فون میں لگی ہوئی تھی۔ وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔
"اس وقت بھٹکی روح تو آپ لگ رہی ہیں۔" اس نے کمنٹ کیا۔ اس نے کمنٹ پڑھتے چونک کر اردگرد دیکھا پر آس پاس کے ٹیرس بالکل خالی تھے۔

❀....❀....❀....❀

کبوتر جا جا کبوتر جا جا جا......
چھت پہ کبوتروں کو پانی اور باجرہ ڈالتے وہ مسلسل گنگنا رہی تھی، اس کام سے فارغ ہو کر اس نے گانے کے ساتھ دوپٹا لہرا لہرا کر پرفارمنس دینا بھی شروع کردی تھی۔ قدموں کی دھمک پہ دیوار پار اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔
"زرینہ......" کسی کی تیز آواز آئی، گانے کا عمل رک گیا۔ زرینہ نے مڑ کر دیکھا ارسم اسے گھور رہا تھا۔
"اس طرح یہاں کھلے آسمان تلے چھت پہ کیسی واہیات حرکت کر رہی ہو۔" اس نے لفظ چبا کے کہا۔
"آپ جیسے بورنگ بینکر کو ٹیلنٹ کی کیا قدر جو دو جمع دو ہی کرتے رہتے ہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔ تب تک فردوس بھی اوپر آ چکی تھیں۔
"چاچی دیکھی آپ نے اس کی فضول حرکت۔" ارسم نے فردوس سے شکایت کی جنہیں وہ پہلے ہی اوپر آنے کی دعوت دے چکا تھا۔
"دیکھ رہی ہوں بیٹا، نجانے یہ لڑکی کب بڑی ہوگی، ہر وقت کد کڑے لگائے رکھتی ہے۔" فردوس نالاں نظر آ رہی تھیں۔
"اپنی یہ ساری کارستانی یہ فیس بک پر بھی منتقل کرتی رہتی ہے۔" ارسم نے گھورا، ذینی فردوس کی وجہ سے چپ رہی۔
"سیلفیز اپ لوڈ کرنے سے میں پہلے بھی کئی بار منع کر چکا ہوں مگر یہ مانتی نہیں، سوشل میڈیا پہ کیسے عجیب و غریب لوگ ہوتے ہیں جنہیں ایڈ بھی کر لیتی ہے اور کمنٹس کا بھی تبادلہ ہوتا ہے۔"
"آپ کو تو ان شاء اللہ آج ہی ہلاک کروں گی۔" اس نے دل میں سوچا۔ ارسم اس کی اوٹ پٹانگ سیلفیز سے تنگ تھا جس کی شکایت کرنا اس نے ضروری سمجھا۔
"یہ کیا سن رہی ہوں زینی، تم نے اپنی تصویریں ڈالی ہیں نیٹ پہ۔" فردوس سخت تیوروں سے پوچھ رہی تھیں۔ زینی نے کھا جانے والی نظروں سے ارسم کو دیکھا۔
"چہرہ واضح نہیں ہے...... گردن کی تصویریں ہیں۔" وہ منمنا کے رہ گئی۔
"تم نے ڈالی کیوں؟" فردوس کی آواز تیز ہوئی۔ دیوار پار ان کی گفتگو بغور سنتے اس نے جلدی سے وائی فائی آن کیا۔
دیکھیے تو صحیح محترمہ کو، ایک تصویر میں دونوں ہاتھ سے چہرہ چھپا رکھا تھا صرف چڑاتی زبان نظر آ رہی تھی۔ اسے ہنسی آ گئی۔ کسی میں گردن کٹی ہوئی تھی۔ کسی میں صرف ہاتھ پاؤں تھے۔
"چند تصویروں کے لیے اتنا واویلا...... بس کردی ڈیلیٹ اپنی وال سے۔" اگلے لمحے زرینہ کی غصے سے بھری آواز آئی۔
"آپ کو اور کوئی کام نہیں ہے جو روز میری شکایت کرنے آ جاتے ہیں۔ کیا بینک سیل ہو گیا ہے آپ کا؟" غصے کا رخ ارسم کی طرف ہوا۔
"زینی......" فردوس کی غصیلی تنبیہ کرتی آواز آئی۔ ارسم نے اس منظر سے غائب ہونے میں ہی عافیت جانی۔
"کیا حرکت کی تم نے؟" فردوس اسے گھور رہی تھیں۔

”ٹھیک کیا...... جب دیکھو ماما بننے کو تیار رہتے ہیں، شکایتی ٹٹو...... جانے انہیں مجھ سے کون سا بیر ہے۔“ وہ شدید غصے میں تھی۔

”بکواس مت کرو...... تمہیں پتا ہے تمہاری شادی ارسم سے ہی ہوگی۔ تمیز سے بات کیا کرو اس سے۔“ فردوس سخت تیوروں سے گھور رہی تھیں۔

”مجھے نہیں کرنی اس پچاس سالہ بڈھی روح رکھنے والے جوان سے شادی۔“ اس نے صاف جواب دیا۔

”ہمارے لاڈ پیار نے تمہیں ضرورت سے زیادہ بگاڑ دیا ہے، آنے دو اپنے پاپا اور بھائی کو کرتی ہوں شکایت اور کٹوانی ہوں یہ نیٹ۔“ فردوس دھمکاتی چلی گئیں۔

”مر جاؤں گی مگر اس شکایتی ٹٹو اور بی جمالو سے شادی نہیں کروں گی۔“ زینی کی آواز تیز ہوئی۔ اسے ہنسی آنے لگی تھی۔

❁......❁......❁......❁

”مما میں آپ کی ہیلپ کردوں؟“ کچن میں آئی تو فردوس سالن بھون رہی تھیں۔ اسے شرمندگی ہوئی۔

”کیوں نیٹ بند ہوگیا تمہارا؟“ فردوس نے پلٹ کر پوچھا تو وہ کھسیاسی گئی۔

”کام تو کرتی ہوں مما...... صبح سارے گھر کی صفائی کی تھی۔“ اس کا صفائی دینے والا انداز ہوا۔

”جی ہاں آج ماسی نے چھٹی کی اس لیے۔“ انہوں نے جتایا۔

”کرلیں شرمندہ۔“ وہ منہ پھلا کر کھڑی ہوگئی۔

”اچھا آٹا گوندھ کر روٹیاں پکالو، میں نماز پڑھنے جارہی ہوں۔“ انہیں جیسے معصوم بھولی بھالی بیٹی پہ ترس آگیا۔ وہ سر ہلا کر آٹا نکالنے لگی۔ اس نے آٹا گوندھ کر رکھا اور برتنوں کو سلیقے سے ریک میں سجانے لگی اور فردوس بھی نماز پڑھ کر آگئیں۔

”بھابی کب تک آئیں گی میکے سے؟“

”پتا نہیں...... کہہ کے تو دو دن کا گئی تھی، اب تو ہفتہ ہونے کو آیا، علشبہ کا بھائی آیا ہوا ہے انگلینڈ سے میں نے بھی بلوانا مناسب نہ سمجھا۔“ فردوس نرم طبع ساس تھیں۔

”مجھے عمیس بہت یاد آرہا ہے۔“ اس نے اکلوتے بھتیجے کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں یاد تو مجھے بھی آرہا ہے، احرم آئے تو پوچھتی ہوں کب تک آئے گی علشبہ۔“ فردوس نے کام ختم کرکے توا چولہے پہ رکھا۔

”روٹیاں گن کر پکانا بچ کر بھوسی ٹکڑے میں جاتی ہیں۔ رزق کی ناقدری مجھے قطعاً پسند نہیں، اسی رزق کے پیچھے آج کا انسان صحیح غلط کی تمیز بھلا بیٹھا ہے۔“ فردوس کہہ کر چلی گئیں۔ وہ روٹی پکانے لگی، دوسری روٹی کی شکل پہ دھیان دیتے توا میں پڑی روٹی سے نظر ہٹی تو وہ آدھی سے زیادہ جل گئی تھی۔

”اوشٹ۔“ چمٹے سے روٹی اتارتے ہوئے بڑبڑائی۔ ”مما نے دیکھا تو صلواتیں سنائیں گی۔ کہاں چھپاؤں؟“ وہ کچن میں نظر دوڑانے لگی پھر کسی خیال کے آنے پہ جھٹ سیل فون اٹھا کر روٹی کی تصویریں کھینچنے لگی۔

”پہلے صرف شیشہ ٹوٹتا تھا اب تو روٹیاں بھی میری خوب صورتی سے جلنے لگی ہیں۔“ روٹی کی تصویر اپ لوڈ کرکے اس نے اسٹیٹس لگایا۔

”خیالی پلاؤ پکایا کریں...... کبھی خراب نہیں ہوگا۔“ بھکی روح کا کمنٹ تیزی سے آیا تو منہ بنا کر اس نے سیل فون رکھ دیا۔

”یہ بھکی روح کچھ زیادہ ایکٹو ہے۔“ دوسری روٹی توے پہ ڈالتے بڑبڑائی۔ ڈور بیل بجی تو وہ دروازے کی طرف بھاگی۔

”بھابی...... ارے میرا پیارا عمیس۔“ دروازہ کھولتے علشبہ اور عمیس پہ نظر پڑتے ہی وہ ایکسائٹڈ ہوگئی۔ علشبہ کے ”ارے ارے“ کرتے کرتے اس نے عمیس کو گود میں لے کر چٹا چٹ پیار کرنا شروع کردیا۔

”کتنے دن لگا دیے، ابھی میں اور مما آپ دونوں کو ہی یاد کررہے تھے، کتنا یاد آرہا تھا یہ گبو۔“ گیارہ ماہ کا عمیس گالوں پہ آتا لگائے پھوپو کی آواز سے آواز ملا کر خوشی کا اظہار کررہا تھا۔ علشبہ اندر آچکی تھی علشبہ کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جسے وہ دیکھ نہ پائی۔

”ہیلو۔“ آواز پہ اس نے چونک کے دیکھا۔

”یہ میرا بھائی جعفری ہے، چار دن پہلے انگلینڈ سے آیا ہے۔“ علشبہ نے تعارف کرایا جو پرشوق نگاہوں سے زرینہ کو دیکھ رہا تھا۔

”جعفری یہ میری نند ہے زینی۔“

”السلام علیکم!“ تعارف پہ اسے اخلاقیات نبھانا پڑے۔

”یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے؟“ علشبہ نے دھوئیں کے بادل دیکھے تو پوچھا۔

”لو مر گئی...... دوسری روٹی بھی جل گئی۔ مما تو آج مجھے جان سے ماردیں گی۔“ عمیس کو علشبہ کے حوالے کرتے اس نے کچن کی طرف دوڑ لگائی۔

❁……❁……❁……❁

"دعوت کب کرنی ہے؟" عمیس کو کاٹ میں لیٹاتے ہوئے علشبہ نے ٹی وی دیکھتے احرم سے استفسار کیا۔

"کس کی دعوت؟" نظریں اسکرین پہ جمائے احرم نے بے دھیانی سے پوچھا۔ علشبہ نے تیکھی نظروں سے میاں کو دیکھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھ کر لوشن لگانے لگی۔

"میرا بھائی سالوں بعد انگلینڈ سے لوٹا ہے، میری شادی میں بھی شریک نہیں تھا، اس کی دعوت۔" اس کے جتاتے لہجے پہ احرم نے سر ہلایا۔

"رکھ لو کسی دن اپنی فیملی کی دعوت۔" اس نے منظوری دی۔

"بہنوں کو بھی بلواؤں گی ان کی فیملیز کے ساتھ۔" علشبہ نے اب بالوں پہ برش پھیرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے پروگرام نے احرم کو نظریں اسکرین سے ہٹانے پہ مجبور کر دیا۔

"کیا مطلب؟ تمہاری پانچ بہنیں، ان کے شوہر اور پھر سب کے تین تین چار چار بچے...... یہ تو کوئی تیس چالیس بندے ہو جائیں گے تمہاری فیملی کو لے کر۔"

"مطلب؟" علشبہ تنک کر بیڈ پہ آ کر بیٹھ گئی۔ اپنی فیملی سے متعلق اعداد و شمار کچھ پسند نہیں آئے۔

"مطلب صاف ہے کہ مہینے کے آخر میں اتنے لوگوں کی دعوت سے بجٹ بہت آؤٹ ہوگا، مما کیسے مینج کریں گی۔" احرم نے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا۔

"مجھے نہیں پتا۔" علشبہ نے ہاتھ جھاڑے۔

"کیا بچوں جیسی بات کر رہی ہو، اگلے ماہ عمیس کی فرسٹ برتھ ڈے ہے اس میں بلا لینا سب کو۔" احرم نے راہ دکھائی۔

"برتھ ڈے کی بھی خوب یاد دلائی آپ نے، پہلے بیٹے کی پہلی برتھ ڈے اور گھر کی چھت پہ......"

"کوئی بنکوئٹ یا ریزورٹ تو بک کرانے کی اوقات نہیں ہے ہماری۔" علشبہ چڑ گئی۔ پہلے بھی اس حوالے سے ان کے بیچ تلخ کلامی ہو چکی تھی۔ احرم نے لب بھینچ لیے۔

"جب تمہیں میری سیلری اور اس گھر کا بجٹ پتا ہے تو ان باتوں کا کیا مطلب؟" احرم کو غصہ آنے لگا۔

"کوئی مطلب نہیں، نہ کریں دعوت بھی۔" علشبہ چادر تان کر لیٹ گئی۔ احرم خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ علشبہ اس کی پسند تھی، فردوس اور ضیاء نے بیٹے کی پسند پہ سر جھکا دیا تھا۔ اکلوتے بیٹے کی پسند سے انکار کر کے اسے بددل نہیں کرنا چاہتے تھے، پھر زندگی اس نے گزارنی تھی۔ علشبہ کا تیز مزاج اور ناشکرا پن احرم کو چبھنے لگا تھا گو کہ فردوس یا گھر کے دوسرے کسی فرد نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی تھی۔ احرم جانتا تھا اس کی فیملی کی اعلا ظرفی تھی۔ اس میں علشبہ کا کوئی کمال نہ تھا۔ فردوس اس کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا کرتی تھیں۔ وہ کام کرنے سے جی چراتی تو خود کھڑی ہو جاتیں یا زینی سے کروا لیتیں۔ علشبہ ان سے اچھا رویہ رکھنے کی بجائے فاصلے پہ ہی رہتی تھی۔

❁……❁……❁……❁

"فردوس آج میں خاص بات کرنے آئی ہوں۔" نبیلہ کی آمد پہ فردوس نے خوشی کا اظہار کیا، جس پہ نبیلہ نے آنے کی وجہ بتائی۔

"کیا خاص بات؟"

"ارے دم تو لینے دو۔" نبیلہ نے ہنستے ہوئے چادر اتاری۔

"اف توبہ، کتنی گرمی ہے۔" نبیلہ پنکھے کے نیچے کھڑے ہو کر پسینہ خشک کرنے لگیں۔

"گرمی تو واقعی بہت ہے، میں شربت بنواتی ہوں، زینی۔" فردوس نے آواز لگائی۔ علشبہ شربت کے گلاس ٹرے میں سجائے چلی آئی۔

"کیسی ہیں تائی جی۔" فردوس نے کسی قدر چونک کر علشبہ کو دیکھا پھر مسکرا دیں۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا، بہت شکریہ۔" نبیلہ نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ کو آتے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے فوراً شربت لے آئی۔" علشبہ نے داد چاہی۔

"ماشاء اللہ بہت اچھی بہو ملی ہے تمہیں فردوس۔" فردوس مسکرائیں۔

"تمہارا چھوٹا کہاں ہے؟" نبیلہ نے شربت پیتے استفسار کیا۔ علشبہ نے ایک گلاس فردوس کو تھمایا اور دوسرا خود لے کر بیٹھ گئی۔

"چھت پہ ہے اپنی پھوپو کے پاس...... دونوں کو بڑا مزا آتا ہے چھت پہ۔" علشبہ کا انداز بظاہر سرسری تھا مگر اس کی ذومعنویت پہ فردوس چپ رہ گئیں۔

"فردوس، تم نے زینی کو اوپر کا کمرہ دے کر غلط کیا ہے۔ جوان لڑکی ہے، اوپر اکیلی رہتی ہے۔" نبیلہ فردوس سے ہمکلام ہوئیں۔ علشبہ نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اب وہ مزے سے ٹھنڈے ٹھار شربت کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

"مجبوری تھی آپا...... پہلے تو یہ کمرہ احرم کے زیر استعمال تھا لیکن شادی سے پہلے علشبہ کو زیادہ گرمی، دھوپ نہ لگے اس خیال سے زینی کو اوپر والا کمرہ دے کر استعمال میں لانا پڑا کہ آدھی چھت کھلی ہے، دیواریں اونچی ہیں اور آس پاس جان پہچان والے اچھے لوگ ہیں اس لیے تسلی ہے۔" فردوس کی سچائی پہ علشبہ نے پہلو بدلا۔

"تم اور ضیاء اوپر شفٹ ہو جاؤ، بھلے کتنے بھروسے کے لوگ ہوں مگر زمانہ بڑا بے اعتبار ہو چکا ہے۔" نبیلہ نے رائے دینے کے ساتھ فکرمندی سے کہا۔

"بس آپا...... ضیاء کے گھٹنے کا درد ساتھ نہیں چھوڑتا جس کی وجہ سے وہ سیڑھیاں اتر چڑھ نہیں پاتے تو......" فردوس چپ ہو گئیں۔

"صحیح بات ہے، متوسط طبقے کے تو سو مسائل...... سر ڈھکو تو پیر ننگا پیر ڈھکو تو سر۔" نبیلہ بھی آہ بھر کر چپ ہو گئیں۔

"بڑے دنوں بعد آنا ہوا آپ کا؟" علشبہ نے موضوع بدلا۔

"ہاں میں تو بھول ہی گئی۔" نبیلہ کا رخ فردوس کی طرف ہوا۔

"میں اور تمہارے بھائی اب زرینہ اور ارسم کی منگنی کا سوچ رہے ہیں بتاؤ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟" علشبہ کے منہ کا زاویہ تیزی سے بگڑا۔

"یہ تو پہلے ہی طے تھا بھابی...... میں ضیاء اور احرم سے پوچھ لوں پھر آپ کو بتادوں گی۔" فردوس کے چہرے سے خوشی جھلکنے لگی۔

"ہاں چلو یہ بھی ٹھیک ہے...... تم مجھے فون کر دینا۔" نبیلہ مطمئن ہو گئیں۔

"یہ دیکھیں بھابی، نہلا کر کیسا تیار کیا ہے آپ کے صاحب زادے کو۔" زینی فریش سے عمیس کو لیے چلی آئی۔

"میں نے عمیس کی سیلفیز بھی اپ لوڈ کر دیں۔" وہ اپنا کارنامہ بھی گوش گزار کر رہی تھی۔ نبیلہ اور فردوس اس کی بچکانہ حرکت پہ مسکرائیں۔

"ارے تائی جان، السلام علیکم آپ کب آئیں؟" وہ نبیلہ کو دیکھ کر خوش ہوئی۔ جتنی اسے تائی اچھی لگتی تھیں اتنا وہ ارسم سے چڑتی تھی۔

"تھوڑی دیر ہوئی۔ آؤ بیٹھو میرے پاس۔" نبیلہ نے لگاوٹ سے کہا۔ علشبہ نے عمیس کو گود میں لے لیا تو وہ نبیلہ کے پاس بیٹھ گئی۔

"تائی کے لیے کچھ بنالو۔" فردوس نے اشارہ کیا۔

"تکلف نہ کرو۔" نبیلہ نے منع کیا۔

"تکلف کیسا میں نے پکوڑوں کا آمیزہ تیار کر رکھا ہے، اور اک نئی ڈش ٹرائی کر رہی ہوں آپ ٹیسٹ کر کے جائیں گی۔" زینی نے پیار بھری دھونس سے کہا۔

"ایسی بات ہے تو چلو پھر ٹھیک ہے۔" نبیلہ نے آمادگی دکھائی۔

"میں عمیس کو سلادوں، اسے نیند آرہی ہے۔" علشبہ نے بیزاری سے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی راہ لی۔

❁ ❁ ❁ ❁

او میرے سپنوں کے سوداگر
مجھے ایسی جگہ لے جا......

"کتنی بار سنو گی یہ ٹریک۔" کشف کمبائن اسٹڈی کے لیے آئی تھی۔ وہ مسلسل ایک ہی گانا چلا رہی تھی تو اس سے مزید برداشت نہیں ہو سکا۔ اس نے سیل فون اٹھا کر گانا بند کر دیا۔

"مسئلہ کیا ہے؟" اس کے کھوئے ہوئے انداز پہ کشف کو حیرانی ہوئی۔ وہ چپ چپ سی تھی۔

"گھر والے میری منگنی کر رہے ہیں ارسم کے ساتھ اور پیپرز کے بعد شادی۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

"واؤ...... یہ تو ایکسائٹنگ نیوز ہے۔" کشف اچھلی اس نے منہ بگاڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں کرنی یہ منگنی۔"

"لیکن کیوں؟" کشف کو حیرانی ہوئی۔

"مجھے ارسم بھائی پسند نہیں۔" اس نے منہ بنا کر صاف جواب دیا تو کشف چیخ اٹھی۔

"اللہ کو مان زینی، اتنا اچھا بھلا بندہ ہے۔"

"تو پھر تم کر لو منگنی۔" جواب حاضر تھا۔ کشف نے اس کو گھورا۔

"اگر تمہاری بات سالوں سے طے نہ ہوتی تو ضرور ٹرائی کرتی۔" زینی نے کوفت سے ارد گرد دیکھ کر کہا۔

"ناپسندیدگی کی وجہ؟" کشف اب کے سنجیدہ ہوئی۔

"میں جانتی ہوں، ارسم بھائی میں ہر خوبی ہے جو لڑکیوں کو اٹریکٹ کرتی ہیں مگر وہ میرے ٹائپ کے نہیں ہیں۔ ہم دونوں کے مزاج میں بہت فرق ہے، وہ بہت سنجیدہ، سوبر، ہر وقت جھاڑ

جھاڑ کرنے والے...... انہیں میری ہر چیز پہ اعتراض ہوتا ہے، ایسے کیوں کھارہی ہو، یہ کپڑے کیوں پہنے ہیں، اتنا کیوں ہنستی ہو، اس سے بات کیوں کرتی ہو؟ وہ چاہتے ہیں میں بھی ان کی جیسی بدھی روح بن جاؤں...... مزاج میں اتنا تضاد رکھنے والے اچھی زندگی نہیں گزار سکتے۔ میں اگر بڑوں کی بات مان کر شادی کر بھی لوں تو ساری زندگی کمپرومائز ہی ہوگا لیکن ان سب میں میرے اندر کی زینی مرجائے گی۔" اس نے سنجیدگی سے اپنے خوف کو زبان دی۔ کچھ پل کشف بھی بول نہ پائی۔

"تمہارا تردد بھی اپنی جگہ درست ہے مگر ہم جس سوسائٹی کا حصہ ہیں اس میں والدین کی پہلی چوائس پڑھا لکھا اور کمانے والا لڑکا ہوتا ہے، کئی والدین تو دل پہ پتھر رکھ کر کم پڑھے لکھے لڑکوں کو بھی بیٹی دے دیتے ہیں کہ اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اچھے اور ہم پلہ رشتے کے انتظار میں لڑکی کی عمر نکلنے لگتی ہے تو اسی سوسائٹی کے لوگ باتیں بناتے ہیں کہ ساری خوبیاں ڈھونڈنے سے ایک شخص میں نہیں ملتیں اور جن والدین کو تمہارے جیسے اچھے رشتے مل جائیں تو وہ شکر ادا کرتے نہیں تھکتے...... جن خدشات اور تضادات کا تم ذکر کررہی ہو وہ میں اور تم تو انڈراسٹینڈ کرسکتے ہیں، ذہنی مطابقت نہ رکھنے والے شخص کے ساتھ نباہ آسان نہیں لیکن ہماری سوسائٹی اور ہمارے والدین کی سوچ ابھی اس اہم مسئلے کی طرف نہیں گئی۔" کشف کا لہجہ بھی تھکا ہوا تھا خود اس کی دو بہنیں کم پڑھے لکھے لوگوں میں بیاہی گئی تھیں، بہنیں پڑھی لکھی تھیں، اچھے لڑکے کے انتظار میں اس کے والدین گھر بٹھا کر بوڑھا نہیں کرسکتے تھے۔

"تم سمجھدار ہو، خود کو ذہنی طور پر تیار کرو، کم از کم ارسم بھائی تمہارے فرسٹ کزن ہیں، تمہیں اجنبی لوگ اور ماحول کا سامنا نہیں ہوگا اور ان شاء اللہ تم اچھی لائف گزارو گی۔" کشف نے اس کی فکر اور پریشانی دور کرنے کی کوشش کی۔ زینی نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی خاموشی دیوار پار بہت شدت سے محسوس کی گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

علشبہ نے کچن کی طرف جھانک کر تسلی کی۔ فردوس اور زرینہ رات علشبہ کی فیملی کی متوقع دعوت کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ علشبہ نے تھوڑا ہاتھ بٹادیا تھا مگر زینی کے کالج سے آنے کے بعد عمیس کو سلانے کے بہانے جو کمرے میں گھسی تو پھر نکلی نہیں۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے اسمارٹ فون اٹھایا اور کسی کو کال کرنے لگی۔

"السلام علیکم!" دوسری طرف سے کال ریسیو کی گئی۔

"وعلیکم السلام بے وقت آپ کو کال کی، آپ ڈسٹرب تو نہیں ہوئے ارسم؟" علشبہ کو موقع محل کے حساب سے گفتگو میں ملکہ حاصل تھا۔

"ارے نہیں بھابی، کہیے۔" ارسم بھی رشتے داری کے ناتے اس کی بہت عزت کرتا تھا۔

"ایکچولی سالوں بعد بھائی کینیڈا سے آیا ہے تو اسی سلسلے میں آج احرم نے میری فیملی کی دعوت رکھی ہے، امی ابو کسی عزیز کی عیادت کو گئے ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا دعوت کی تیاری میں مدد کے لیے بہن کو بلوالوں، بے چاری امی اس عمر میں کتنا ہاتھ بٹائیں گی۔" علشبہ نے معصوم بن کر کہا۔

"بھابی زینی ہے ناں وہ آپ کی مدد کردے گی۔"

"وہ تو کالج سے آکر سوگئی ہے جانے کب جاگے، گھر کی بات ہے، بہن آکر ہاتھ بٹادے گی۔" علشبہ نے ہوشیاری سے کام لیا۔

"جیسا آپ بہتر سمجھیں۔" ارسم نے بات ختم کی۔

"آپ کو کال اس لیے کی تھی کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ میری سسٹر کو پک کرلیتے تو بہت احسان ہوگا۔" علشبہ مطلب کی طرف آئی۔

"میں......؟" ارسم جھجک کے بولا۔

"اصل میں امی ابو کسی کی عیادت کو گئے ہیں، بھائی بھی نہیں ہے، احرم بہت بزی ہیں مجھے ایک دم آپ کا خیال آیا تو کال کرلی لیکن اگر آپ کو فرصت نہیں ہے تو......" علشبہ کا لہجہ افسردہ اور دھیما ہوگیا۔

"ارے نہیں...... میں پک کرلیتا ہوں آپ کی سسٹر کو...... آپ انہیں انفارم کردیں۔" ارسم کو مانتے ہی بنی۔

"بہت شکریہ اور احسان آپ کا۔" علشبہ کھل گئی۔

"غیروں والی بات نہ کریں۔" ارسم نے رواداری نبھائی۔ علشبہ کال ڈسکنکٹ کرکے اب اپنی بہن کو کال کرنے لگی۔

❁......❁......❁......❁

ڈوربیل کی آواز پہ فردوس گیٹ کی طرف بڑھی ہی تھیں کہ اپنے کمرے سے نکل کر تیزی سے علشبہ نے دروازہ کھول دیا۔

"آپی......" کیل کانٹوں سے لیس شرمین علشبہ کے گلے لگ گئی۔ فردوس اندر آتی شرمین اور اس کے پیچھے آتے ارسم کو دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ زرینہ بھی بیل کی آواز پہ

کچن کی دہلیز پہ آ کھڑی ہوئی تھی۔
"ارسم تم؟" فردوس نے حیرت کو زبان دی۔
"دراصل شرمین گھر میں اکیلی بور ہو رہی تھی تو میں نے ارسم کو کہا تھا شرمین کو پک کر لینے کو، آؤ شرمین، سانس لے لو میرے کمرے میں پھر واپس چھوڑ دینا میرا۔" علشبہ بہن کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے میں لے گئی۔
"چاچی...... بھابی نے کہا تو میں انکار نہیں کر سکا لیکن ایک اجنبی لڑکی کے ساتھ بائیک پہ...... میں بہت آکورڈ فیل کرتا رہا آپ احرم بھائی سے کہہ دیجیے گا بھابی کو مناسب الفاظ میں سمجھا دیں۔" ارسم کچھ پزل لگ رہا تھا۔
فردوس بھی خاموش سی ہو گئی تھیں۔ علشبہ کی اس حرکت نے انہیں کچھ سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ زرینہ نے شاید پہلی بار ارسم کو دھیان سے دیکھا تھا پھر کچن کے کام میں لگ گئی۔
"تم آفس سے آ چکے تھے آفس سے؟"
"نہیں لنچ ٹائم تھا، بھابی کی کال آئی تھی۔"
"لنچ بھی نہیں کیا ہوگا؟" فردوس نے فکرمندی سے پوچھا۔
"جی۔"
"بیٹھو لنچ کر کے جاؤ، کھانا تقریباً تیار ہے زینی۔" فردوس نے زینی کو کھانا نکالنے کا اشارہ کیا۔
"چاچی لیٹ ہو جاؤں گا۔" ارسم نے نکلنا چاہا۔
"نہیں ہوگے، کھا کر جاؤ، ورنہ سارا دن بھوکے رہو گے۔"
زرینہ کھانے کی ٹرے لا کر صحن میں موجود پلنگ پہ رکھ چکی تھی۔ ارسم نے اس کے تھکے چہرے کو دیکھا وہ کہیں سے بھی سوئی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔ فردوس کے اصرار پہ وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جھانک کر باہر کا منظر دیکھتی علشبہ جل گئی۔
"اتنا اچھا موقع دیا تھا تمہیں ذرا موقع سے فائدہ اٹھانا نہیں آتا، لنچ باہر نہیں کر سکتی تھیں۔" علشبہ شرمین کو گھورنے لگی۔
"میں نے بہت کوشش کی آپی مگر یہ ضرورت سے زیادہ شریف ہے یا تمہاری نند پہ فریفتہ۔" شرمین جل ہی تو گئی۔
"ہاں جانے کیسا جادو آتا ہے اس لڑکی کو، کیسا ہیروں جیسا لڑکا نصیب بننے جا رہا ہے۔ مجھے تو تمہارے لیے بہت پسند ہے۔" علشبہ نے دلی خواہش ظاہر کی۔
"اچھا کچھ کھانے کو لا دیں، بہت بھوک لگ رہی ہے۔" شرمین ٹی وی کا ریموٹ اٹھاتی ٹانگیں لمبی کر کے نیم دراز ہو گئی تھی۔

❁........❁........❁........❁

دعوت بہت پرتکلف تھی۔ کھانے کے بعد چائے، ڈرائی فروٹ کے بعد علشبہ نے آئس کریم بھی منگوالی تھی، سب رات گئے تک بیٹھے رہے، زرینہ کو اسائنمنٹ بھی تیار کرنا تھا، وہ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس پر سے جعفری کی نظروں نے اسے الگ پزل کر رکھا تھا، چیزیں سرو کرتے دانستہ کئی بار جعفری نے اس کے ہاتھ کو ٹچ کرنے کی کوشش کی تھی اسے غصہ تو بہت آیا تھا مگر پھر اس نے کچن میں ہی رہنے میں عافیت جانی، کچن میں برتنوں کے ڈھیر دھو کر اور کچن کی صفائی کر کے فارغ ہوئی تو دن بھر کی تکان سے کمر دہائی دینے لگی۔ مہمان جا چکے تھے علشبہ بھی اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔
"بھائی چائے۔" چائے کا کپ لے کر آئی تو فردوس اور احرم دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے ضیاء سو چکے تھے۔
"خوش رہو۔" احرم کھل گیا۔ "بڑا دل چاہ رہا تھا چائے کا۔"
وہ مسکرائی۔
"مجھے پتا ہے آپ کو عادت ہے دوبارہ چائے پینے کی...... مما میں اسائنمنٹ بنانے جا رہی ہوں، آپ کو کچھ چاہیے تو نہیں؟"
فردوس نے اس کے تھکے چہرے کو دیکھا، بھلے وہ لاکھ بچکانہ حرکتیں کرتی تھی مگر وہ ذمہ دار بھی بہت تھی صبح سے لگی ہوئی تھی۔
"کچھ نہیں چاہیے اسائنمنٹ کل بنا لینا، ابھی سو جاؤ تھک گئی ہو گی سارا دن کام کر کے۔" فردوس کو فکر ہوئی۔
"صبح لازمی جمع کروانا ہے، میں کر لوں گی۔" وہ مسکرا کر اوپر چلی گئی۔
"آپ ہر وقت پیچھے پڑی رہتی ہیں، دیکھیں تو کتنا کام کرتی ہے۔" احرم نے بہن کی طرفداری کی۔
"جانتی ہوں اس لیے روک ٹوک کرتی رہتی ہوں کہ کل کو شادی بھی کرنی ہے، بھلے اپنوں میں جائے گی مگر میں نہیں چاہتی کہ کسی کو زینی پہ انگلی اٹھانے کا موقع ملے۔" احرم سر ہلانے لگا فردوس کچھ دیر سوچتی رہیں جیسے لفظ کا انتخاب کر رہی ہوں۔
"احرم...... بیٹا آج ارسم پیغام دے کر گیا ہے کہ تم علشبہ کو ذرا نرمی سے سمجھا دو کہ اپنی بہن کی ذمہ داری اس پہ نہ ڈالے۔" وہ جھجک کر چپ ہو گئیں تو احرم چونکا۔
"مطلب؟" فردوس نے علشبہ کی کال پر شرمین کو ڈراپ کرنے کی روداد گوش گزار کر دی۔ احرم کی پیشانی پہ بل آ گئے۔
"ارسم اس گھر کا ہونے والا داماد ہے، جب وہ مرد ہو کر خود

اس چیز کو اچھا نہیں سمجھ رہا تو علشبہ کو بھی خیال رکھنا چاہیے۔"
فردوس کچھ پریشان سی تھیں۔ انہیں علشبہ کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"آپ پریشان نہ ہوں...... میں سمجھادوں گا اسے۔" احرم نے چائے ختم کی۔

اسائنمنٹ بناتے زینی کو سیل فون کی یاد آئی، صبح سے اسے فیس بک استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"فیلنگ سک، باڈی پین، سر درد اور ادھورا اسائنمنٹ۔" اسٹیٹس ڈال کر وہ دوستوں کے پیغامات پڑھنے لگی۔

"دوا لیں...... اسائنمنٹ مکمل کریں، یہاں کون سا ڈاکٹر آپ کے انتظار میں بیٹھا ہے۔" بھٹکی روح کا فوری کمنٹ آیا، اس نے چڑ کے موبائل ہی بند کردیا۔

"واقعی میں بھٹکی روح ہے جو اتنی رات کو بھی منڈلاتی رہتی ہے۔ ہائے نہیں کیسی باتیں سوچنے لگی پھر سوتے ہوئے ڈر لگے گا۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے پھر سے اسائنمنٹ کی طرف دھیان دیا۔

❀......❀......❀......❀

"عمیس سو گیا تھا تو تم برتن دھونے میں زینی کی مدد کردیتیں۔" احرم کمرے میں آیا تو علشبہ آرام سے لیٹی ٹی وی پروگرام دیکھ رہی تھی۔

"سارا دن میں بھی لگی رہی ہوں۔" علشبہ نے تنک کے کہا۔

"اچھی طرح جانتا ہوں تم نے کتنا کام کیا ہے۔ میں اپنی ماں اور بہن کے ہاتھ کے کھانوں کا ذائقہ پہچانتا ہوں۔" احرم کا لہجہ جتاتا ہوا تھا۔

"ہاں تو باقی کے کام بھی ہوتے ہیں کٹنگ، صفائی وغیرہ۔" علشبہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔

"تم نے ارسم کو کال کیوں کی تھی؟" احرم کا پوچھنا تھا کہ علشبہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"تو لگادی شکایت آپ کی ماں نے؟" اس کا لہجہ تیز ہوا۔

"آواز آہستہ کرکے بات کرو ورنہ تمہارا طنطنہ ختم کرنے میں مجھے ذرا دیر نہیں لگے گی۔" احرم دھیمی لیکن سخت زبان میں بولا۔

"ارسم میرا کزن اور ہونے والا بہنوئی ہے کس رشتے سے تم نے اپنی بہن کو اسے پک کرنے کو کہا، تم مجھے بھی کہہ سکتی تھیں یا تمہارے گھر سے کوئی چھوڑ دیتا۔" احرم غصے سے بولا۔

"گھر میں کوئی نہیں تھا۔" علشبہ نے دوٹوک کہا۔

"تو اپنی بہن کو کہتی رکشا یا ٹیکسی میں آجائے۔"

"اکیلی لڑکی رکشہ میں آئے۔" علشبہ چمکی۔

"اکیلی لڑکی جب اجنبی کے ساتھ بائیک پہ بیٹھ سکتی ہے تو رکشہ میں بیٹھنے میں کیا حرج ہے۔" احرم برہم ہوا۔

"میں پہلی اور آخری بار سمجھا رہا ہوں آئندہ اس طرح کی حرکت ہوئی تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔" احرم کو غصہ کم آتا تھا مگر وہ علشبہ کی سازش بہت اچھی طرح سمجھ گیا تھا، سمجھ تو فردوس بیگم بھی گئی تھیں مگر انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ علشبہ سلگتی رہی۔

❀......❀......❀......❀

"کیسی ہیں زینی؟" کال ریسیو کرتے اجنبی لب و لہجے پہ زرینہ نے حیرانی سے فون کو دیکھا۔

"کون؟"

"جعفری بات کررہا ہوں۔" مسکرا کر تعارف کرایا۔

"میں بھابی سے آپ کی بات کرواتی ہوں۔" وہ نیچے جانے لگی۔

"علشبہ سے بات کرنا ہوتی تو اس کے نمبر پہ کال کرتا۔ آپ اتنا بھی نہیں سمجھتیں۔" اسے ایسے کسی جواب کی توقع نہیں تھی تب ہی اس کے قدم تھم گئے۔

"مطلب؟" اب کے اس کا لہجہ سخت ہوا۔

"میں نے آپ سے بات کرنے کے لیے کال کی ہے۔"

"کیوں......؟" زرینہ کے ماتھے پہ بل پڑنے لگے۔

"ہم میں رشتہ داری ہے، وہ کہتے ہیں نا شادی دو فرد کی نہیں، دو خاندان کے درمیان ہوتی ہے۔" اس کا انداز لبھانے والا ہوا۔

"معاف کیجیے گا مجھے اجنبی سے بات کرنا پسند نہیں۔" اسے غصہ آگیا۔

"زینی میں آپ کو پسند کرنے لگا ہوں، آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔" اس کی بات نے اس کا فشار خون بلند کردیا۔

"میں جانتا ہوں آپ ارسم کو پسند نہیں کرتیں ہاں آپ کا جیون ساتھی میرے جیسا بندہ ہونا چاہیے جو آپ کو سمجھ سکے۔" وہ جانے اور کیا کیا بکواس کررہا تھا زرینہ نے کال کاٹ دی۔

"اس کی اتنی ہمت کہ ایسی فضول گوئی کرے کیا کروں؟" وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

"مما کو بتاؤں؟ نہیں وہ پریشان ہوں گی، بھائی کو......

نہیں وہ بھابی پہ غصہ ہوں گے پہلے بھی پچھلے واقعے پہ کئی دن دونوں کے بیچ سرد جنگ رہی...... میں بھابی کو بتاتی ہوں...... وہ اپنے بھائی کو خود سمجھالیں گی۔" سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے علشبہ کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ حسب معمول آرام کررہی تھیں۔

"میں آجاؤں بھابی۔"

"ہاں آجاؤ۔" علشبہ نے بادل نخواستہ کہا۔

"طبیعت کیسی ہے اب عمیس کی؟" اس نے سوئے عمیس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔

"موسمی بخار کا شکار ہے دوا پی کے سو رہا ہے، بہتر ہے۔" علشبہ نے اسے بغور دیکھا۔ "کوئی کام تھا؟" وہ بہت کم آتی تھی تب ہی پوچھا۔

"جی بھابی۔" اس نے جھجکتے ہوئے جعفری کی کال اور باتوں کے متعلق بتایا۔ علشبہ سیدھی ہوئی۔ جب بولی تو لہجے میں دنیا جہان کی محبت انڈ آئی۔

"تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے یہ سب مجھے بتایا...... ہنوا اگر مما یا احرم کو بتاتی تو احرم مجھے کھڑے کھڑے طلاق دے دیتے۔"

"اللہ نہ کرے بھابی کیسی فضول باتیں کررہی ہیں۔" زرینہ دہل گئی۔ علشبہ نے مکاری سے رونا شروع کردیا۔

"تم بہت اچھی ہو زینی لیکن تم نہیں جانتیں اس دن شرمین کو ارسم نے ڈراپ کیا تب ہی احرم نے مجھے طلاق کی دھمکی دی۔ تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں تم بھولے سے بھی مما یا احرم سے یہ ذکر نہ کرنا...... میں خود جعفری کے کان کھینچوں گی۔ امی، ابو سے بھی اس کی شکایت کروں گی۔"

"جی بھابی جیسا آپ بہتر سمجھیں۔" زینی سر ہلا کر چلی گئی۔

"یہ کیا حرکت کی تم نے؟" اگلے لمحے علشبہ نے جعفری کو کال کرکے غصہ کیا۔

"تو بتادیا نند نے؟" وہ ہنسا۔

"شکر کرو مجھے بتایا اگر اس کی ماں یا بھائی کو بھنک بھی پڑ گئی تو احرم مجھے فارغ کردیں گے۔" علشبہ جل گئی۔

"مجھے تمہاری نند اچھی لگنے لگی ہے تو کیا کروں؟" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"تو مجھے بتاتے میں کوئی حل سوچتی۔" اس نے راہ دکھائی۔

"تو اب سوچ لو۔"

"ہاں سوچتی ہوں لیکن اب کوئی فضول حرکت مت کرنا۔" علشبہ نے سختی سے کہا۔

❁....❁....❁....❁

"جانے مما سے یہ سب چھپا کے میں نے ٹھیک کیا یا نہیں لیکن مما پریشان ہوتیں اور بات احرم بھائی تک جاتی تو یقیناً رشتے پہ فرق پڑتا۔ میری وجہ سے بھائی کا گھر خراب ہو یہ میں کبھی نہیں چاہوں گی۔" سارا دن وہ خود کو تاویلیں دے کر سمجھاتی رہی۔

"تم ہر وقت چھت پہ ہی کیوں رہتی ہو، کبھی نیچے بھی بیٹھ جایا کرو۔" جانے ارسم کب وہاں آگیا تھا۔ اسے سوچوں میں گم دیکھ کر بولنا نہیں بھولا۔

"آپ کو بھی ہر وقت مجھ پہ نکتہ چینی کی کیوں عادت ہے۔" وہ چڑ گئی۔ ارسم نے اس کے پھولے چہرے کو دیکھا اور مسکرادیا۔

"تاکہ تم انسانوں والی حرکتیں کرو۔"

"آپ نے مجھ میں کون سی جانوروں والی حرکتیں دیکھ لیں۔" اس نے جرح کی۔

"ہر وقت بلی کی طرح پنجے تیز کرتی ہو یہ کیا کم ہے۔" اس نے چڑایا۔ وہ منہ بنا کے رہ گئی۔

"نیچے جاؤ امی، بابا آئے ہیں، ہماری انگیجمنٹ کی بات کرنے۔" ارسم نے مسکراتے لہجے میں اطلاع دی۔ وہ چونک گئی۔

"خوشی نہیں ہوئی۔" اس نے چھیڑا۔

"آپ جیسے ہٹلر کے ساتھ منگنی پہ کون لڑکی خوش ہوگی۔" وہ نیچے جانے لگی۔ ارسم بھی نیچے آگیا۔ جہاں سب خوش گپیوں میں مصروف تھے، علشبہ کا موڈ کسی قدر آف تھا۔ وہ سب کو سلام کرکے کچن میں آگئی۔

"پانی مل سکتا ہے؟" ارسم کچن کے دروازے پہ تھا، زینی نے فریج سے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی نکال کر گلاس تھمایا۔

"تمہیں مجھ سے شکایت کیا ہے؟" وہ شاید کچھ زیادہ فرصت سے تھا۔

"آج آپ کو یہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔" اسے اس کی موجودگی سے الجھن ہونے لگی۔

"ظاہر ہے ساری زندگی ساتھ رہنا ہے فکر تو ہوگی۔" اس نے چپ رہنے میں عافیت جانی۔

"تمہیں شاید میری ہر وقت کی روک ٹوک سے چڑ ہے۔ وہ صرف اس لیے کرتا ہوں کہ ابھی تم بے وقوف ہو۔" زینی نے

اسے گھور کے دیکھا۔
"پرسنل کمنٹ میں برداشت نہیں کرتی۔"
"سچ ہی کہا ہے۔" ارسم نے زور دے کر کہا۔
"تم نہ صرف بے وقوف بلکہ بے حد ان میچورڈ ہو۔" ایک اور خوبی سے آگاہ کیا گیا۔
"جی اور آپ نہایت چالاک اور ہوشیار انسان ہیں اور میں بے وقوف خوش....." وہ حسب عادت چڑ گئی تو ارسم ہنسنے لگا۔
"اوہو..... یہاں تو رومینس چل رہا ہے۔" علشبہ کی آواز قریب سے آئی تو دونوں چونکے۔
"میں پانی پینے آیا تھا۔" ارسم کو اس کا جملہ برا لگا۔
"میں کب کہہ رہی ہوں تم کوئی ایسی ویسی حرکت کر رہے تھے۔" علشبہ نے بظاہر مسکرا کر چھیڑا مگر ارسم کو گراں گزرا، وہ باہر چلا گیا۔ زینی بھی اس کا انداز سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

❁....❁....❁....❁

"اگر تمہیں ارسم پسند نہیں تو انکار کردو۔" علشبہ نے ہمدرد بن کر زرینہ کو سمجھایا۔
"ارسم تو واقعی تمہیں سوٹ نہیں کرتا کہاں تم شوخ و چنچل کہاں وہ خاموش طبع۔" علشبہ نے تاسف سے کہا۔
"یہی پریشانی تو مجھے لاحق ہے بھابی کہ میری ارسم بھائی سے ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے، انہیں مجھ میں صرف خامیاں ہی نظر آتی ہیں۔ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ..... اب کیا شادی کے بعد بھی میں ان کی جھڑکیاں کھاتی رہوں گی۔" وہ بددل تھی۔ ہر حساس لڑکی کی طرح اس کے بھی کچھ احساسات تھے، وہ بھی تعریف و توصیف و توجہ چاہتی تھی، کوئی خوش کن احساس، گنگناتا جملہ مگر ارسم ان احساسات سے کوسوں دور تھا۔ شاید ہی اس نے کبھی زینی کو کوئی تحفہ دیا ہو، نبیلہ خود لے آتی تھیں مگر ارسم نے آج تک اسے برتھ ڈے تک وش نہیں کیا تھا۔ وہ بددل نہ ہوتی تو کیا کرتی۔ لڑکیاں اپنے افیئرز کے اتنے سنسنی خیز قصے سنا کر جب اس سے پوچھتیں تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی کہ سالوں سے "ارسم کی دلہن" کا خطاب سننے والی کے پاس کوئی دلچسپ قصہ نہیں تھا۔
"ایسے ہوتے ہیں کزن اور منگیتر..... بھلے منگنی نہیں ہوئی مگر زبانی تو سب طے ہے۔ انہیں مجھ سے لگاؤ ہے نہ محبت۔" وہ کوفت سے سوچتی اور اس کا برملا اظہار بھی کئی بار فردوس سے کر گئی تھی مگر انہوں نے ہمیشہ اس کا بچپن ہی سمجھا اور اب علشبہ اس سے جانے کیا اگلوانا چاہ رہی تھی۔
"ان فضول سوچوں کو ذہن سے نکال دو گی تو بہت اچھا ہوگا۔ اگر ارسم چیپ لڑکوں کی طرح کوئی سطحی حرکت نہیں کرتا تو یہ اس کے اعلا کردار کی دلیل ہے۔" فردوس، عمیس کو اٹھائے چلی آئیں۔ انہوں نے زرینہ کا جملہ سن لیا تھا۔ جس پہ برہمی کا اظہار کرنا نہیں بھولیں۔
"بھوک سے رو رہا ہے۔" فردوس نے عمیس کو علشبہ کے حوالے کیا علشبہ ان کی نظروں سے خائف ہو کر عمیس کو لے کر نیچے چلی گئی۔
"تم اتنی کم عمر اور بھولی ہو کہ تمہیں ہمارے فیصلے کی ابھی سمجھ نہیں آئے گی، لڑکیوں کی ذاتی ترجیحات یوں بھی شادی کے بعد بدل جاتی ہیں، اولاد کے بعد ان میں بہت تبدیلی آتی ہے۔ ارسم سمجھدار بچہ ہے تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں اپنوں کے درمیان رہنا ہوگا۔" فردوس نے سمجھایا۔
"اور آئندہ میں تمہیں علشبہ سے اس حوالے سے کچھ ڈسکس کرتے نہ دیکھوں۔" ساتھ ہی تنبیہہ بھی کی جسے وہ نہ سمجھ سکی۔

❁....❁....❁....❁

عمیس کی پہلی سالگرہ تھی، کئی دن سے زرینہ اور احرم تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ علشبہ کی پوری فیملی مدعو تھی۔ فردوس نے نبیلہ، وقار اور ارسم کو بھی بلایا تھا۔ رات کافی ہو گئی تھی۔ زینی چھت کو سجانے میں مگن تھی جب علشبہ اس تک آئی۔
"زینی تمہارا فون مل سکتا ہے وہ ایکچولی میرا بیلنس ختم ہوگیا۔ ضروری کال کرنا تھی۔"
"جی ضرور بھابی، تکیہ پہ رکھا ہوا ہے سیل فون۔" وہ کارٹونز چپکاتے ہوئے مصروف انداز میں بولی۔ وہ اتنی سادہ لوح اور معصوم تھی کہ علشبہ کی حرکتوں کو آج تک سمجھ نہ سکی تھی۔
"نمبر تو مجھے یاد نہیں، میرا فون نیچے رہ گیا میں فون نیچے لے جاتی ہوں۔" علشبہ نے اجازت چاہی۔ اس نے مسکرا کر اجازت دے دی اور اپنے کام میں لگ گئی۔
"آج کل جس کو دیکھو ٹائٹ چیک میں لگا ہوا ہے، اور ایک ہمارے ہونے والے منگیتر صاحب ہیں جو بھولے سے کال کرلیں تو تفتیشی کال ہوتی ہے۔" بڑبڑا کر خود پہ افسوس کرنے لگی۔
"ٹھیک ہے شادی کے بعد بھی باتیں ہوتی ہیں مگر ان

چیزوں کا حسن تو شادی سے پہلے ہے ناں، لڑکیاں ڈیٹ پہ جانے کے لیے کیسے کیسے جھوٹ بولتی ہیں، تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے، ہر تہوار پہ سب سے پہلے وش کرنے کی چاہ ہوتی ہے اور ایک میرا نصیب ہے۔" لہجہ گلوگیر ہوا جب سے منگنی کی تاریخ طے ہوئی تھی وہ کچھ زیادہ ارسم کی لاتعلقی و بیگانگی کو سوچنے لگی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ ارسم کو اس سے محبت نہیں تھی یا وہ اسے پسند نہیں تھی۔ مزاج میں سنجیدگی اور بردباری تھی اور کچھ وہ ان چھچھوری حرکتوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ جب ماں باپ نے سالوں سے رشتہ طے کردیا تھا کہ زینی اس کی دلہن بنے گی تو وہ مزید پرسکون ہوگیا تھا۔ وہ جانتا تھا زینی کو اس سے بے حد شکایتیں ہیں اس کی نظر میں وہ بورنگ اور احساسات سے عاری تھا، وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا تھا، بس اظہار کا قائل نہ تھا۔ نہ ہی ہوٹلوں، پارکوں کا شیدائی جو اسے لے کر پھرتا رہتا۔

❁....❁....❁

عمیس شیروانی اور پگڑی میں غضب ڈھا رہا تھا۔ کیک کٹ چکا تھا۔ علشبہ کی فیملی تمام بہنیں اپنی فیملی کے ساتھ مدعو تھیں۔ زرینہ کا کمرہ چونکہ چھت سے متصل تھا سو وہ حشر کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ گھڑی گھڑی کوئی میک اپ ٹھیک کرتی تو کسی کو اپنا ہیئر اسٹائل بدلنے کا خیال ستانے لگتا۔ علشبہ کی امی نے کمر درد کا رونا رو کر بیڈ پہ قبضہ جما رکھا تھا۔ جعفری کی نظریں زینی سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ بلیک شاکنگ پنک سوٹ میں وہ محفل کی جان لگ رہی تھی۔ شرمین ارسم کے ارد گرد اٹھلا رہی تھی۔

"جب گھر میں ہی چھوٹی سی تقریب تھی تو اس قدر تیار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی شادی تھوڑی ہے۔" ارسم اسے کہنا نہ بھولا۔ زرینہ کا دل بے حد برا ہوا۔ بجائے اس کے کہ وہ اسے سراہتا، تعریف کرتا الٹا لتاڑ رہا تھا۔

"میں نے آپ سے کہا کہ آپ نے بالکل اچھی ڈریسنگ نہیں کی پھر آپ نے کیوں زحمت کی۔" اسے غصہ آ گیا۔ دل اتنا برا ہوا کہ وہ نیچے چلی آئی۔

"حد ہوتی ہے، بھابی کی بہنیں کتنا تیار ہوئی ہیں۔ انہیں میری ہی چیزیں چبھتی ہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نازک دل پہ چوٹ سی پڑی تھی۔ قریب تھا ہتھیلی سے رگڑ کر لپ اسٹک صاف کردیتی لیکن کسی کی غیر متوقع آواز پہ اس کے ہاتھ رک گئے۔

"یہ نہ کریں پلیز۔" وہ جعفری تھا۔

"آپ یہاں؟" اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ آپ اتنی حسین لگ رہی ہیں کہ تعریف کیے بغیر چلا جاتا تو ساری رات اس کسک سے نیند نہ آتی۔" وہ قریب آتے ہوئے بولا۔ زینی نے ایک طرف سے نکلنا چاہا۔

"اتنی بھی کیا بے رخی۔" جعفری نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ آگ بگولہ ہوئی۔

"ہاتھ چھوڑو۔"

"نہیں چھوڑتا۔" مسکراتے ہوئے وہ ہاتھ سہلانے لگا۔

زینی نے دوسرے ہاتھ کا طمانچہ جعفری کے منہ پہ رسید کردیا۔ جعفری ہکا بکا رہ گیا۔

"تمہاری اتنی جرأت کہ تم میرے بھائی پہ ہاتھ اٹھاؤ۔" علشبہ چلائی، اس نے سارا منظر دیکھ لیا تھا۔

"بھائی یہ بدتمیزی کر رہے تھے۔" وہ ذرا نہیں ڈری۔

"بدتمیزی یہ کر رہا تھا یا تم اسے بدتمیزی پہ مجبور کر رہی تھیں۔" علشبہ تیز آواز سے چلائی۔ آناً فاناً سب لوگ نیچے جمع ہوگئے۔

"کیا ہوا؟" فردوس پریشان سی زینی کے پاس آئیں۔

"اپنی بیٹی سے پوچھیے جو میرے بھائی سے عشق فرما رہی ہے اور اس کے منع کرنے پہ واویلا کر رہی ہے۔" علشبہ تمسخر سے بولی۔

"علشبہ کیا بکواس کر رہی ہو؟" ارحم بھی نیچے آ گیا تھا۔

"میں بکواس کر رہی ہوں ہاں آپ لوگوں کو تو اپنی بہن بیٹی ہی سچی لگے گی۔" وہ حیرت کی تصویر بنی علشبہ کی غلط بیانی سن رہی تھی۔

"علشبہ رہنے دو۔" جعفری نے اداکاری کی۔

"کیسے رہنے دوں۔" علشبہ نے مزید ڈرامائی رنگ بھرا۔ "کچھ دن پہلے بھی جعفری نے مجھے شکایت کی کہ زینی نے اسے کال کر کے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور اسے مسلسل کال کرتی ہے۔"

"بھابی..... آپ مجھ پہ بہتان لگا رہی ہیں، کال آپ کے بھائی نے کی تھی جس کی شکایت میں نے آپ سے کی تھی۔" وہ اس سفید جھوٹ پہ دنگ رہ گئی۔

"بہت خوب۔" علشبہ نے مذاق اڑایا۔ فردوس، ضیاء، ارسم سب جیسے پتھر کے ہوگئے تھے۔

"بھابی جھوٹ کہہ رہی ہیں بھائی۔" وہ ارحم کی طرف بڑھی۔

"اچھا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں تو کل تم نے دو گھنٹے جعفری سے بات نہیں کی...... ثبوت ہے جعفری کے کال ریکارڈ کا۔" علشبہ نے جعفری کا فون لے کر سب کو دکھایا۔

"پوچھیں ذرا اتنی رات کو یہ میرے بھائی سے کیا باتیں کررہی تھی۔ اس نے جعفری سے کہا کہ وہ ارسم سے شادی نہیں کرنا چاہتی وہ اس کے مزاج کا نہیں، جعفری اسے سمجھاتا رہا اور آج بھی اسے سمجھا رہا تھا جس پہ یہ آپے سے باہر ہوگئی۔" علشبہ نے کہانی کو ایسا رنگ دیا کہ سب ساکت رہ گئے تھے۔ زینی کے آنسو بہنے لگے۔ ارسم سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مما یہ سب جھوٹ ہے کل بھائی نے مجھ سے سیل فون لیا تھا کہ انہیں ضروری کال کرنا تھی پھر گھنٹوں بعد لوٹایا...... میرا یقین کریں۔" وہ فردوس کا ہاتھ پکڑ کر شدت سے رو پڑی۔

"تم نے ہمیں پہلے کال کے متعلق کیوں نہ بتایا؟" احرم غصے سے بولا۔

"بھائی نے کہا تھا کہ آپ نے یہ سب سنا تو انہیں طلاق دے دیں گے۔ میں نے اسی لیے مما سے بھی یہ ذکر نہیں کیا۔" زینی کا ذلت و شرمندگی سے برا حال تھا۔

"بھائی میں ایسی بالکل نہیں ہوں، جیسا بھابی ثابت کررہی ہیں۔" اس کے آنسو نہیں رک رہے تھے۔

"ہمیں ہماری بیٹی پہ پورا بھروسا ہے بہو، جب سالوں سے اس کا رشتہ ارسم سے طے ہے تو وہ کیوں اس طرح کی گھٹیا حرکت کرے گی۔" ضیاء سے مزید برداشت نہ ہوا۔ فردوس کو بھی حوصلہ ہوا۔

"آج سے پہلے ہمارے گھر میں اس طرح کا کچھ نہ ہوا۔ اگر زینی ایسی فطرت رکھتی تو راہ چلتے بہت لڑکے مل جاتے، اسے گھر میں بدنام ہونے کی کیا ضرورت تھی اور جو لڑکی خود غلط ہو وہ لڑکے کو تھپڑ نہیں مارتی۔" فردوس نے ایسی جتاتی نظروں سے جعفری کو دیکھا کہ وہ نظر چرا گیا۔

"میری بہن نا سمجھ ضرور ہے مگر لوز کریکٹر نہیں۔" احرم نے زینی کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ علشبہ منظر تبدیل ہوتے دیکھ کر چپ رہ گئی۔ باقی سب کو بھی جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"ہم گھر آئے مہمان کی عزت کرتے ہیں اپنے مہمانوں کو کھانا کھلاؤ اور رخصت کرو۔" احرم کے کڑے لب و لہجے نے علشبہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔ کمال سے چلی چال بھروسے اور اعتماد کی دیوار کے آگے ناکام ہوگئی تھی۔ احرم کی خونی نگاہوں نے جعفری کو منظر سے غائب ہونے پہ مجبور کردیا۔ فردوس زینی کو لے کر اپنے کمرے میں آگئی تھیں۔

"چپ ہوجاؤ زینی ہمیں تم پہ بھروسا ہے۔" فردوس نے اس کے آنسو پونچھے۔ نبیلہ بھی ساتھ بیٹھی تھیں۔ ارسم کمرے کے کونے میں کھڑا تھا مگر بے حد خاموش تھا۔

"جانے کون سا بدلہ لے رہی ہے علشبہ؟" فردوس روہانسی ہوئیں۔

"اس طرح کی سیاست اور لگائی بجھائی نہ مجھے آتی ہے نہ میری بچی کو۔" فردوس کی دہائی پہ احرم کے لب بھینچ گئے۔ علشبہ کی فیملی کھانا کھائے بغیر ہی چلی گئی تھی۔ اس سازش میں شرمین، جعفری اور علشبہ شامل تھی، باقی سب پہ بھی کہانی کھلی تو سب نے ان تینوں کو ملامت کرنا فرض سمجھا اور اپنے گھروں کو چل دیئے تھے۔

علشبہ کا غصے سے برا حال تھا۔ احرم کے سامنے رو رو کر مظلوم بن رہی تھی۔ اپنی فیملی کی بے عزتی پہ دہائی دے رہی تھی مگر احرم پہ کوئی اثر نہیں ہورہا تھا۔

"آج کے بعد تم نہ اپنے میکے جاؤ گی نہ تمہارے گھر سے کوئی یہاں آئے گا اور اگر تم نے اس دھمکی کو ہلکا لیا تو تم اپنے نقصان کی خود ذمہ داری ہوگی۔" احرم نے علشبہ کے ساتھ برا کرنے سے خود کو بہ مشکل روکا تھا۔ علشبہ نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

❁ ❁ ❁ ❁

زینی کو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ گو کہ سب نے مان کا احساس دلا کر اسے سرخرو کردیا تھا مگر علشبہ کی سازش نے اس کے معصوم بے ریا دل پہ گہرا زخم ڈال دیا تھا۔ لوگ اپنے مفاد کے لیے اتنے خود غرض ہوجاتے ہیں کہ انہیں دوسروں کے کچلے دل بھی نظر نہیں آتے۔ فردوس، ضیاء، احرم سب ہی اسے بہلا رہے تھے مگر وہ خود کو بہلانے میں ناکام ہورہی تھی۔ ارسم نے بھی اپنے بھروسے کا یقین دلایا تھا۔

"زینی مجھے بھی تم پہ اعتبار ہے، جعفری کی نظروں سے خائف ہوکر میں نے تمہیں اتنا تیار ہونے پہ سرزنش کیا تھا لیکن مجھے یہ بات قطعاً اچھی نہیں لگی کہ ہمارے پرسنلو میٹرز زبان زد عام ہوں۔ تمہیں مجھ سے جو شکایتیں ہیں وہ تم مجھ سے کہو بھابی یا کسی اور سے نہیں...... میں جانتا ہوں تم مجھ سے خائف

رہتی ہو۔ روک ٹوک پہ چڑتی ہو لیکن یہ سب تمہارے بھلے کے لیے کرتا ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں یا نہیں مجھے جتانا نہیں آتا، مجھے ابھی یہ ضروری بھی نہیں لگتا، جب ہماری شادی ہوجائے گی تو تمہیں خود احساس ہوجائے گا کہ تم کتنی غلط تھیں۔"

ارسم کے انداز پہ اسے حیرت ضرور ہوئی مگر وہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔ جانے کیوں ارسم اس کے دل میں نرم جذبہ نہیں بنا سکا تھا۔ جانے اس میں اس کی حد سے زیادہ احتیاط کا ہاتھ تھا یا اس کے جذبوں کی صداقت میں کمی تھی۔ علشبہ خود ہی فردوس اور زینی سے بات کرنے کی کوشش کرتی تھی ورنہ دونوں حتی الامکان اس سے بچتی تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

کشف آئی ہوئی تھی۔ جس دن وہ تماشا ہوا کشف نے خود سب کچھ ملاحظہ کیا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنے انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتی تھی مگر اس کی جب کو اب زیادہ وقت گزرنے لگا تھا۔ کالج بھی بے دلی سے جاتی تھی، اکثر چھٹی کرلیتی۔ فیس بک بھی ان دنوں زندگی سے بہت دور ہوگیا تھا۔ اس کا کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

"آنٹی بتا رہی ہیں منگنی کے دن تمہارا نکاح بھی رکھا گیا ہے؟" کشف نے اسے بولنے پہ اکسایا۔ "تم خوش ہو؟" وہ مجروح ہنسی۔

"پتا نہیں۔"

"زینی ایسا کیوں کررہی ہو؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے، کیا ارسم بھائی سے متعلق تمہارا تردد اب بھی قائم ہے؟" کشف نے جاننا چاہا۔

"میں نے لوگوں کے متعلق رائے قائم کرنا چھوڑ دی ہے، لوگ ویسے نہیں ہوتے جیسا ہم انہیں سمجھتے ہیں۔" اس کا اشارہ علشبہ کی طرف تھا، کشف سمجھ گئی مگر چپ رہی۔

"اب تو لفظوں پہ بھی اعتبار نہیں رہا، خوش ہوں یا نہیں یہ ابھی خود مجھ پہ منکشف ہونا ہے رہی ارسم بھائی کی بات ہوسکتا ہے وہ بہت اچھے ہوں مگر میں ان کے لیے اپنے دل میں کوئی احساسات نہیں پاتی..... شادی کے بعد میں خوش رہوں گی یا نہیں اس کا بھی نہیں پتا۔" وہ بہت الجھی ہوئی تھی۔

"تم اچھا سوچو گی تو اچھا ہی ہوگا۔" کشف نے سمجھایا۔

"میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتی نہ اچھا نہ برا۔" وہ سخت بےزار لگ رہی تھی۔

"فرض کرو اگر تمہاری شادی ارسم سے نہ ہو تو......" کشف کسی کلیئر پوائنٹ تک پہنچنا چاہتی تھی۔

"تو شاید میں اس ماحول سے باہر آجاؤں مجھے ابھی تھوڑا وقت چاہیے، خود کو سمجھانے کے لیے پہلے منگنی تک بات ٹھیک تھی مگر اتنا اچانک نکاح رکھ کر سب نے جیسے میرا خود پر سے اعتبار اٹھا دیا ہے۔ میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں، گھر میں کسی سے بات کی تو سب ڈسٹرب ہوجائیں گے۔" اس نے اندرونی کیفیت بیان کی۔

"فرض کرو نکاح ابھی نہیں ہوتا اور تمہیں تمہارے سپنوں کا سوداگر مل جائے تب تم ارسم سے شادی کرلو گی۔" کشف نے موڈ بدلنے کے لیے سوال کیا۔

"میں پاگل ہوں جو ایسی بےوقوفی کروں گی۔" اس کا کھلکھلاتا جواب کشف کو رنجیدہ اور کسی کو بےسکون کرگیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

"ہماری سوسائٹی میں یہ بات بہت بری ہے کہ لڑکی شادی کے لیے تیار ہے یا نہیں، اس کی فیلنگز کو کوئی نہیں سمجھتا، نہ جاننے کی کوشش کرتا ہے۔"

"او، ہینڈسم اب ایسا کیا ہوگیا جو تم سوسائٹی کو رو رہے ہو؟" صمیم نے اس کی دکھ سے کہی بات پہ حیرانی کا اظہار کیا۔

"تمہاری پڑوسن بےچاری ظلم ظاہر کسی سے کہہ چکی ہے کہ اسے ارسم پسند نہیں ہے، دونوں کے بیچ انڈراسٹینڈنگ نہیں ہے مگر کسی کے کان میں جوں بھی نہیں رینگی۔ پہلے منگنی ہورہی تھی اب اس کے ساتھ میں نکاح کی پخ بھی لگادی..... لڑکی روئے گی نہیں تو کیا کرے گی۔" وہ خاصا تپا ہوا تھا۔

"تمہارے دل میں کیوں درد اٹھ رہا ہے..... ان کا نجی معاملہ ہے۔" صمیم نے لاپروائی سے کہا۔

"بھلے ہو مگر ہم بھی اسی سوسائٹی کا حصہ ہیں ہمارے گھروں میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے، پوائنٹ بس یہ ہے۔" وہ بضد تھا۔

"مسٹر ہینڈسم یہ مڈل کلاس فیملی ہے، مڈل کلاس فیملی کے اپنے اتنے مسائل ہیں کہ وہ انڈراسٹینڈنگ جیسے چونچلے کو اہمیت نہیں دیتے۔ لڑکا کماتا، کھاتا ہو، شریف ہو، والدین سمجھتے ہیں انہوں نے بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کرکے تیر مارلیا۔" صمیم نے کڑوا سچ کہا۔

"بھلے لڑکی گھٹ گھٹ کے ہی کیوں نہ مرجائے۔" اسے غصہ آیا۔

"کیا کہہ سکتے ہیں۔" صمیم نے سر جھٹکا۔ "ہم اپنے مسئلے پہ بات کریں؟" صمیم نے اجازت چاہی۔

"بولو۔" اس نے اٹھ کر فریج سے پانی نکال کر پیا۔ غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہاری فلائٹ کب ہے؟"

"نیکسٹ ویک۔" وہ واپس آ کر کشن پہ بیٹھ گیا۔

"سوری بڈی تمہیں سی آف کرنے نہیں آ پاؤں گا کیوں کہ مجھے بھی ایک دن پہلے اسلام آباد انٹرویو کے لیے نکلنا ہے۔" صمیم نے پروگرام بتایا۔

"نو پرابلم۔" اس نے دھیان بٹانے کے لیے ایل ای ڈی چلا لیا۔

❁.....❁.....❁.....❁

"خواب ارسم کے مجھے دکھائے اور نکاح سند کا کروا رہی ہیں بہت اچھے آپی۔" شرمین کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے علشبہ کو لتاڑنے کے لیے فون کیا۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ میری چال مجھ پہ الٹ جائے گی۔ جعفری نے زیبی کے لیے پسندیدگی ظاہر کیا تو میں نے سوچا ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے مگر سب کو زیبی پہ اعتماد بہت ہے۔" علشبہ جلی بیٹھی تھی۔

"کتنے سال میں آپ احرم بھائی کو نکیل نہیں ڈال سکیں اور مجھے مشورہ دیتی رہتی ہیں۔" شرمین کو ارسم کے ہاتھ سے نکل جانے کا کچھ زیادہ ہی دکھ تھا۔ تب ہی اگلا پچھلا حساب برابر کر رہی تھی۔

"تم بھی طعنے دو...... ادھر جعفری زرینہ سے انتقام لینے کو الٹی سیدھی بات کر کے میرا دل جلاتا ہے اور تم...... میں تم دونوں کا گھر بسانے چلی تھی کیا خبر تھی اپنا ہی داؤ خود پہ لگا بیٹھوں گی۔" علشبہ بہن کے طعنوں سے دل برداشتہ ہوئی۔

"دل پہ پتھر رکھ کر تم لوگوں سے دور بیٹھی ہوں۔" شرمین کو جیسے ترس آ گیا۔

"ایسا کب تک چلے گا؟"

"ابھی احرم غصے میں ہیں جیسے ہی ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا میں منا لوں گی۔" علشبہ نے تسلی دی۔

❁.....❁.....❁.....❁

نکاح کا دن آن پہنچا تھا۔ تقریب گھر کے لان میں منعقد کی گئی تھی۔ صبح سے ہی گھر میں افراتفری تھی۔ سر شام زیبی کو پارلر بھیج دیا گیا تھا جہاں سے تیار ہو کر وہ گھر کے لان میں آ چکی تھی۔ قریبی تمام احباب مدعو تھے۔ فردوس نے احرم کو سمجھا کر علشبہ کے گھر والوں کو بھی مدعو کر لیا تھا۔ علشبہ نکاح میں بے دلی سے شریک تھی۔ جعفری اور شرمین بھی کبیدہ تھے۔ احرم کسی مہمان کو ہال کی لوکیشن فون پہ سمجھاتا ہال کے باہر آیا تھا۔

"آپ یہ نکاح رکوا دیں کیونکہ آپ کی بہن مجھ سے نکاح کر چکی ہے۔" بائیک میں سوار ایک شخص احرم تک آیا، اجنبی نے ایک پیپر احرم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ احرم فون کان سے ہٹا کر بے یقینی سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جس نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" احرم دھاڑا۔

"ثبوت یہ رہا۔" اجنبی نے پیپر لہرایا۔ احرم نے پیپر جھپٹ لیا۔ اجنبی نے بائیک کو گیئر لگایا اور یہ جا وہ جا۔

"اوئے رک۔" احرم چیخا وہ گم ہو چکا تھا۔ ارد گرد موجود لوگ متوجہ ہو کر احرم کے قریب آ گئے تھے۔ احرم نے ہاتھ میں موجود پیپر کو کھولا وہ نکاح نامہ تھا، جس میں زیبی کے کوائف اور سگنیچرز احرم کا منہ چڑا رہے تھے۔ احرم کا فشار خون بلند ہونے لگا۔ قریب موجود شخص اندر جا کر باقاعدہ اعلان کر چکا تھا۔

"لڑکی نے تو پہلے ہی نکاح کر لیا ہے اپنے عاشق سے۔" آن کی آن میں ہر کسی تک یہ خبر پہنچ گئی۔ چہ میگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ احرم اندر داخل ہوا۔ اسٹیج پہ موجود زیبی کو گھورتے وہ قریب آیا۔

"احرم یہ کیسی خبر ہے؟" فردوس کے ساتھ نبیلہ بھی متفکر ہوئیں، ارسم بھی قریب آ چکا تھا۔

"پوچھیے اپنی لاڈلی سے جس نے ہماری بے عزتی کا اہتمام کر رکھا ہے۔" احرم نے نکاح نامہ لہرا کر کہا۔ ارسم نے اس کے ہاتھ سے نکاح نامہ لے کر دیکھا اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" فردوس روہانسی ہوئی۔ "کون ہے یہ راحیل؟" احرم اسٹیج پہ بیٹھی زیبی کے سر پہ پہنچ چکا تھا۔ وہ پہلے ہی کچھ سن گن ملنے پہ پریشان تھی۔ احرم کے دھاڑنے پہ حواس باختہ ہوئی۔

"مجھے نہیں پتا بھائی...... میں کسی راحیل کو نہیں جانتی۔" علشبہ اور باقی سب بھی اسٹیج پہ چڑھ آئے تھے۔ مہمان اسٹیج کے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے۔ عجیب سی صورت حال ہو گئی تھی۔

"تمہارے دستخط اور کوائف کیا کسی اور کو الہام ہوئے

ہیں۔" احرم کسی طور بخشنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ارسم کے تاثرات جامد تھے۔ ضیاء احرم کو ٹھنڈا رہنے کو کہہ رہے تھے۔

"جس بہن نے بھائی اور ماں باپ کے منہ پہ کالک مل دی اس سے نرمی سے بات کروں؟" احرم غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ نکاح نامہ دیکھ کر زینی پہ جیسے بجلی گری تھی۔ بلاشبہ کوائف درست اور اسی کے سائن تھے لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"مما یقین کریں میں نے کسی سے نکاح نہیں کیا۔" وہ فردوس کی طرف بڑھی۔ وہ بھی آنسو بہاتی چپ تھیں۔ زینی کو حیرت کا جھٹکا لگا، سب کے چہرے بے اعتباری کی چادر اوڑھ چکے تھے۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی اس کی حرکتیں ٹھیک نہیں، سارا سارا دن چھت پہ گزارتی تھی، میرے بھائی کے پیچھے پڑی رہی دال نہیں گلی تو اسے بدنام کر دیا۔" علشبہ کیسے اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیتی۔

"میرا یقین کریں۔" زینی اس ناگہانی آفت پہ ہراساں ہوئی۔

"علشبہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم پہ یقین کر کے ہم نے بہت بڑی بھول کی۔" احرم کو اس کے کسی لفظ پہ اعتبار نہ رہا تھا۔

"اگر تمہیں میں پسند نہیں تھا تو مجھے صاف کہہ دیتیں میں تمہارے انکار کو بچپنا سمجھتا رہا۔" ارسم نے لب کھولا تو احرم اور طیش میں آ گیا۔

"اس بے غیرت نے کسی کی عزت کا نہیں سوچا۔" قریب تھا کہ وہ زینی پر ہاتھ اٹھا دیتا ضیاء نے اسے روک لیا۔

"چلیں امی۔" ارسم نے نبیلہ کو کہا اور اسٹیج کی سیڑھیاں اتر گیا۔ ایک لمحے کے لیے لان میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔

"بھابی۔" فردوس نے نبیلہ کا ہاتھ پکڑ کر التجائیہ انداز میں کہا۔

"رکنے کا جواز باقی نہیں رہا۔" نبیلہ ہاتھ چھڑاتی چلی گئیں، ان کے ساتھ آئے مہمان بھی چہ میگوئیاں کرتے جانے لگے۔ زینی لڑکھڑا کر گر گئی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

"اسے گھر لانے کی بجائے بہتر ہوتا وہیں کہیں دفن کر دیتے۔" احرم سخت غصے میں ٹہل رہا تھا۔

"میرا دل نہیں مان رہا..... زینی ایسی نہیں ہے۔" فردوس رو رہی تھیں۔

"اس کی غلطی پہ پردہ نہ ڈالیں۔ معصومیت کے پیچھے ہمیں بے وقوف بنا رکھا ہے۔ جعفری والا قصہ بھی اسی نے شروع کیا ہوگا۔ ہر وقت فون ہاتھ میں ہوتا ہے۔" احرم بے اعتبار ہو چکا تھا۔

"اس شخص نے مجھے خود نکاح نامہ دیا، میرے سامنے اعتراف کیا۔"

"تم نے اس کی شکل دیکھی تھی کیا؟" کافی دیر بعد ضیاء کی آواز آئی۔

"نہیں، اس نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا۔ رکتا تو اس کا حلیہ بگاڑ دیتا۔" احرم کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"زینی سے کہو بلائے اس لڑکے کو تاکہ رخصتی ہو سکے۔" ضیاء نے کی تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے بلانے کی، اسے کہیں خود دفع ہو جائے، ورنہ میں دونوں کو گولی مار دوں گا۔" کرسی کو لات مارتا احرم کمرے میں چلا گیا، وہ ہوش میں آ چکی تھی مگر آنکھیں بند کیے لیٹی رہی، نیچے سے آنے والی آوازوں نے بند آنکھوں سے آنسو جاری کر دیے تھے۔ اس کے ساتھ کیا ہوا، کیا ہونے والا تھا وہ نہیں جانتی تھی، وہ گھر جہاں آج نکاح کی مبارک باد گونجنے والی تھی وہاں بدگمانی رقص کرنے لگی تھی۔ نیچے جامد سناٹا چھا گیا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، اس میں کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ تو خود سے بھی نگاہ ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔ چلتی وہ آئینے کے آگے آ کر کھڑی ہوئی۔ بھاری عروسی جوڑا، بیوٹیشن کے مہارت سے کیے میک اپ، عمدہ جیولری، مہندی سے رچے ہاتھ کوئی بھی چیز نصیب میں در آنے والی بدبختی کو روک نہ سکی تھی۔ وہ اپنے ہی گھر میں ناقابل اعتبار ہو گئی تھی۔ اس کا وجود گھر والوں کے لیے ذلت کا باعث بن گیا تھا۔ آنسو ایک بار پھر تیزی سے بہنے لگے تھے۔

"کون ہو تم؟" وہ گھٹی گھٹی آواز میں چلائی۔ "میرے نصیب میں سیاہ لکیر کھینچنے والے کون ہو تم؟" زمین پہ بیٹھتی اک بار پھر گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

نیا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دن چڑھ آیا تھا، گھر میں سوگ کی سی کیفیت تھی۔ اس سارے واقعے پہ اگر کسی کو بے حد خوشی تھی تو وہ علشبہ تھی، شرمین اور جعفری نے باقاعدہ مبارک باد دی تھی۔ احرم غصے سے پاگل ہو رہا تھا اور علشبہ اس کے غصے کو مزید

ہوا دے رہی تھی۔ خود اور جعفری کو مظلوم ثابت کر چکی تھی۔ احرم پوری طرح علشبہ سے اتفاق کر چکا تھا۔ اچھی بہو، بیوی کی کامیاب اداکاری کرتی علشبہ نے سب کو زبردستی ناشتا کرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"اس جنم جلی کو بھی کچھ کھانے کو دے دو۔ کل رات سے بھوکی ہے۔" فردوس ممتا کے ہاتھوں بے بس تھیں۔

"اسے کہہ دیجیے میرے سامنے آنے کی بالکل کوشش نہ کرے جب تک یہاں ہے...... ورنہ میں حشر کر دوں گا اس کا۔" احرم کے دو ٹوک لہجے پہ فردوس دوپٹے سے آنکھیں رگڑنے لگیں۔

"مما آپ پریشان نہ ہوں چھوٹی بہن ہے میری...... میں اوپر ناشتا دے آؤں گی، میں گئی تھی دیکھنے وہ سو رہی ہے۔" علشبہ نے جھوٹ کی انتہا کر دی۔

"ہماری نیندیں اڑا کے وہ نواب زادی سو رہی ہے۔" احرم پھنکارا۔

"احرم ناشتا کرو، غصہ کرنے سے معاملہ حل نہیں ہوگا۔" ضیاء نے گرم خون کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"جلد از جلد اسے رخصت کریں جس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے اس نے، میں مزید اس کا وجود اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ لوگوں نے بیٹی کی طرف داری کی تو میں اور علشبہ اس گھر کو چھوڑ دیں گے۔" احرم کے فیصلے پہ ایک لمحے کو دونوں چونکے۔ احرم ناشتا ادھورا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ علشبہ آوازیں دیتی پیچھے لپکی تھی۔ فردوس منہ پہ دوپٹا رکھ کر رو پڑیں۔

"یہ تو نے کیا کر دیا زینی...... بڑھاپے میں کیسا داغ لگا دیا میری ممتا پہ، کاش کہ تو مر گئی ہوتی ہمیں یہ دن دکھانے سے پہلے، بہت بڑی غلطی کر دی میں نے اسے پیدا کر کے۔"

"کیسی جاہلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔" ضیاء نے گھرکا۔

"اب ہم کیا منہ دکھائیں گے بھابی، بھائی اور ارسم کو، کیسے سب کی خوشیوں کو ڈائن بن کر کھا گئی زینی۔" فردوس واویلہ کر رہی تھیں۔ ضیا بھی متفکر تھے۔ کل وقار اور نبیلہ نے جس طرح آنکھیں پھیری تھیں وہ بھی ان کے سامنے تھا۔

"بیٹی کا باپ ہونے کے باوجود آنکھیں کھلی نہ رکھ سکے، کیا کچھ کرتی رہی تمہاری ناک کے نیچے ارسم ہر بار بھابی (فردوس) سے زینی کی شکایت کرتا رہتا تھا مگر تم دونوں نے بیٹی کو کچھ زیادہ ہی آزادی دے دی تھی۔ کل تو کھلا تا تھا اس نے، تم لوگوں نے ہمیں بھی کسی سے نظر ملانے کے قابل نہ چھوڑا، میرے اکلوتے بیٹے کی پہلی خوشی کو کیسا گہن لگا دیا تم لوگوں نے، مجھ سے بھی مرنا جینا ختم سمجھو۔" وقار نفرت سے کہہ کر چلے گئے تھے۔ کیسی آندھی چلی تھی کہ ایک ایک کر کے ہر رشتے کے پاؤں اکھڑنے لگے تھے۔

❁ .... ❁ .... ❁ .... ❁

علشبہ ناشتے کی ٹرے لیے اوپر آئی تھی۔ اسے عام سے گھر کے کپڑوں میں دیکھ کر دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پہ پھیل گئی۔

"ناشتا کر لو۔" علشبہ نے ٹرے سامنے رکھ دی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے ٹرے پرے کی۔

"کھا لو بنو، ورنہ جس کے ساتھ رخصت ہونے کا پلان بنایا ہے کہیں بدلے رنگ روپ دیکھ کر اس نے بھی ہری جھنڈی دکھا دی تو ناں تم گھر کی رہو گی نہ گھاٹ کی۔" علشبہ ہنسی اڑاتی اس کا دل جلا گئی، اس نے لب بھینچ کر خود کو کچھ بولنے سے روک لیا تھا۔

"آہ کتنا حسین جوڑا ہے مگر کتنی بدبختی لے کر آیا۔" علشبہ عروسی جوڑا اٹھا کر تنقیدی نظروں سے جائزہ لے رہی تھی۔

"ویسے ہے کون؟" علشبہ رازدار سہیلی کی طرح قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"مجھ سے کہا ہوتا میں ہی کوئی حل پیش کر دیتی۔ کم سے کم تم یوں سب کے سامنے تماشا تو نہ بنتیں۔" علشبہ مکاری سے بولی، وہ علشبہ کی بکواس سننے پہ مجبور تھی۔

"کیسا ہے؟ ہینڈسم تو ہوگا، کچھ تو اسپیشل ہوگا اس میں تب ہی تو تم کھلم کھلا ارسم سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتی تھیں۔ میں بھی بے وقوف تمہارے اشارے نہ سمجھ سکی۔" علشبہ نے پیشانی پہ ہاتھ مارا۔ زینی کوفت سے اس کی باتوں اور انداز کو دیکھ رہی تھی۔

"کرتا کیا ہے...... پیسے والا ہے؟ ہاں بھئی شٹ پوچھے گا آج کل کون پوچھتا ہے۔" علشبہ خود ہی سوال و جواب میں مگن تھی۔ خوشی اس کے انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"بے چارا ارسم بہت دکھی تھا، ایک عرصہ تم نے اسے بے وقوف بنائے رکھا، کھل کر کہہ دیتیں تو بے چارا یوں بے موت نہ مارا جاتا۔" اب اسے ارسم سے ہمدردی کا بھوت چڑھا تھا۔

"خیر اس کے لیے کون سا لڑکیوں کی کمی ہوگی۔" وہ کسی خیال پہ مسکرائی۔

"میں مما سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" زینی نے اس کی

بکواس کو بریک لگائے۔

"کہہ دیتی ہوں جا کے، دل چاہا تو آ جائیں گی اوپر...... تم تو بھولے سے بھی نیچے نہ آنا...... احرم کے سر پہ خون سوار ہے انہوں نے تمہیں قتل کر دیا اور جیل چلے گئے تو میرا اور میری اولاد کا کیا ہوگا؟ میرا تو کوئی عاشق بھی نہیں ہے۔" علشبہ کو نہ اپنے رویے کا احساس تھا نہ الفاظ کا، وہ جا چکی تھی آنسو زینی کے ساتھی بن گئے تھے۔

❀......❀......❀......❀

"کیسی کالک ملی ہے اس چھٹانک بھر لڑکی نے ہمارے منہ پہ؟" نبیلہ فون رکھ کر جھنجلائے لہجے میں بولیں۔ ارسم نے خاموشی سے انہیں دیکھا۔

"وہ جنہیں مبارک باد دینے کے لیے آنا تھا اب وہ افسوس کرنے آ رہے ہیں۔ جیسے غلطی اس بے غیرت لڑکی نے نہیں میرے بیٹے نے کی ہو۔ صبح سے فون، ایس ایم ایس میں سب یہی پوچھ رہے ہیں کیا ہوا، کیسے ہوا؟ اب تو میرا بلڈ پریشر بڑھنے لگا ہے۔" نبیلہ نے تھک کر صوفے سے سر ٹکا لیا۔

"آپ خود کو پریشان نہ کریں۔" ارسم نے پانی کا گلاس انہیں تھمایا۔

"تکلیف تو دے دی دینے والی نے۔ دیکھ لینا کبھی سکھ نہیں پائے گی کلموہی...... جیسے اس نے میرے گھر میں منحوسیت پھیلائی ہے خود بھی آباد نہیں رہے گی۔" نبیلہ زینی کو بددعائیں دینے لگیں۔

"ایسی باتیں نہ کریں۔" ارسم نے روکنا چاہا، نبیلہ گلاس رکھ کر سیدھی ہوئیں۔

"تم اب تک اس کی طرف داری کر رہے ہو۔ ہوش کے ناخن لو۔" نبیلہ نے لتاڑا۔

"میں تو شروع سے زینی کے حق میں نہیں تھی مگر تم اور تمہارے ابا پہ بھتیجی کا بھوت سوار تھا۔ دکھا دیا نہ دن میں تارے بھتیجی نے۔ لوگوں کو جواب دیتے پھر رہے ہیں۔ گھر میں مہمان بھرے پڑے ہیں اور میں یہاں منہ چھپائے بیٹھی ہوں کہ سب کے سوالوں کے جواب دیتے دیتے تھک گئی ہوں۔" نبیلہ سخت خفا تھیں، ارسم چپ تھا، دکھ اس کے چہرے سے ظاہر تھا، کم و بیش وہ بھی اسی قسم کی صورت حال سے دوچار تھا، دوستوں کی کال سے تنگ آ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔ گھر آئے دوستوں کے لیے پیغام چھوڑ دیا تھا کہ گھر پہ نہیں ہے، ہمدردی تسلی کی آڑ میں چھپے خنجر تکلیف دے رہے تھے۔ نبیلہ بھی اس صورت حال سے اکتائی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"میں جلد ہی دھوم دھام سے تمہاری شادی کر کے فردوس اور ضیاء کو دکھاؤں گی سمجھ کیا رکھا ہے انہوں نے مجھے۔" نبیلہ نے آئندہ کا لائحہ عمل بتایا۔

"لڑکی تو میری نظر میں ہے، جی چاہ رہا تھا کل ہی تمہارا نکاح اس سے پڑھا دوں مگر خیال کرنا پڑا۔"

"کون لڑکی؟" ارسم حیران ہوا۔

"شرمین...... علشبہ کی بہن، کتنی پیاری بچی ہے سارا وقت آنٹی آنٹی کرتی رہی، میں ہی کم عقل پہلے دھیان نہ دے سکی لیکن اب کون سی دیر ہوئی ہے، ذرا یہ معاملہ ٹھنڈا ہو تو جاتی ہوں علشبہ کے میکے اور خبردار جو اس بار تم نے کوئی ٹانگ اڑائی۔" ارسم کو بولنے کے لیے پر تولتے دیکھ کر نبیلہ گھورنے لگیں۔

"تمہاری پسند نے تو چاند چڑھا دیا، اب بھی جی نہیں بھرا، بڑھاپے میں تماشا لگوا دیا ماں کا۔" ارسم چپ رہا تھا۔

❀......❀......❀......❀

وہ کافی دیر فردوس کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہیں آئیں...... جانے علشبہ نے انہیں پیغام دیا بھی تھا یا نہیں، اپنے ہی گھر میں وہ مجرم بنی بیٹھی تھی۔ ہمت کر کے نیچے اترنے لگی تو قدم قدم پہ جیسے زنجیر بجنے لگی۔ کس تیزی سے وہ ان سیڑھیوں پر دوڑتی بھاگتی تھی اور اب وہی سیڑھیاں پل صراط بن گئی تھیں۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ وہ فردوس کے کمرے میں آئی، فردوس دوپٹا منہ پہ ڈالے لیٹی ہوئی تھیں۔

"مما......" اس کی سسکی نکلی، فردوس نے دوپٹا ہٹایا...... زینی کو دیکھ کر اٹھ بیٹھیں۔ نگاہوں کی بے گانگی نے پھندا سا لگا دیا تھا۔

"مما مجھے میرے ہی گھر میں مجرم نہ بنائیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا...... میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"تمہاری طرح تمہاری قسم بھی جھوٹی ہوگی۔" احرم اس کی آواز سن کر کمرے میں آ گیا، پیچھے علشبہ بھی دوڑی چلی آئی۔

"احرم آپ چلیں۔" وہ احرم کا ہاتھ تھام کر لے جانے کی کوشش کر کے مزید غصے کو ہوا دینے لگی۔

"مما اسے کہہ دیں دفع ہو جائے میری نظروں سے ورنہ میں اس کا خون کر دوں گا۔" احرم جنونی ہونے لگا۔ فریحہ بھی چپ

آئے، زینی ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

"بھائی میں آپ لوگوں کا سر جھکانے سے پہلے مرنا پسند کروں گی۔ میرا یقین کریں۔" آنسو بہہ رہے تھے۔

"ہر سم تمہیں پسند نہیں تھا، سر عام اس اعلان کے بعد باقی کیا بچتا ہے بولو۔" احرم آپے سے باہر ہوا۔ اس نے زوردار دھکا دیا۔ زینی فردوس کے پاس جا گری۔

"احرم ہوش میں رہو۔" ضیاء سامنے آئے۔ زینی بھاگ کر ضیاء تک آئی۔

"پپا میں کسی راحیل کو نہیں جانتی...... نہ کبھی ملی ہوں، میں کیسے آپ لوگوں کو یقین دلاؤں۔" ضیاء کا ہاتھ تھامے وہ بے بسی سے رو رہی تھی۔

"تم نے بے ہوشی میں سائن کیے نکاح نامے پہ جو آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو۔" علشبہ چلائی۔

"یہ لڑکی خون خرابا کروا کے دم لے گی۔" علشبہ کا واویلہ احرم کو مزید بھڑکانے لگا۔

"میں نے کسی نکاح نامہ پہ سائن نہیں کیے، میں ایسا کیا کروں کہ آپ لوگوں کو یقین آجائے۔" وہ دگرگوں حالت میں اپنے بال نوچنے لگی۔ "یااللہ میں کیا کروں؟" وہ سخت بے بسی کی کیفیت سے دوچار ہوئی۔

"احرم جب زینی اتنا کہہ رہی ہے تو پہلے نکاح نامہ کی تصدیق کروالو، ہوسکتا ہے یہ کسی کی سازش ہو۔" ضیاء کو جیسے یہ خیال گزرا۔

"کیسی بچوں جیسی باتیں کررہے ہیں۔" احرم چڑا۔

"بچوں جیسی باتیں تم کررہے ہو...... اگر زینی نے ایسی حرکت کی ہوتی تو یہ انکاری کیوں ہوتی، یہاں کیوں پڑی ہوتی اور اگر وہ شخص سچا تھا تو بھاگا کیوں؟" ضیاء کے سوالوں نے ایک پل کو کمرے میں سناٹا طاری کردیا۔

"لیکن زینی کے کوائف اور سائن درست ہیں۔" احرم بضد رہا۔

"میں لڑکے کے کوائف جانچنے کی بات کررہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے کرواتا ہوں تصدیق اگر سچ سامنے آگیا تو ایک منٹ کی بھی دیر کیے بغیر اسے اس گھر سے ہمیشہ کے لیے رخصت کردیجیے گا۔" احرم تن فن کرتا چلا گیا۔ زینی کے آنسو بہنے لگے تھے جس میں دعا کا رنگ بھی شامل ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

وضو کرتے اس کے جسم کا ایک ایک رواں اپنے رب کو پکار رہا تھا، کیسا یقین تھا کہ خونی رشتے اپنے ہیں، کیسے بھی حالات ہوں وہ کبھی بے سائبان نہیں ہوگی مگر آج یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوچکی تھی کہ اس روئے زمین پر کوئی رشتہ دائمی نہیں، کسی کو اس پہ مکمل یقین نہیں، کوئی اس پہ آنکھ بند کرکے بھروسا نہیں کرسکتا، سب اس کی پاک دامنی پہ انگلی اٹھا رہے تھے۔ وہ معتبر ہے یا نہیں ثبوت کی تلاش میں تھے، اگر معتبر ہوئی تو قابل عزت گردانا جاتا اور بے اعتبار ہونے کی صورت میں اسے زندہ درگور کردیا جاتا، کتنا بے وقوف ہے انسان جو رشتوں، ناتوں کی خوشی کے لیے جانے کیا کچھ کرتا ہے، کتنی قربانیاں دیتا ہے مگر اسی کی طرح مٹی سے بنا انسان خوش نہیں ہوتا، خواہ اس کی خوشی کا سامان کرنے کے لیے کسی نے اپنی پوری زندگی تج دی ہو مگر انسان ناقدرا ہے ٹھوکر مارتا ہے، دھتکارتا ہے، بے اعتباری کے خنجر سے لہولہان کردیتا ہے تب کھلتا ہے کہ اس نے اپنے ہی جیسے انسان کو آسودہ کرنے کے جتنے جتن کیے اگر آدھا اس رب کے لیے کرلیتا تو آج شاید اسی کے مخلوق کے ہاتھوں کھلونا نہیں بنا ہوتا۔

زینی بھی جان گئی تھی۔ اس روئے زمین پہ صرف ایک ذات ہے جو اس کے حال سے واقف ہے، اسے اس کی صفائی کی ضرورت نہیں تھی، وہ سب جانتا ہے، اس نے اپنا مقدمہ اس کی عدالت میں پیش کردیا...... رو رو کر اپنی ذات پہ لگے داغ کو دھونے کی دہائی دی اور اسے خبر تھی جیسی روشن اس کی ذات ہے اس کے دامن پہ لگا داغ بھی مٹ جائے گا۔ لفظ جیسے کہیں گم ہوگئے تھے۔ اپنوں کی بے اعتباری خنجر بن کر حلق میں گڑ گئی تھی۔ تیزی سے بہتے آنسو دکھ کی شدت کے امین تھے۔

❁......❁......❁......❁

"مجھ سے پنگا لینے چلی تھی کیسے بلبلا رہی ہے۔" عمیس کو تھپکتے علشبہ نفرت سے بڑبڑا رہی تھی۔ علشبہ کے سیل پہ کال آرہی تھی۔ نام اور نمبر دیکھ کر وہ ایک پل کو حیران ہوئی اگلے لمحے اس نے کال ریسیو کرلی۔

"السلام علیکم تائی جان۔" اس نے لگاوٹ سے کہا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو علشبہ۔" نبیلہ بھی اسی لگاوٹ سے بولیں۔

"آپ کی دعا ہے...... بس گھر میں تو جیسے موت ہوگئی ہے، احرم غصے سے پاگل ہورہے ہیں اور زینی جھوٹی کہانیاں سنا رہی ہے۔" علشبہ نے نقشہ کھینچا۔

"دفع دور کرو، اس منحوس لڑکی کے قصے کو۔" نبیلہ سخت اکتائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ علشبہ کو حیرت ہوئی۔

"میں نے تمہیں خاص مقصد سے فون کیا ہے۔" نبیلہ نے تجسس پیدا کیا۔

"جی تائی جان کہیں۔" علشبہ ان کی بات سننے کے لیے شدت سے منتظر ہوئی۔

"میں کل تمہاری امی کے گھر جانا چاہ رہی ہوں، ارسم کے لیے شرمین کا ہاتھ مانگنے، تم اپنی فیملی کو اطلاع کردو، انہیں کوئی اعتراض نہ ہو یا شرمین کے لیے انہوں نے کوئی لڑکا نہ دیکھ رکھا ہو۔" علشبہ کا دل مورنی بن کرناچنے لگا۔

"انہیں کیا اعتراض ہوگا تائی جان، ارسم جیسا لڑکا نصیب والیوں کو ملتا ہے۔ یہ تو زینی کی بدقسمتی ہے...... خیر اور رہی بات شرمین کی تو تائی جان ابھی میری بہن نے انٹر ہی کیا ہے، عمر بھی کم ہے گھر والے کس رشتے کا سوچ ہی رہے ہیں۔" علشبہ نے جھوٹ کی حد کردی۔ یہ نہیں بتایا کہ انٹر میں فیل ہوئے بھی پانچ سال ہوچکے تھے۔

"ٹھیک ہے...... تم انہیں بتادو، ممکن ہو تو میرے ساتھ ہی چلی چلو۔" نبیلہ نے پروگرام فائنل کیا۔

"جی ضرور...... ایسا ہی کروں گی۔" علشبہ کے قدم زمین پہ نہیں پڑ رہے تھے۔

"علشبہ یہ خبر تم ابھی فردوس کو نہ بتانا۔" نبیلہ نے سمجھایا۔

"آپ بے فکر رہیں تائی جان۔" وہ ہنسی۔

"نیک بخت کچھ دن تو رک جاتیں۔" وقار بھی غالباً نزدیک بیٹھے تھے جو نبیلہ سے مخاطب ہوئے۔

"کیوں رکوں میں تو کل ہی رشتہ پکا کر کے آؤں گی، کیسا ذرا سا منہ نکل آیا ہے میرے بیٹے کا...... آپ کی بھتیجی نے جو گل کھلایا ہے اس کے بعد بھی آپ مجھے انتظار کرنے کا کہہ رہے ہیں۔" نبیلہ تنک کر بولیں۔ لائن پہ موجود علشبہ سارا ماجرا سن کر مسکرائی۔

"علشبہ تم وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔ بہت سن لی ان باپ بیٹے کی۔" نبیلہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

"جی تائی جان اپنا خیال رکھیے گا۔" علشبہ نے کال کاٹ دی۔ اب وہ تیزی سے اپنے گھر کا نمبر ملا رہی تھی۔ اس نے جو چاہا وہ ہورہا تھا وہ کیسے نا خوش ہوتی۔

✿......✿......✿......✿

ارحم نے جب نکاح نامے کی تصدیق کروائی تو اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہا لڑکے کا شناختی کارڈ نمبر ہی غلط تھی۔ دو عدد کم تھے، ایڈریس بھی جعلی تھا۔

"تصدیق ہوئی؟" ارحم کو دیکھتے ہی فردوس نے پریشانی کو زبان دی۔ ارحم نے نکاح نامہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"لڑکے کے کوائف غلط ہیں، سب فراڈ ہے۔" کونے میں دبکی زینی کے لبوں سے تشکر کا جملہ نکلا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

"میں نہ کہتی تھی زینی ایسی نہیں ہے۔" فردوس نے بیٹی کی طرف داری کی۔

"یہ سازش بھی اسی کی رچائی ہوئی ہوگی تاکہ ارسم سے نکاح نہ ہو، ناپسند جو تھا اسے۔" ارحم غصے و نفرت سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ زینی مزید یک گئی صفائی میں کہنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ ترکش سے نکلا تیر کب خالی جاتا ہے۔ اسی وقت مٹھائی کا ڈبا تھامے نبیلہ داخل ہوئیں۔

"بھابی آئی بیٹھیں۔" فردوس انہیں دیکھ کر واری صدقے ہونے لگیں۔ ارحم کے سر پہ ہاتھ پھیرتی زینی کے سلام کو نظر انداز کر کے نبیلہ بیٹھ گئیں۔

"بھابی ارحم نے نکاح نامہ کی تصدیق کروالی ہے، وہ کسی کی سازش تھی۔" فردوس نے اطلاع ان کے کانوں میں انڈیلی۔

"اچھا...... حیرت ہے کس کے پاس اتنا ٹائم ہے کہ وہ ایسی سازش رچے۔ وہ لڑکا کون تھا؟ اچھی طرح تحقیقات کرو۔" نبیلہ کا سرسری انداز ہزار خدشے لیے ہوئے تھا۔

"اس نکاح کو رکوا کر صرف اسی کو فائدہ ہوسکتا ہے جو اس نکاح کے خلاف ہو۔" نبیلہ کی شکایتی نظریں زینی پہ تھیں۔ وہ نظریں زمین پہ جھکائے انگلی سے نادیدہ لکیر کھینچنے لگی۔ فردوس کو جو ذرا امید جاگی تھی ان کے انداز سے وہ بھی دم توڑ گئی تھی۔

"مٹھائی کس خوشی میں لائی ہیں تائی جان؟" ارحم نے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔ علشبہ بھی آچکی تھی۔

"تمہاری سالی شرمین سے رشتہ پکا کردیا ہے میں نے ارسم کا۔" فردوس پہ یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔ زینی نے ایک نظر علشبہ کے فاتحانہ چہرے پہ اور دوسری نبیلہ پہ ڈالی دونوں بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ ارحم حیران ہوا پھر مسکرا دیا۔

"بڑی سلجھی ہوئی تمیز دار بچی ہے آج کل کی لڑکیوں کی طرح ہر وقت فون نیٹ سے چمٹی نہیں رہتی۔" نبیلہ در پردہ لے

سنا رہی تھیں۔ احرم نے کھا جانے والی نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھا جو مزید جھک گیا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر اس منظر سے ہی غائب ہو جاتی۔

"اگلے ماہ شادی ہے، کارڈ دینے آؤں گی دل چاہے تو آ جانا، ورنہ کوئی زبردستی نہیں۔" نبیلہ کھڑی ہو گئیں۔ علشبہ انہیں دروازے تک چھوڑنے گئی۔

"دیکھ لیا آپ نے اپنی بیٹی کے کرتوت کا نتیجہ...... اب کون پوچھنے آئے گا اسے، بٹھا کے رکھیں ساری زندگی۔" احرم غصے سے کہتا کمرے سے چلا گیا۔ فردوس ساکت بیٹھی رہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ملنے والی خوشی اپنی موت آپ مر گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"فردوس اور زینی کی شکل دیکھنے والی تھی جب میں نے ارسم اور شرمین کے رشتے کا بتایا۔" نبیلہ ارسم اور وقار سے ذکر کر رہی تھیں۔

"فردوس خوشی خوشی بتا رہی تھی نکاح نامہ جعلی ہے...... کسی نے سازش کی ہے۔" نبیلہ نے منہ بنایا۔

"کیا نکاح نامہ جعلی ہے؟" ارسم سیدھا ہوا۔

"زیادہ اچھلنے کی ضرورت نہیں، بھلے جعلی ہو مجھے اس لڑکی پہ ٹکے کا بھروسا نہیں، جانے کیا کچھ کرتی رہی ہو گی، اب کوئی بلاوجہ تو اتنا بڑا تماشا کرنے سے رہا، چلا رکھا ہو گا کسی سے چکر، تب ہی تو دس بار تمہیں بتا چکی کہ تم اسے پسند نہیں ہو۔" نبیلہ نے ارسم کے جوش کو جھاگ کی طرح بٹھایا۔

"میں بات پکی کر آئی ہوں شرمین سے ساتھ ہی اگلے ماہ شادی کی تاریخ بھی طے کر دی ہے۔ بہتر ہو گا زینی والے قصے کو تم ختم ہی کر دو۔" نبیلہ نے لگی لپٹی نہ رکھی۔ ارسم وہاں سے چلا گیا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ اس کے انداز؟" نبیلہ نے وقار سے شکایت کی۔

"تھوڑا ٹائم دو اسے سمجھنے کا...... دو دن میں تم رشتہ بھی طے کر آئیں۔"

"رشتہ نہ کروں تو کیا پھر سے آپ کی بھتیجی کے در پہ بارات لے کر جاؤں ذلیل ہونے؟" نبیلہ چراغ پا ہوئیں۔

"اب میں یہ بھی نہیں کہہ رہا۔" وقار نے دامن بچایا۔

"جانے کیسی جادوگرنی ہے برباد کر کے رکھ دیا میرے بیٹے کی خوشیوں کو۔ جانے کتنے عاشق پال رکھے ہیں۔" نبیلہ بڑبڑا رہی تھیں۔ ارسم خاموشی سے غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

"شاید یہی سچ ہے، زینی نے یہ چال چلی ہے۔ نکاح رکوانے کے لیے...... وہ مجھے پسند نہیں کرتی تھی تو پھر ٹھیک ہے زینی نہیں تو شادی کسی سے بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے سر جھٹک کر زینی کے سحر سے جان چھڑانے کی کوشش کی۔

❁......❁......❁......❁

زندگی جیسے اک نہج پہ آ کر رک گئی تھی، صبح، دوپہر، شام اسے جیسے کسی چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ فردوس اور ضیاء تھوڑا بہت بات کر لیتے تھے۔ جس میں فردوس آنسوؤں سے آنکھیں ہی رگڑتی رہتی تھیں۔ علشبہ ان دنوں شرمین کی شادی کی تیاریوں میں میکے گئی ہوئی تھی۔ احرم کسی طور اس کی صورت دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ فردوس اور ضیاء کو ارسم کی شادی کا بھی گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ جس لڑکے کو ہمیشہ اپنے داماد کے روپ میں دیکھا تھا، وہ اب ٹوٹ گیا تھا۔ نبیلہ اور وقار نے آنکھیں پھیر لی تھیں۔ ضیاء اور فردوس کو پہنچنے والے صدمے کا گناہ گار وہ خود کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے کالج جانا بھی چھوڑ رکھا تھا۔ کشف نے کئی بار سمجھایا مگر اس نے ہامی نہیں بھری۔

"مما، پانی پلا دیں۔" احرم باہر سے آیا تو فردوس نماز پڑھ رہی تھیں زینی پانی کا گلاس لے آئی۔

"بھائی پانی۔" احرم نے چونک کر اسے دیکھا۔ دوپٹا سلیقے سے سر پہ لپیٹے بے ریا معصوم چہرہ لیے وہ کھڑی تھی۔ اسی معصوم صورت نے احرم کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ محلہ، آفس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں روز کئی بار اس کو گزرے حادثے کی روداد سنانا پڑتی تھی۔ لوگوں کی مشکوک نظروں کا سامنا کر کے ذلت کا احساس ہوتا تھا۔

"تجھے ہزار بار کہا ہے ناں کہ میرے سامنے اپنی منحوس شکل مت لایا کر۔" احرم نے گلاس لے کر فرش پہ دے مارا۔ پانی کے چھینٹے اڑاتا گلاس چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ زینی سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"پھر دوبارہ سامنے آئی تو گلاس کی طرح تیرے بھی ٹکڑے کر دوں گا۔ دفع ہو۔" احرم دھاڑا۔ زینی الٹے پاؤں کمرے سے نکل گئی۔ فردوس نیت توڑ کر احرم کے کمرے کی طرف دوڑیں۔ احرم اب انہیں زینی کو سامنے نہ آنے کا حکم سنا رہا تھا۔

"جلد سے جلد کسی راہ چلتے سے بیاہ کر کے رخصت کریں اسے ورنہ کسی دن اسے قتل کر کے جیل چلا جاؤں گا تو

اکھٹی بیٹھ کر اولادوں کو روتی رہے گیں آپ۔" احرم کا غصہ برقرار تھا۔ زینی دیوار سے لگی رو دی۔ اپنوں کے دل اتنے کٹھور ہوگئے تھے کہ کسی کو اس کی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا، اس پہ کیا بیت رہی ہے کسی کو سوچنے کی فرصت نہیں تھی۔ وہ سب کو مجرم لگ رہی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

ارسم کی شادی تھی۔ احرم تو سالی کی شادی میں پیش پیش تھا۔ فردوس اور ضیاء کو بھی شرکت کرنی پڑی کہ دوہری رشتے داری کا سامنا تھا۔ زینی آنا نہیں چاہتی تھی مگر فردوس اسے تنہا گھر میں چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ آ تو گئی تھی مگر لوگوں کی کھوجتی، ٹٹولتی، ہنسی اڑاتی نظروں سے چور بنی بیٹھی رہی۔ اسٹیج پہ موجود شرمین کی کھلکھلاہٹیں دور سے دیکھی اور سنی جاسکتی تھیں جیسے اسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ ارسم سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ خوش تھا یا ناخوش یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

زینی کو ارسم سے محبت نہیں تھی، نہ ہی وہ اس کے بارے میں سوچتی تھی، مگر برسوں سے یہ نام اپنے نام کے ساتھ سننے کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اسے یہ سب عجیب لگ رہا تھا، وہ جلد سے جلد گھر جانے کی خواہش مند تھی۔ اپنے کمرے میں جاکے سکون کا سانس لینا چاہتی تھی، پوری دنیا میں واحد اس کا کمرہ ہی جائے پناہ تھا۔ جہاں کسی کی نظریں جگر کو چھلنی نہیں کرتی تھیں۔ وہ دھندلی آنکھوں سے فردوس کو ڈھونڈ رہی تھی۔

"کیسی ہو زینی؟" وہ جعفری تھا۔ وہ متوحش نظر آنے لگی۔

"تمہارے ساتھ جو ہوا مجھے اس پہ افسوس ہے، کسی کو تم پر اعتبار ہو یا نہ ہو مجھے ہے۔" وہ ہمدرد بنا بولا۔

"میں اب بھی تمہیں پسند کرتا ہوں۔" وہ تیزی سے اٹھ کر اس کی نظروں سے دور چلی گئی۔ جعفری کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"علشبہ اس لڑکے کی شادی تو تمہاری نند سے طے تھی ناں پھر شرمین سے کیسے؟" علشبہ کی سہیلی نے اس سے پوچھا۔

"عین نکاح والے دن میری نند کے عاشق نے پھڈا ڈال کر نکاح رکوا دیا۔ اب اس میں ارسم کی کیا غلطی تھی۔ اس نے شرمین کی حیا، رکھ رکھاؤ دیکھا اور یوں بات طے ہوگئی۔" علشبہ نے کہانی کو نیا ہی رنگ دے دیا۔

"تمہاری نند کتنی معصوم سی ہے، لگتا تو نہیں۔" وہ حیران ہوئی۔

"اس معصومیت کے پیچھے کتنی عیار لڑکی چھپی ہے تمہیں کیا پتا...... ہر وقت تو نیٹ، فون سے چمٹی جانے کس کس سے باتیں کرتی تھی۔ یہ دن تو دکھانا تھا۔" ان کے پیچھے بیٹھی زینی کے آنسو نہیں رک رہے تھے، جانے علشبہ کو اس سے کون سا بیر تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو پہلے تو صرف لڑکے ہی افیئر چلاتے تھے اب تو لڑکیوں نے انہیں بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" علشبہ کی سہیلی سر ہلا کر اتفاق کرتی آگے بڑھ گئی۔ علشبہ کی نظر زینی پہ پڑی تو قریب آئی۔

"تم یہاں چھپی بیٹھی ہو، میں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں، آؤ ایک تصویر ہی بنوا لو دلہن دلہا کے ساتھ۔" علشبہ نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"نہیں بھابی پلیز۔" زینی نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"کیوں جل گئی ہو میری بہن کے نصیب سے؟" علشبہ کے لہجے سے شعلہ نکلا، زینی بے حس و حرکت ہوگئی۔

"آؤ" علشبہ اسے کھینچتی اسٹیج تک لے گئی۔ شرمین نے اسے دیکھتے ہی منہ بگاڑا۔ وہائٹ کرتے پاجامے اور دوپٹے میں ملبوس بے ریا چہرہ لیے زینی کو دیکھ کر ارسم کی نظریں ایک پل کو ساکت ہوئی تھیں۔

"اس منحوس چہرے کو دور لے جائیں سخت زہر لگ رہی ہے۔" دلہن بنی شرمین نے علشبہ کے کان میں کہا۔

"اس کی تڑپ کو انجوائے کرو پگلی۔" علشبہ ہنسی۔ تصویر بنتے ہی زینی تیزی سے اتر کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

❀ ❀ ❀ ❀

فردوس زینی کے لیے سخت پریشان تھیں، انہوں نے رشتے کرانے والیوں سے بات بھی کی تھی مگر جو داغ اس کے دامن پہ لگ چکا تھا، اسے دیکھتے انہوں نے آس نہیں دلائی تھی۔ ایک دو رشتے والی رنڈوے اور دوسری شادی کے خواہش مند مردوں کا پیغام لے کر آئی تھیں۔ جسے سنتے ہی فردوس دل پکڑ کر رہ گئی تھیں۔

"جتنی بدنامی ہوچکی اس کے بعد پرنس کا رشتہ تو آنے سے رہا۔ ان میں سے کسی کو فائنل کریں۔" احرم کا دل سخت ہوچکا تھا۔ یہ سب سن کر زینی کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ کر دم توڑ گئی تھی۔

اسے ارسم پسند نہیں تھا، وہ اس کے افسانوی ہیرو کی طرح شوخ، ہینڈسم، امیر اور اس پہ مر مٹنے والا نہیں تھا لیکن اب جس قسم

کے رشتے آ رہے تھے، اس نے اسے اپنی اوقات بہت اچھی طرح یاد دلا دی تھی۔ ہر کسی کو ریجیکٹ کرنے والی، خامی ڈھونڈنے والی نے کبھی گماں نہیں کیا تھا کہ زندگی کے بازار میں ایک دن وہ بے مول ہو جائے گی۔ وہ جو سپنوں کے سوداگر کی تلاش میں تھی کیا خبر تھی کہ جو مل جائے غنیمت ہے کے فلسفے پہ زندگی گزارے گی۔ اپنی ڈائری کے صفحوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے اس نے کومل لفظوں کو زنداں میں دفن کر دیا تھا، شاعری، محبت، خوب صورت خیال اس کی زندگی کی بے کار چیزیں بن گئی تھیں۔ ہنسی، مسکراہٹ، قہقہے تو کب سے ہاتھ چھڑا کر گم ہو گئے تھے۔ خوابوں، خواہشوں، چاہتوں کو آگ لگا کے اس نے زندگی سے ہر خوش فہمی کو نکال پھینکا تھا، زندگی تلخ تھی اور اکیلے پن کا سامنا کرنا تھا۔

✿......✿......✿......✿

ابھی ارسم کی شادی کو مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ جعفری کا پروپوزل آ گیا۔ اس نے سنا تو ایک پل کو ٹھٹکی، اگلے لمحے اپنے کام میں لگ گئی۔

''تو پھر کیا جواب دوں میں علشبہ کے گھر والوں کو؟'' احرم، ضیاء اور فردوس سے ہمکلام تھا۔ دونوں کو شش و پنج میں دیکھ کر احرم چراغ پا ہوا۔

''جو کچھ آپ کی بیٹی نے کیا ہے اس کے بعد آپ لوگ جانے کن خوش فہمیوں میں جی رہے ہیں، یہ تو میرے سسرال کا بڑا پن ہے، جعفری کی اعلیٰ ظرفی ہے ورنہ جو کھیل آپ کی چہیتی اس کے ساتھ کھیل چکی ہے اس کے بعد پروپوزل پہ آپ لوگوں کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا۔'' احرم علشبہ کی زبان بول رہا تھا۔

''اگر آپ لوگوں کو اتنا سوچنا پڑ رہا ہے تو ٹھیک ہے میں منع کر دیتا ہوں ان لوگوں کو، کسی رنڈوے یا دوسری شادی کے خواہش مند چار بچوں کے باپ سے کر دیں شادی بیٹی کی۔'' احرم نے ہاتھ جھاڑے۔

''احرم ٹھیک کہہ رہا ہے جتنے نامعقول رشتے آ رہے ہیں ان میں یہ لاکھ درجہ بہتر ہے، پھر وہ سب حقیقت سے بھی آگاہ ہیں، زینی کو زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔'' ضیاء فردوس کو سمجھا رہے تھے۔

''کہہ تو آپ بھی ٹھیک رہے ہیں۔'' فردوس بھی آنے والے رشتوں سے برانگیختہ ہو چکی تھیں، ایسے میں جعفری کا پیغام قفس میں ٹھنڈے جھونکے کی طرح لگ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم انہیں ہاں کر دو۔'' فردوس نے منظوری دے دی۔

زندگی کی حرارت کی ایک آخری امید بھی زینی کے اندر خودکشی کر چکی تھی۔ خوب صورت گانوں کی سی ڈی کلیکشن کو تباہ کرتے اس نے خوب صورت کہانیوں سے بھرا ڈائجسٹ بھی پھاڑنا شروع کر دیا۔

''سب جھوٹ لکھتے ہیں، سب جھوٹ ہوتا ہے۔'' صفحوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے اس پہ ہسٹریائی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

✿......✿......✿......✿

''تم دونوں کو پوری دنیا میں اور کوئی لڑکی نہیں ملی جو اس کلموہی کو ہمارے درمیان لا رہے ہو۔'' شرمین میکے آئی ہوئی تو اس نے علشبہ کو بھی بلوا لیا تھا اور اب وہ علشبہ اور جعفری پہ غصہ کر رہی تھی۔

''بھئی یہ جعفری کا فیصلہ ہے۔'' علشبہ نے خود کو صاف بچایا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے، تم نے جس سے چاہا اس سے شادی ہو گئی تو میری باری میں کیوں آگ لگ رہی ہے۔'' جعفری نے شرمین کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''زینی یہاں آ جائے گی تو ارسم سے سامنا ہوتا رہے گا، بھلے ارسم اس کا نام بھی نہیں لیتے مگر مجھے یقین ہے وہ آج بھی اسی منحوس کو دل میں بسائے بیٹھے ہیں۔ کبھی کبھی تو بالکل اجنبی لگنے لگتے ہیں قسم سے۔'' شرمین نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''سامنا تو ویسے بھی ہوگا کہ فرسٹ کزن ہے، تم ارسم کو کیل ڈالو۔'' علشبہ نے سمجھایا۔

''میں کوئی ایسا ویسا بندہ نہیں ہوں کہ میری بیوی سابقہ منگیتر سے پینگیں بڑھاتی رہے اور میں تماشا دیکھتا رہوں، اس خدشے کو تم ذہن سے نکال دو سسٹر۔'' جعفری نے مردانگی کا اعلان کرتے شرمین کو تسلی دی۔

''باقی گھر والوں کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟''

''گھر میں لوگ ہی کتنے ہیں، ارسم کے والد گھر کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے، دونوں صبح کے گئے شام کو آتے ہیں، سارا دن میں اور میری ساس ہی ہوتی ہیں۔'' شرمین نے آرام سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"تائی جان (نبیلہ) اتنی سیدھی نہیں ہیں، ذرا ہوشیاری سے رہنا۔" علشبہ نے پٹی پڑھائی۔

"فکر نہ کرو، تمہاری بہن ہوں، سامنے سے وار نہیں کرتی، سارا وقت "امی امی" کرتے منہ نہیں دکھتا میرا۔" شرمین ہنسی، علشبہ نے ساتھ دیا۔

"ویسے تم دونوں کو مجھے زبردست سی دعوت اور گفٹ دینا چاہیے اگر میں نہ ہوتی تو تم دونوں کبھی من چاہا ہمسفر نہیں پا سکتے تھے۔" علشبہ نے کالر جھاڑے۔

"جی جی آپ کا احسان ہم تاقیامت یاد رکھیں گے۔" دونوں نے یک زبان کہا تینوں ہنسنے لگے۔

❁......❁......❁......❁

بلآخر وہ دن بھی آ گیا۔ جس کی خواہش اس نے نہیں کی تھی۔ وہ جعفری کی دلہن بنی بیٹھی تھی۔ وہ کب پارلر سے ہال پہنچی، کب نکاح ہوا، رخصتی ہوئی اسے کسی چیز کا احساس نہ تھا، احساسات تو اس دن مر گئے تھے جس دن اس کے کردار پہ انگلی اٹھی تھی اور کوئی اس کی صفائی میں بولنے والا نہیں تھا۔ مہینوں سے خوراک کی کمی نے نقاہت طاری کر دی تھی۔ مسلسل ذہنی کرب نے تیز بخار کا روپ دھار لیا تھا کس نے شادی پہ خوشی کا اظہار کیا، کس نے جعفری کی اعلاظرفی کو سراہا، اسے کسی بات کا احساس نہ تھا۔ جعفری ایسے تن کے بیٹھا تھا جیسے اس نے زینی کی سات پشتوں پہ احسان عظیم کیا ہو۔ جعفری کے کمرے میں اس کو بٹھا کر سب جا چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جعفری اندر آیا تھا۔ وہ کوشش کر کے اپنے حواس قابو میں رکھ رہی تھی۔ بخار کی شدت سے غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ جعفری نے پنوں سے اٹکا دوپٹا کھینچ کر نکالا تھا۔ زینی سر پہ ہاتھ رکھ کر درد سے دوہری ہوئی۔ سر کے بال نوچ گئے تھے۔

"تو سمجھ رہی ہے یہ شادی میں نے تیری محبت میں کی ہے نہیں...... شادی تو میں اپنی پسند سے کر چکا ہوں گرین کارڈ ہولڈر سے...... یہ بات ابھی یہاں کسی کو پتا نہیں ہے اور تو نے بتایا بھی تو کوئی تیری بات کا یقین نہیں کرے گا کیونکہ تو پہلے ہی سب کے سامنے بے اعتبار ہو چکی ہے۔" زینی خاموشی سے اسے سن رہی تھی، اس کے شادی شدہ ہونے کا سن کر بھی نہیں چونکی کہ حیران ہونا اس نے چھوڑ دیا تھا۔

"اسی خوب صورتی کا غرور ہے ناں تجھے...... تیری خوب صورتی مٹی میں ملا دوں گا۔" بازو مروڑتے جعفری غرا رہا۔

تکلیف کے آثار زینی کے چہرے پہ آئے مگر اس نے ایک سسکی بھی نہیں نکالی۔

"بہت طنطنہ اور اکڑ تھی، مجھ پہ ہاتھ اٹھایا تھا، مجھ پہ......"

جعفری نے یکے بعد دیگرے کئی طمانچے اس کے گالوں پہ رسید کیے تھے۔ وہ بیڈ پہ اوندھے منہ گر گئی۔ جب اٹھی نہیں تو جعفری نے بازو سے پکڑ کر کھینچا، اس کا جسم بے جان ہو چکا تھا۔ بخار اور تھپڑوں نے اسے ہوش سے بےگانہ کر دیا تھا۔ جعفری نے اس کے گال تھپتھپائے مگر بے سود رہا۔ جعفری گھبرا کر علشبہ کو بلا لایا۔

علشبہ نے جتن کر کے اسے آنکھ کھولنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ جعفری اور علشبہ کو دیکھتے اس کے آنسو بہنے لگے۔ اسے اپنی حرماں نصیبی کا یقین ہو گیا تھا، گلا پیاس سے سوکھ رہا تھا مگر اس میں اٹھنے کی بھی سکت نہ تھی۔ علشبہ نے اس کے منہ سے زبردستی جوس کا گلاس لگایا، وہ غٹاغٹ پی گئی۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

"بخار بہت تیز ہے میں کوئی دوا بھجواتی ہوں۔" علشبہ نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر حرارت محسوس کی۔

"اگر کافی دیر سے بے ہوش تھی تو پہلے بتانا تھا، کہیں کچھ ہو نا جائے اسے۔" علشبہ کو فکر ہوئی۔ وہ دوبارہ غنودگی میں جا چکی تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا، ڈراما کر رہی ہے مجھ سے بچنے کے لیے۔" جعفری نفرت سے بولا۔

"گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے تم اپنا ڈراما کچھ دن بعد شروع نہیں کر سکتے تھے۔" علشبہ نے زینی کے گالوں کی طرف اشارہ کیا۔

"شکر کرو بے ہوش ہو گئی، ورنہ چمڑی ادھیڑ دیتا، اس نے مجھ پہ ہاتھ کیسے اٹھایا تھا۔"

"زیادہ ٹارزن بننے کی ضرورت نہیں، کہیں بھاگی نہیں جا رہی آرام سے سارے حساب لے لینا...... ابھی تماشا کر کے میری زندگی میں عذاب مت لاؤ۔ احرم ابھی تو میری مٹھی میں ہیں، بہن کی ایسی ویسی حالت دیکھ کر خون جوش میں آ گیا تو ہم دونوں کی خیر نہیں ہوگی۔" علشبہ کو فکر ہوئی۔

"میں نہیں ڈرتا کسی سے۔" جعفری کا فون بجنے لگا تھا۔

"بہتر ہوگا اسے تنگ نہ کرنا، میں دوا بھجواتی ہوں...... صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔" علشبہ کہہ چلی گئی۔

جعفری اسکرین پہ لزا کا نام دیکھ کر فوراً کال ریسیو کر چکا تھا۔ اس کی بیوی کی کال تھی۔

"اتنی جلدی..... لیکن ابھی تو میری چھٹیاں باقی ہیں۔" جعفری حیران ہوا۔

"اوکے۔" جعفری نے رسمی محبت کے تبادلے کے بعد کال کاٹ دی۔

اسے کل کی فلائٹ سے انگلینڈ جانا تھا۔ اس کی چھٹیاں کینسل کردی گئی تھیں۔ ٹائم پہ نہ پہنچنے پہ اسے نہ صرف نوکری سے ہاتھ دھونا پڑتا بلکہ اس نے کمپنی سے جو لون لیا ہوا تھا وہ بھی اسے بھی لوٹانا پڑتا۔ اس کی کنیڈین بیوی نے اسی سلسلے میں کال کی تھی۔

"بہت اچھی قسمت ہے اس کی جو مجھ سے بچ گئی۔" سب ہی حیران تھے رات ولیمے کی تقریب تھی اور اس کے فوراً بعد اسے نکلنا تھا۔ اس سب میں اگر کسی نے اللہ کی وحدانیت کو سمجھا تو وہ زینی تھی۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اپنے مالک کا شکر ادا کررہے تھے۔

"جلد ہی آؤں گا اور تمہارا وہ حشر کروں گا کہ مہینوں ہوش میں نہیں آؤ گی۔" جعفری نفرت سے کہہ کر چلا گیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

ارسم مجھے نیا سیل فون لینا ہے، میرا فون بہت تنگ کررہا ہے۔" شرمین بیڈ پہ بیٹھی اپنے فون پہ بزی تھی۔ موڈ سخت خراب تھا۔

"ٹھیک ہے لے لینا۔" ارسم نے آفس کے لیے تیار ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے تیس ہزار دے دیں میں آپی کے ساتھ جاکر فون لے لوں گی۔" شرمین اٹھ کے بیٹھ گئی۔

"تیس ہزار؟" ارسم نے گردن موڑ کر اسے حیرت سے دیکھا۔

"ہاں تو اور کیا.... لوگ لاکھوں کا سیل فون استعمال کرتے ہیں۔" شرمین کو اس کی حیرت کا اظہار برا لگا۔

"کرتے ہوں گے مگر لوگوں میں اور ہماری حیثیت میں فرق ہے۔" ارسم نے سمجھانا چاہا۔

"اتنی بڑی رقم بھی نہیں مانگ لی جو آپ اتنی باتیں سنا رہے ہیں۔" وہ چڑ گئی۔

"پہلے ہی میں نے تمہیں شاپنگ کے دس ہزار دیے تھے، اب پھر اتنی بڑی رقم۔" اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے کیسے سمجھائے۔

"دس ہزار کو بھی مہینہ سے اوپر ہوچکا ہے۔ میری بھی سو ضرورتیں ہیں اب میں گھڑی گھڑی آپ سے سو سو روپے کے لیے بھیک مانگتی پھروں۔" وہ خفا ہوئی، ارسم بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"میں ایسا نہیں کہہ رہا لیکن تمام اسمارٹ فونز میں ایک جیسے ہی فنکشن ہیں اور فیچرز بھی تم تھوڑا سستا سا لے لو۔" اس نے منانے کی کوشش کی۔

"احرم بھائی کو دیکھیں آپ کے ہی کزن ہیں، آپی کو چالیس ہزار کا فون دلایا ہے وہ بھی گھر میں اکیلے کمانے والے ہیں۔" احرم کی مثال پہ ارسم چپ ہوگیا۔

احرم کنسٹرکشن کمپنی میں انجینئر تھا، اس کی آمدنی بھی لگی بندھی تھی مگر علشبہ کے سکھانے پڑھانے پہ اس نے دو نمبری کے کام بھی شروع کردیے تھے۔ قبضہ مافیا کے ساتھ مل کر جعلی کاغذات پہ زمین فروخت کرنے کا کام شروع کردیا تھا۔ تب ہی چالیس ہزار کا فون بھی آگیا تھا اور ہر مہینے ہزاروں کی شاپنگ الگ ہورہی تھی۔ احرم کے ساتھ اسے زینی بھی یاد آگئی تھی جس کی یاد سے وہ ممکنہ حد تک دامن بچاتا تھا۔

"مجھے دیر ہورہی ہے پھر بات کریں گے، ناشتا دے دو۔"

"آفس میں کرلیجیے گا۔" شرمین دوبارہ سے لیٹ کر فون پہ بزی ہوگئی وہ اس کے لاپروا انداز کو دیکھتا رہا پھر بیگ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"ایک فرمائش کرو تو موت آجاتی ہے ناشتا کھانا دیتے رہو بس، نوکر تھوڑی ہوں میں۔" وہ بڑبڑا کے کافی دیر لیٹی رہی پھر اٹھ کر اپنے لیے ناشتا بنانے لگی۔

"ارسم بغیر ناشتے کے چلا گیا۔" نبیلہ کچن میں آئیں۔

"آپ بھی اسی گھر میں ہوتی ہیں اور خیر سے ماں ہیں آپ ہی بیٹے کو ناشتا کروادیا کریں۔ میری آس میں کیوں بھوکی بیٹھی رہتی ہیں۔ مجھے اتنا کام کرنے کی عادت نہیں، کسی ملازمہ کا انتظام کریں ورنہ اپنا کام خود کریں۔ مجھ سے کوئی توقع نہ رکھیں۔" شرمین بدتمیزی سے کہتی اپنا ناشتا اٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔

نبیلہ حیران کھڑی رہ گئیں۔ پہلے تو وہ لگی لپٹی باتیں کرتی تھی مگر آج تو صاف صاف کہہ دیا تھا ناشتا کرکے شرمین تیار ہوئی اور 'امی کے گھر جارہی ہوں' کا نعرہ لگاتی چلی گئی۔

❁ ❁ ❁ ❁

"زندگی تو جیسے ختم ہوگئی ہے، آپی شادی کے بعد، جانے

کیسے ٹٹ پونجیے سے شادی کرلی میں نے۔" شرمین علشبہ کے آگے دکھڑا رو رہی تھی۔ جب میکے آنا ہوتا دونوں ایک دوسرے کو فون کرکے بلالیتی تھیں۔ سارا دن سسرالیوں کی برائیاں کرکے زینی سے خدمتیں کروا کر رات کا کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر چلی جاتی تھیں۔

"تم ارسم کو سمجھاؤ، لگی بندھی تنخواہ سے خواہشات پوری نہیں ہوتیں اور دیکھو احرم نے مجھے کتنی خوب صورت انگوٹھی بنوا کر دی ہے۔" علشبہ نے ہاتھ آگے کیا جس میں خوب صورت نگوں سے مزین انگوٹھی دمک رہی تھی۔

"واؤ آپی دکھائیں۔" شرمین ستائشی لہجے میں کہتی علشبہ سے رنگ لے کر اپنی انگلی میں پہن کر ہر زاویہ سے جائزہ لے رہی تھی۔

"آپ تو خوش قسمت ہیں جو احرم بھائی آپ کی سنتے ہیں۔ ارسم جانے کس مٹی کے بنے ہیں۔" شرمین نے دکھڑا رویا۔

"ارے رہنے دو، احرم بھی بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئے، ماں باپ نے جو حلال حرام کی تمیز دی اس سے ایک انچ بھی ہلانا آسان تھوڑی تھا۔ وہ تو سالوں کی محنت رنگ لائی۔ تب جاکے احرم مانے، تم بھی کوشش کرتی رہو۔" علشبہ نے اپنا تجربہ بتانے کے ساتھ مشورہ بھی دے ڈالا۔

"امی آپ کے گھر میں بیٹیوں کی خاطر تواضع کا رواج ختم ہوگیا کیا؟" ندرت بھی آگئیں تو شرمین نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"زینی کو کہا تو تھا شربت لانے کو...... بہت کام چور اور سست ہے۔" ندرت نے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ زینی ٹرے میں شربت کے گلاس رکھے داخل ہوئی۔

"کیا گھر میں سارا راشن ختم ہوگیا ہے جو خالی شربت لائی ہو۔" شرمین تنکی۔

"کھانا پکا رہی ہوں۔" زینی نے بتایا۔

"کھانے سے پہلے کچھ لا کے دو سخت بھوک لگی ہے مجھے۔" شرمین کا انداز حقارت لیے ہوئے تھا۔ وہ خاموش رہی۔

"کھڑی دیکھ کیا رہی ہو جاؤ کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔ جعفری ہوتا تو ابھی تک ساری اکڑ نکل گئی ہوتی۔" شرمین کے جتاتے انداز پہ علشبہ ہنسی زینی کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

"رات کے کھانے پہ اہتمام کرلینا ارسم لینے آئیں گے مجھے اور ان کے سامنے زیادہ مٹکنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دوپٹا لپیٹے جو رکھتی ہو نا ہر وقت اس کے پیچھے چھپا اصل کردار ہم سب کو پتا ہے۔" شرمین زہر اگلنے لگی۔ زینی کچن کی طرف چل دی۔

"کبھی کبھی لگتا ہے جانے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔" شرمین اور بھی جانے کیا کہہ رہی تھی۔ زینی کے آنسو بہنے لگے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

رات کے کھانے پہ اس نے خاصا اہتمام کرلیا تھا۔ ارسم آچکا تھا، وہ کچن میں ہی گھسی رہی تاکہ ارسم سے سامنا نہ ہو۔ ندرت نے کھانا لگانے کا اعلان کیا تو وہ کھانا لگانے لگی۔

"علشبہ...... احرم کو بھی بلا لو عرصہ ہوا اسے ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔" ندرت نے نمیس کو گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"کہاں امی...... احرم کا تو آپ کو پتا ہے وہ زینی کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ جب سے شادی ہوئی ہے وہ کب آتے ہیں گھر۔" علشبہ نے دکھی لہجے میں کہا۔ ارسم اس ساری گفتگو میں چپ رہا تھا۔

"یہ نیکی تو جیسے گلے پڑ گئی تمہارے۔" علشبہ سے ہمدردی کرتے شرمین نے در پردہ ارسم کو سنایا۔

"جعفری بھی جاکے بیٹھ گیا، کم سے کم یہاں ہوتا تو اس کی اکڑ تو ختم کرتا۔ کیسے مہارانی بن کے ٹھاٹ کر رہی ہے۔ گھر کے کام تو میں ہی کرتی ہوں۔" ندرت بھی بیٹیوں کی ہم خیال تھیں۔ کھانے کے لیے بلانے آئی زینی نے اس سفید جھوٹ کو سنا اور وہیں سے آواز لگادی۔

"کھانا لگ گیا ہے۔"

"ذرا تمیز نہیں ہے کہ طریقے سے آکر کھانے کا بولے۔ ہم کیا فقیر ہیں جو تم لنگر کا اعلان کر رہی تھیں۔" شرمین باہر آتے ہی اس پہ چڑھ دوڑی۔ وہ پانی کی بوتل رکھ رہی تھی۔

ارسم نے ایک نظر اس کے دوپٹے کے ہالے میں چہرے کو دیکھا اسے وہ بہت کمزور لگی۔ شرمین نے بھی ارسم کی نظروں کا فوکس دیکھ لیا تھا۔ چمچہ میز پہ پٹخ کر بولی۔

"یہ سالن اتنا ٹھنڈا ہو رہا ہے، کیا صبح سے پکا کر رکھا ہوا ہے۔ جاؤ گرم کرکے لاؤ۔"

"شرمین اتنا تو گرم ہے۔" ارسم نے سچ کہا۔

"زیادہ ہمدرد بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" شرمین نے بغیر کسی لحاظ کے کہا، ارسم علشبہ اور ندرت کے سامنے چپ رہ گیا۔ ورنہ شرمین کی حرکت سخت گراں گزری تھی۔

"گرم کرکے لاؤ اور دوبارہ شکل مت دکھانا۔" وہ ڈونگا اٹھا کر حکم کی تعمیل میں چل دی۔ مائیکرو ویو میں سالن گرم کرکے لائی تو شرمین نے کافی کا آرڈر دے دیا، بے حد بولنے والی..... منہ پہ جواب دینے والی زینی کو بے زبان جانور کی طرح کام میں جتا دیکھ کر ارسم کو ہمیشہ کی طرح حیرت ہوئی تھی مگر آج تو شرمین نے حد کردی تھی۔ اس پہ زینی کی اداس صورت نے ارسم کا دل گداز کردیا تھا۔ وہ ہاتھ دھونے واش بیسن کی طرف آیا تو کچن میں کافی بناتی زینی کو دیکھ کر خود کو روک نہ پایا۔

"کیسی ہو زینی؟" وہ ایک لمحے کو ڈر گئی، ارسم کو دیکھ کر اس نے رخ پھیر لیا۔

"آپ جائیں یہاں سے۔"

"کیوں؟" ارسم دروازے پہ پھیل کر کھڑا ہوگیا۔

"شرمین نے دیکھ لیا تو شامت آجائے گی۔" اس کی آواز میں فکر مندی تھی۔

"تم تو کسی سے نہیں ڈرتی تھیں۔ کسی کے آگے تمہاری زبان نہیں رکتی تھی۔ اب کیا ہوا؟" درحقیقت ارسم کو اس کی حالت دیکھ کر افسوس ہوا تھا۔ یہ تو وہ زینی نہیں تھی، اس کی شوخی، کھلکھلاہٹیں، شرارتیں یاسیت کی چادر اوڑھ چکی تھیں۔

"وقت بدل گیا ہے۔ حالات بدل گئے ہیں۔" تلخ مسکراہٹ لبوں پہ آکر دم توڑ گئی۔

"کیوں کیا تم نے یہ سب زینی؟" ارسم دکھی تھا۔

"کیا راز و نیاز کررہے ہیں آپ دونوں؟" شرمین نے اچانک چھاپا مارا تب وہ بری طرح ڈر گئی، ارسم بھی گھبرا گیا۔

"میں ہاتھ دھونے آیا تھا۔"

"ہاتھ دھونے آئے تھے یا جس سے ہاتھ دھونا پڑا اس کی کسک آپ کو یہاں لے آئی۔" شرمین چلائی۔

"تمیز سے بات کرو۔" ارسم کو غصہ آگیا۔ شور سن کر علشبہ اور ندرت بھی آگئیں۔

"میں نے دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا۔ راز و نیاز کرتے، دونوں پھر سے پرانی کہانی دہرانے کی بات کررہے تھے۔" شرمین ندرت کے گلے لگ کر رونے لگی۔

"تم جیسی عورت کا کوئی علاج نہیں۔ مرد یہاں جب دماغ درست ہوجائے تو آجانا گھر۔" ارسم غصے سے بکتا جھکتا تیزی سے نکل گیا۔

"ارسم رکو تو..... علشبہ پیچھے لپکی۔

"یہ حرافہ میرا گھر برباد کرکے دم لے گی، جادوگرنی۔" شرمین نے حیران و پریشان کھڑی زینی کا منہ تھپڑوں سے لال کردیا۔

"بدذات تجھے میرا ہی میاں ملا تھا عشق کے لیے؟" شرمین اول فول بکتی اسے زدوکوب کررہی تھی۔ اپنی ہیل سے اس کی دھنائی کردی تھی۔ ندرت شرمین کو الگ کرنے کی کوشش میں دو تین دھموکے زینی کو جڑ چکی تھیں۔ علشبہ کمال سکون سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

"کرتی ہوں میں جعفری سے بات..... نکالے اس آوارہ کو گھر سے..... ورنہ میرا بسا بسایا گھر اجڑ جائے گا۔" شرمین اب رونے بیٹھ گئی۔

"دفع ہو کلموہی۔" ندرت نے ہاتھ پکڑ کر دھکیل دیا..... زینی کا سر دیوار سے لگا اور ہونٹ سے خون نکلنے لگا۔ چوٹوں کی پروا کیے بغیر وہ اندھادھند بھاگتی کمرے میں چلی گئی۔

"اگر میرا گھر تباہ ہوا تو میں قتل کردوں گی اس چڑیل کو۔" شرمین کافی دیر تک اسے گالیاں اور کوستی رہی۔

"کچھ نہیں ہوگا احرم آئیں تو ہم خود تمہیں چھوڑ آئیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔" علشبہ نے دلاسا دیا۔

احرم، علشبہ کو لینے آیا تھا، علشبہ کے ساتھ شرمین کو روتے دھوتے آتا دیکھ کر وہ علشبہ کی شکل دیکھنے لگا۔

"شرمین کو اس کے گھر چھوڑنا ہے۔ ارسم ناراض ہوکر چلا گیا۔" علشبہ نے شرمین کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"رہنے دیں اب کچھ کہوں گی تو آپ برا مان جائیں گے۔" علشبہ نے خفگی دکھائی۔

"ایسا کیا ہوگیا؟" احرم کو تشویش ہوئی۔

"آپ کی بہن ارسم کو دیکھتے ہی اٹھلانے لگتی ہے۔ آج بھی ایک ایک چیز ارسم کے آگے پیش کرنے لگی کہ اس نے پکایا ہے اور یہ کہ وہ ارسم کی پسند سے واقف ہے اور جانے کیا کیا کہہ رہی تھی، مرد کو تو اشارہ چاہیے، ارسم بھی پرانی محبت کو پھر سے تازہ کرنے کی باتیں کرنے لگا۔ شرمین نے دونوں کو بات کرتے سن کر کچھ کہا تو ارسم غصہ کرکے چلا گیا۔ زینی بھی معصوم بن گئی۔ ارسم اگر کوئی ایسا ویسا فیصلہ کرتا ہے تو گھر تو میری بہن کا خراب ہوگا ناں۔" علشبہ کو باتوں کو غلط رنگ دینے میں کمال حاصل تھا۔ شرمین کی ہچکیوں نے سونے پہ سہاگا کا کام کیا۔ احرم کا موڈ بری

طرح بگڑ گیا۔

"جانے یہ لڑکی کب مرے گی اور ہمیں سکون نصیب ہوگا۔"

"فکر مت کرو شرمین تم میری بہن جیسی ہو، میں ارسم سے بات کروں گا۔" احرم نے سمجھایا۔

بالکونی میں کھڑی نیچے کا منظر دیکھتی زینی خون کے آنسو رونے لگی، سگے بھائی کو سالی کے آنسو نظر آگئے تھے مگر اس نے بہن سے پوچھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ جسم میں جا بہ جا درد ہورہا تھا۔ شرمین کی ہیل نے جگہ جگہ نیل ڈال دیے تھے۔ وہ جسے کبھی کسی نے پھولوں سے نہیں مارا تھا آج ایسے ویسے لوگوں کی جوتی اسے چھونے لگی تھی۔ وہ فردوس سے ملنے بہت کم جاتی تھی۔ ہر ہفتے علشبہ آجاتی تھی اور اسے موقع نہیں ملتا تھا پھر ان کی خدمت کون کرتا، علشبہ گھر جاکر زینی بالکل ٹھیک ہے، جعفری کا نادیدہ بھیجے سوغات کا بڑھا چڑھا کر ذکر کرکے سب کو مطمئن کردیتی۔ فردوس کبھی کبھار فون کرلیتی تھیں۔ اس میں بھی وہ کسی کو شکایت نہ پہنچنے کی نصیحت ہی کرتی رہتی تھیں۔ وہ خود بھی گھر جانے سے احتیاط کرتی تھی کہ احرم اسے دیکھ کر آگ بگولہ ہوجاتا تھا۔ اس کی زندگی آنسوؤں کی نذر ہوگئی تھی۔

شرمین نے جعفری کو کال کرکے بھڑاس نکال لی تھی اور اب وہ اسے گالیاں دے رہا تھا۔

"تو دن گننا شروع کردے جس دن میں آیا تیرا وہ حال کروں گا کہ تیری ساری آوارگی دم توڑ دے گی۔ دل بھرا نہیں تیرا عاشقوں سے؟" وہ اور بھی فحش زبان استعمال کررہا تھا۔ اس میں سننے کا حوصلہ نہ تھا، اس نے چپکے سے فون رکھ دیا۔

"یہ کیسی آزمائش ہے میرے رب؟ جو گناہ میں نے کیا ہی نہیں اس کی پاداش میں کب تک سزا جھیلوں؟" وہ شکوہ کناں ہوئی۔ آنسوؤں نے ہچکی باندھ دی۔ اپنے کپڑوں کے نیچے دبے ایک پرچے کو نکال کر اس نے چہرے کے سامنے کیا۔

ایک یہ پرچا اس نے مہینوں سے سنبھال رکھا تھا۔ یہ اس کی بدبختی کا سیاہ ورق تھا جس نے اس کی ہنستی مسکراتی زندگی کو تہس نہس کردیا تھا۔ یہ وہی نکاح نامہ تھا۔

"کون ہو تم، کیوں سامنے نہیں آتے، ایک بار آکر بتادو تم نے یہ کیوں کیا؟" وہ بے بسی سے چلائی۔ رو رہی تھی تڑپ رہی تھی، اس ایک پرچے نے اسے صدیوں کا زخم دے دیا تھا۔

❀ .... ❀ .... ❀ .... ❀

شرمین کی ہیل نے سر پہ جا بجا گومڑے ڈال دیئے تھے۔ سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ صبح تک وہ بخار سے پھنک رہی تھی۔

"ناشتا کیا تمہاری ماں آکر بنائے گی جو ابھی تک بستر پہ مری پڑی ہو۔" ندرت کو ناشتا ملنے میں دیر ہوئی تو اس کے سر پہ آکر چلانے لگیں۔

"میں بس اٹھنے کی ہمت ہی کررہی تھی۔" اس نے نقاہت بھری آواز سے کہا۔

"راتوں رات ایسا کیا ہوگیا کہ اٹھنے کی ہمت نہیں رہی۔"

ندرت، علشبہ اور شرمین کی ماں تھیں، کم و بیش سب کی زبان بے لگام تھی۔ زینی نے اٹھنے کی کوشش کی آنکھوں کے آگے ایک دم اندھیرا چھا گیا تو وہ اوندھے منہ گر گئی۔ کنپٹی بیڈ کے کونے سے لگی اور کچھ لمحے تو وہ مارے تکلیف کے کچھ بولنے اور کرنے کے قابل ہی نہ رہی۔

"مری پڑی رہو، جان بوجھ کر چوٹ لگالو تاکہ کوئی کام کو نہ بول سکے۔ ایسی منحوس ہے کہ جعفری نے منہ لگانا بھی ضروری نہ سمجھا، تھوک کر چلا گیا تجھ پہ۔ میرے بیٹے کو لڑکیوں کی کمی تھوڑی تھی۔ جانے کیسا گند گلے پڑ گیا۔" ندرت زہر اگل کر چلی گئی تھیں۔

اس نے کنپٹی پہ ہاتھ رکھا گرم سیال بہتا محسوس ہوا۔ کنپٹی سے خون نکل رہا تھا۔ خود کو گھسیٹ کر بہ مشکل واش روم جاکے اس نے خون صاف کیا، چند قدم چل کے ہی اس کا سانس پھولنے لگا۔ دوبارہ لیٹ کر ہمت مجتمع کرنے لگی۔ بھوک سے آنتیں بلبلا رہی تھیں۔ کمزوری نے ہڈیاں چٹخا دی تھیں مگر کئی گھنٹے گزر گئے۔ ندرت نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں تھا۔ وہ بہ مشکل کچن تک آئی، کچن کی حالت سے ظاہر تھا ندرت نے کچھ نہیں پکایا تھا۔ پڑوس کا بچہ دروازہ بجا کر آیا۔

"یہ خالہ کے دس روپے بچے تھے۔ انہوں نے حلوہ پوری منگوائی تھی ناں...... میں انہیں دینا بھول گیا تھا پیسے۔" بچہ دس روپے کا نوٹ اسے تھما کر چلا گیا۔ ندرت نے حلوہ پوری منگوا کر کھا بھی لی اور اب قیلولہ فرما رہی تھیں۔ دکھ سے اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ کھانے کی تلاش میں فریج میں انڈا ڈبل روٹی پہ نظر پڑی، انڈا ابال کر بریڈ لے کر وہ کمرے میں آگئی۔

"کتنا بے غیرت ہے انسان جو پیٹ کی بھوک کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔" تلخ مسکراہٹ سے سوچتے ہوئے اس نے نوالہ منہ میں رکھا۔

❁......❁......❁......❁

نہ وقت بدلا تھا نہ اس کے شب و روز، شرمین اور علشبہ کے طعنوں میں کمی بھی نہیں آئی تھی۔ ارسم اب پہلے سے زیادہ محتاط ہوگیا تھا۔ وہ بھی حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتی تھی۔ فردوس اور ضیاء اسے دیکھ کر کڑھنے لگے تھے۔ احرم کی نفرت برقرار تھی۔ جعفری کی دھمکی آمیز کالز کی اب وہ عادی ہوگئی تھی۔ گو کہ اب سال سے اوپر ہو چکا تھا مگر جعفری کی ہزار کوشش کے باوجود وہ پاکستان نہیں آ پا رہا تھا۔ کچھ اس کی کینیڈین بیوی کو بھی اس کی شادی کی سن گن مل گئی تھی، جس پہ اس نے خاصا واویلا کیا تھا مگر جعفری نے ہزار جھوٹ کے بعد اس کے شک کو دور کردیا تھا۔ جلد پاکستان کا چکر لگا تا تو اس کی بیوی کا شک یقین میں بدل جاتا بلکہ آج کل وہ خود پاکستان ساتھ چلنے کی ضد کررہی تھی، جس پہ جعفری ٹال رہا تھا۔ شرمین نے ارسم اور نبیلہ کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا۔ نبیلہ اس وقت کو کوس رہی تھیں جب انہوں نے اس کا انتخاب کیا تھا۔ ارسم بھی اس کی بدحراجی اور آئے دن کی فرمائشی پروگرام سے تنگ آچکا تھا۔ احرم نے گاڑی لی تو شرمین کے مسلسل اصرار پہ اس نے بینک سے گاڑی لے لی اور اب ڈاؤن پیمنٹ اس کی جان کو آنے لگا تھا، بینک میں بھی کچھ اچھا نہیں چل رہا تھا۔ روز کی چخ چخ سے تنگ آ کر وہ نوکری چھوڑنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

سب کی زندگی اپنی اپنی جگہ رواں دواں تھی اگر ایک نہج پہ کسی کی زندگی رک گئی تھی تو زینی تھی...... جس کی زندگی میں کوئی خوشی کا دن نہیں تھا۔ کوئی خوشی کا تہوار نہیں تھا، کپڑے، جوتے خریدے زمانہ ہوگیا تھا، ہر بار فردوس ہی اس کے لیے کچھ نہ کچھ لے آتی تھیں ورنہ اسے ان چیزوں کی خواہش نہیں رہی تھی۔ کئی کئی دن کپڑے نہیں بدلتی تھی، بال نہیں بناتی تھی وہ شاید اندر سے مرگئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

''جعفری آرہا ہے۔'' یہ خبر سن کر زینی کا وجود جیسے زلزلوں جھٹکوں کی زد میں آ گیا تھا۔ وہ تو اسے سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی اور اب وہ آرہا تھا، وہ بے حد فکر مند ہوئی۔ کس سے کہے، کس سے جان کی امان کی درخواست کرے، لے دے کے ایک ہی ہستی تھی جس کے سامنے وہ بے دھڑک اپنا مقدمہ رکھ کر انصاف کے لیے درخواست کرسکتی تھی اور اس نے ایسا ہی کیا...... ولیوں کے ولی، بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں اپنا مقدمہ پیش کردیا۔

''اے عزت دینے والے، مجھے مزید بے عزت ہونے سے بچالے، اے خالق کائنات میرا مزید تماشا نہ لگا، میں ہر ذلت، بدنامی سہہ گئی مگر اب مزید نہیں سہہ پاؤں گی، نام نہاد شوہر جو مجھے گالیوں سے مخاطب کرتا ہے، جو شرعی رشتے کی آڑ میں میری عزت سے کھیل کر مجھ پہ قہقہے لگا کر میری کردار کشی کرنا چاہتا ہے، مجھے اس کے شر سے بچالے میرے مالک جو شخص ہر گھڑی میری نسوانیت کو تار تار کرنے کے خواب بن رہا ہے مجھے اس کی بدبختی سے بچا میرے پروردگار...... مجھے بچالے۔'' اس کی ہچکی بندھ گئی تھی سجدے میں سر رکھے وہ کتنی ہی دیر روتی رہی تھی۔

جعفری اس کا شرعی شوہر تھا مگر ان گزرے دنوں میں اس نے صرف اسے ایک جسم سمجھا تھا، جسے نوچنے، چیر پھاڑنے کا اسے موقع نہیں ملا تھا، حقوق زوجین اس کے نزدیک ایک پردہ تھا، جس کے پیچھے اس نے اپنی حیوانیت اور درندگی کو چھپا رکھا تھا۔ اس نے کہہ رکھا تھا جس دن وہ لوٹ کر آیا وہ اس سے اس کا غرور چھین لے گا۔ اس کی نظر میں بیوی اور بازار میں بیٹھی عورت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جس کا اس نے برملا اظہار بھی کردیا تھا۔ وہ اس گھڑی کے نہ آنے کے لیے دعا گو تھی۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کی دھڑکنیں متوحش ہورہی تھیں، وہ ہر آہٹ پہ چونک رہی تھی، عورتیں، شوہر کے پردیس سے لوٹ آنے کے دن گنتی ہیں ایک ایک دن شمار کرتی ہیں لیکن وہ اتنی بدقسمت تھی کہ شوہر کے نہ آنے کے لیے دعا کررہی تھی۔

''ایک بار آجائے جعفری حلیہ بگاڑ دے گا۔'' شرمین نے اسے نفرت سے دیکھتے کہا تھا۔

''سارا اتھلانا نکل جائے گا۔'' علشبہ بھی ہنسی۔

''مجھے تو ایک دن بھی بہو کا سکھ نصیب نہ ہوا۔ جعفری ہی آئے گا تو مہارانی کے مزاج ملیں گے۔'' ندرت کیوں پیچھے رہتیں۔

چائے سرو کرتی زینی کے حلق میں نمکین گولہ پھنس گیا۔ جعفری کے استقبال کو دونوں بہنیں تیار بیٹھی تھیں۔ ندرت بھی ایئرپورٹ جانے کے لیے بے صبری سے گھڑی کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ سب نکلتیں اس سے پہلے ہی ایک بریکنگ نیوز ہر میڈیا چینل کی ہیڈ لائن بن گئی۔ جعفری جس طیارے میں سوار تھا فنی خرابی کے باعث طیارہ حادثے کا شکار ہو کر تباہ ہوگیا تھا۔

جس نے بھی سنا بے یقین تھا لیکن جلد ہی تصدیق بھی ہوگئی تھی۔ 230 مسافر لقمہ اجل بن گئے تھے۔ شرمین، علشبہ، ندرت دھاڑیں مار رہی تھیں۔

زینی سکتے کی کیفیت میں تھی، اس نے عظیم حاکم سے انصاف مانگا تھا اور اس نے انصاف کردیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، جعفری کے ساتھ اسے 229 لوگوں کی موت کا بھی دکھ تھا۔ اس نے جعفری کی موت تو نہیں مانگی تھی لیکن یہ مولا کی حکمت تھی، جعفری جو ڈیڑھ سال سے زینی کو دھمکا رہا تھا، جو آتے ہی اسے تہس نہس کرنے کی باتیں کررہا تھا، اسے اللہ کی زمین بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ ہاں، بہنیں، جو جعفری کا نام لے کر ڈرا رہی تھیں اب ماتم کررہی تھیں۔ زینی کے صبر نے ان سب کو ایسا سبق سکھایا تھا کہ اگر وہ سمجھ جاتیں تو ان کی آخرت سنور جاتی۔

"یہ ڈائن کھا گئی میرے بیٹے کو۔" ندرت بپھر کر اس تک آئیں، افسوس کے لیے آئے لوگوں کے سامنے خاموش بیٹھی زینی کو مارنا شروع کردیا۔ کئی ایک عورتوں نے ندرت کو قابو کرنے کی کوشش کی مگر وہ بے قابو ہوکر اسے لاتیں مارنے لگیں۔ بے حس و حرکت زینی چپ کرکے ان کی مار کھاتی رہی۔

"ظلم کی بھی حد ہوتی ہے آپ کے بیٹے کی موت میں زینی کا کیا قصور؟" فردوس احرم کے ساتھ افسوس کرنے آئی تھیں۔ زینی کے ساتھ ہوتے سلوک نے فردوس کو تڑپا دیا۔ اس نے آج تک فردوس سے کوئی شکایت نہیں کی تھی مگر اس کی حالت خود ظلم کی داستان سناتی تھی۔ آج ان تینوں نے اپنی آنکھوں سے اس کی درگت بنتے دیکھ لیا تھا۔

"سارا قصور اس ڈائن کا ہے یہ کھا گئی میرے بیٹے کو۔" ندرت زینی کو گالیاں دینے لگیں۔ احرم کو دیکھ کر علشبہ ماں کو سمجھانے لگی۔

"امی صدمے میں ہیں آپ لوگ خیال نہ کریں۔"

"ایسا بھی کیا صدمہ کہ بہو کو دھنک کے رکھ دیا، ان کا بیٹا گیا ہے تو زینی کا بھی شوہر تھا۔ انہیں زیادہ صدمہ پہنچا ہے تو ہم اپنی بیٹی کو لے کر جارہے ہیں ویسے بھی اب اس کے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔" فردوس رو رہی تھیں، زینی کے لال چہرے کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ضیاء نے ہی علشبہ کو تکڑا توڑ جواب دیا اور زینی کو بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"ہاں لے جاؤ اس منحوس صورت کو ورنہ میں اسے جان سے ماردوں گی۔" ندرت چلائیں، ارسم اور نبیلہ بھی اس تماشے کو دیکھ چکے تھے۔ ضیاء اور فردوس زینی کو لے کر گھر آ گئے تھے۔

❁❁❁❁

جعفری کا سوئم بھی گزر گیا۔ آہستہ آہستہ سب روٹین پر واپس آ گئے تھے۔ احرم کے دل میں بہن کی محبت جاگی تھی یا نہیں مگر زینی کے ساتھ ہونے والے سلوک نے اسے تکلیف ضرور پہنچائی تھی، گو کہ علشبہ نے اپنے انداز سے اس کے دل کو صاف کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی، فردوس اور ضیاء اس کی دگرگوں حالت کا ذمہ دار خود کو سمجھ رہے تھے۔

زینی چپ تھی۔ اس کا مسکن اوپری کمرہ تھا، جو کبھی اس کے زیر استعمال تھا، اب اس کمرے میں گھر کا کاٹھ کباڑ پرانے بستر ڈال کر اسے اسٹور کی شکل دے دی گئی تھی۔ ان کاٹھ کباڑ کے درمیان زینی کو اپنا وجود بھی بے کار لگنے لگا تھا۔ فردوس اور ضیاء حتی الامکاں اس کا خیال رکھتے تھے۔ وہ ان سب کے ساتھ بیٹھ بھی جاتی تھی مگر ساتھ ہوتے ہوئے بھی ساتھ نہیں لگتی تھی۔

نبیلہ ارسم کے ساتھ آئی تھیں۔ زینی خاموشی سے اوپری سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ارسم نے گہری نظروں سے اس کے مضمحل انداز کو دیکھا تھا۔

"زینی کے ساتھ بہت برا ہوا، کہیں نہ کہیں، ہم سب بھی اس کی حالت کے ذمہ دار ہیں، اگر زینی ویسی ہوتی جیسا ہم نے سوچا تھا تو دو سال تک جعفری کے نام پہ بیٹھی نہ رہتی...... میں نے بھی ہیرا گنوا کے پتھر سے سر پھوڑ لیا۔" نبیلہ کو بے حد افسوس تھا جس کا اظہار کرنے میں بھی انہوں نے دیر نہیں کی۔

"بس بھابی، میری بچی کے لیے دعا کریں اسے اس کے نصیب کی خوشیاں مل جائیں۔" ضیاء آبدیدہ ہوئے۔ ارسم کچھ سوچنے لگا تھا۔

❁❁❁❁

فلائیٹ نے وقت پر لینڈ کیا تھا۔ وہ سب سے مل کر بے حد خوش تھا، سالوں بعد اپنوں کے گلے لگا تو محبت کی گرمی نے یخ بستہ ملک کی یاد بھلادی تھی۔

"کیسا ہے ہینڈسم...... تو تو مزید ہینڈسم ہوگیا۔" صمیم نے اسے بھینچ لیا۔ دونوں کزن اور جگری یار تھے گو کہ اسکائپ پہ باتیں ہوتی رہتی تھیں مگر دو سال بعد سب سے مل کر، گلے لگنے کی اپنی ہی خوشی تھی۔

"اب لگ رہا ہے زندوں میں ہوں۔" اس نے گرم جوشی

سے کہا۔
"ویلکم شاہ زیان۔" اس کی خالہ زاد عمامہ نے نعرہ لگایا۔
"دو گھنٹے تیاری میں لگائے ہیں محترمہ نے تجھے امپریس کرنے کے لیے۔" صمیم نے اس کے کان میں کہا۔
"چپ کرو۔" اس کے کندھے پہ ہاتھ مارتے مسکراتے ہوئے اس نے عمامہ کے سلام کا جواب دیا۔
"میں کون سا جنگ جیت کر آیا ہوں جو پورا خاندان ایئرپورٹ آ گیا۔" شاہ زیان اتنے لوگوں کو دیکھ کر حیران تھا۔
"جنگ تو بھائی لڑکیوں اور ان کی ماؤں کے درمیان چھیڑ دی ہے تو نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈگری لے کر...... ہر کوئی تجھے پھانسنے کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر آئی ہے۔" صمیم پھر اس کے کان میں گھسا اور یہ سچ ہی تھا ہر چاچی، تائی، پھوپی، خالہ اپنی بیٹیوں سے ملا رہی تھیں۔
"یار صمیم انہیں بتاؤ میں دو سال بزنس کی پڑھائی کر کے لوٹا ہوں، کومے سے باہر نہیں آیا۔ حد ہوگئی۔" وہ چڑا۔
"بیٹا ٹائم ہے تیرا انجوائے کر۔" صمیم نے مزا لیا۔
"اتنی ساری ماؤں میں، میری ماں تو نظر ہی نہیں آ رہی۔" عروسہ بیگم قریب آئیں تو وہ بولنے سے باز نہ آیا۔ انہوں نے ہنس کر اسے گلے لگایا۔
"کیسا ہے میرا بیٹا؟" عروسہ بیگم نے اونچے لمبے ہینڈسم بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں خشک کیں۔
"اس میں رونے کی کیا بات ہے؟" اس نے پیار سے ساتھ لگا لیا۔ انا بھی ساتھ چپک گئی۔
"پگلے خوشی کے آنسو ہیں کہ کوئی گوری کالی ساتھ نہیں آئی۔" صمیم کی زبان پر پھر سے کھجلی ہوئی، وہ مصنوعی خفگی سے گھورنے لگا۔
"یا اللہ شکر، رش میں مجھے بھی آپ تک آنے کا موقع ملا۔" اس سے چھوٹا ازمیر مصنوعی نڈھال حالت میں گلے لگا۔ واصف بھی بیٹے سے محبت سے ملے۔
"اب ٹھنڈ پڑی ہے کلیجے میں۔" واصف نے اسے ساتھ بٹھایا۔ وہ گھر آ گئے تھے۔ سب ہی اسے گھیرے بیٹھے تھے۔ بیتے دنوں کے قصے سن رہے تھے۔ سالوں بعد شاہ زیان نے اپنے کمرے میں قدم رکھا تو اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس کا کمرہ جوں کا توں تھا۔ عروسہ بیگم نے سیٹنگ تک نہیں بدلی تھی کہ اسے اپنا کمرہ اجنبی نہ لگے۔ بس روز صفائی کروا دیتی تھیں۔
"ہوم سویٹ ہوم۔" وہ جمپ لگا کر بیڈ پہ گرا تھا۔

❋......❋......❋......❋

"کچھ زیادہ چکر نہیں لگ رہے آپ کے محبوبہ کے گھر کے۔" ارسم باہر سے لوٹا تو شرمین ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ارسم اسے نظر انداز کر کے چیزیں جگہ پر رکھنے لگا۔ شرمین کو عدم تحفظ کا شکار ہوا تھا۔
"کھائیں قسم کہ آپ اس حرافہ کے گھر سے نہیں آ رہے۔" جب سے زینی واپس آئی تھی شرمین عدم تحفظ کا شکار تھی۔
"کیا بکواس کر رہی ہو، میں ہر وقت چچی کے گھر نہیں جاتا، میرے اپنے بھی کام ہیں اور اگر جاتا بھی ہوں تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اس گھر سے میرا رشتہ ہے۔" ارسم تپ گیا۔
"خوب جانتی ہوں کون سا رشتہ ہے اور مزید کس رشتے کی آس میں آپ دوڑے دوڑے جا رہے ہیں وہاں۔" شرمین آگ بگولہ ہوئی۔
"ہاں، تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔ تم جیسی زبان دراز اور کام چور عورت سے تنگ آ گیا ہوں...... تم نے دیا ہی کیا ہے؟ ایک بچہ تو جن نہیں سکی...... مجھے تو لگتا ہے زینی کے ساتھ سازش بھی تم تینوں بھائی، بہن نے کی تھی کہ یوں تم اور تمہاری آپی کی نظر جو مجھ پہ تھی اور تمہارے بھائی کی زینی پہ۔" ارسم بولنے پہ آیا تو کہتا چلا گیا۔ شرمین اس کے بدلے انداز کو دیکھتی رہ گئی۔
"اگر اس گھر میں رہنا ہے تو چپ کر کے رہو۔ جتنا ظلم تم نے اور تمہاری فیملی نے اس معصوم پہ کیا اس کی سزا تم لوگوں کو مل گئی۔ تمہارے بھائی کی ناگہانی موت کی صورت، اب بھی توبہ کر لو اپنے اعمال پہ۔" ارسم اپنا تکیہ اٹھا کر کمرے سے باہر آ گیا، شرمین سے یہ سچ ہضم نہیں ہوا۔ نبیلہ نے اسے غصے میں تکیہ اٹھائے لاؤنج کی طرف جاتے دیکھا تو فکر مندی سے پیچھے آئیں۔
"تم یہاں کیوں سو رہے ہو؟"
"آپ نے جو بلا میرے سر منڈھی ہے اس سے جا کر پوچھیں۔" ارسم نے خفگی سے کہتے تکیہ صوفے پہ رکھا اور لیٹ گیا۔
"جانے کس مٹی سے بنی ہے شرمین۔" نبیلہ نے بھی تاسف سے کہا۔
"آپ کا ہی انتخاب ہے۔" ارسم نے الزام دیا۔
"زینی کی سچائی ثابت ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور خوشی

خوشی دو دن میں رشتہ پکا کرآئیں شرمین سے......اب بھگتیں ساری زندگی۔" ارسم نے نبیلہ کو بھی آئینہ دکھایا۔

"ٹھیک کہتے ہو، میں نے جلد بازی میں کھوٹا سکہ منتخب کرلیا۔ شرمین نہ اچھی بیوی بن سکی نہ اچھی بہو۔" نبیلہ افسردہ ہوئیں۔

"یہ سب زینی کی آہ ہے اور کچھ نہیں۔" ارسم کچھ زیادہ تلخ ہو رہا تھا۔ نبیلہ سر ہلانے لگیں۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو، اس معصوم پہ بھی بہت ظلم کیا شرمین کے گھر والوں نے، کیسے چٹ پٹ جعفری چلا گیا......سب اللہ نے دکھایا۔" نبیلہ دلگرفتہ ہوئیں۔

"میں زینی سے شادی کروں گا......آپ جاکر چچی جان اور چاچو سے بات کریں۔" ارسم نے اعلان کیا۔ نبیلہ حیران رہ گئیں۔

"اور شرمین......"

"اسے رہنا ہوگا تو رہے گی......ورنہ طلاق دے دوں گا۔" ارسم فیصلہ کرچکا تھا۔

❁......❁......❁......❁

"زینی چپ چپ کیوں رہتی ہو بیٹا...... ہنسا بولا کرو۔" فردوس زبردستی اسے اپنے ساتھ لگائے رہتیں مگر وہ ہنوز چپ رہتی۔

"کیا بولوں؟" خالی خالی نظروں سے وہ انہیں دیکھنے لگی۔ فردوس کا دل کٹنے لگا۔

"پہلے جیسی بن جاؤ......گانے سنو، ڈائجسٹ پڑھو، فون پہ دوستوں سے باتیں کرو، کشف تمہارا پوچھتی رہتی ہے، جاکے مل لو اس سے دل بہل جائے گا۔" فردوس نے اس کے بے رونق بالوں پہ ہاتھ پھیرا، تیل کی بوتل اٹھا کر انہوں نے اس کے بالوں میں لگانا شروع کیا۔

"اب دل نہیں چاہتا کسی بھی چیز کو۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔

"زینی بھول جاؤ سب......ان گزرے دو سالوں میں جتنی اذیت، تکلیفیں تم نے جھیلی ہیں انہیں زندگی سے نکال کر خوش رہنے کی کوشش کرو۔ پہلے جیسی بن جاؤ۔" فردوس کو اسے اس حال میں دیکھ کر بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ جیسے مسکرانا تک بھول گئی تھی۔

"پہلے جیسا اب کچھ نہیں ہے مما......میں اپنا مان کہاں سے لاؤں جو اپنوں کے ہی بیچ کھو گیا۔ میں تو کسی سے نظر ملانے کے قابل بھی نہیں سمجھتی خود کو۔" اس کے ٹوٹے بکھرے لفظوں نے فردوس کے ساتھ احرم کے دل کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔

"اس کھلنڈرے پن اور شوخ طبیعت نے میرے دامن میں زمانے بھر کی بے اعتباری اور الزام بھر دیے ہیں، میری معصومیت کو داغ لگ گیا اور آپ کہہ رہی ہیں میں پھر سے پہلے جیسی بن جاؤں......کہاں سے لاؤں میں خود میں اتنی طاقت، میں نے بہت مشکل سے خود کو زندہ رکھا ہوا ہے، مجھے اپنے مجرم کی تلاش ہے اگر ایک نظر اسے دیکھنے کی خواہش نہ ہوتی تو شاید میں اب تک مرچکی ہوتی۔" اس کے آنسو بہنے لگے، فردوس کی آنکھوں کے گوشے بھی بھیگ گئے تھے۔ وہ بہت ٹوٹی بکھری لگ رہی تھی۔

"کسی نے مجھ پہ اعتبار نہ کیا......کسی نے اعتماد کی چادر مجھ پہ نہیں ڈالی۔ زینی سب کی بے اعتباری کے پھینکے پتھر سے لہولہان ہوکر سنگسار ہوچکی ہے۔ میں تو چلتی پھرتی زندہ لاش ہوں...... جو صرف اپنے مجرم کی آس میں جی رہی ہوں۔" اذان کی آواز آرہی تھی، زینی خاموشی سے اٹھ گئی۔ فردوس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"جب مجھے سب نے پکارنا چھوڑ دیا تھا تب بھی یہ پکار مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی اور اب جب میں پھر سے اپنوں کے درمیان ہوں تو کیسے اس کے بلاوے کو نظر انداز کردوں۔" وہ اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ فردوس دوپٹا منہ پہ رکھ کر رونے لگیں۔ احرم نے آکر انہیں سنبھالا۔

"ہم نے بہت زیادتی کی ہے زینی کے ساتھ۔" احرم بھی اعتراف کرکے رونے لگا۔

❁......❁......❁......❁

"اب آگے کیا پلان ہے شاہ زیان؟" عروسہ بیگم کافی کا مگ تھمانے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔ لاؤنج میں ہی اتا اور راز میر شطرنج کی بساط بچھائے بیٹھے تھے۔ دونوں میں سال بھر کا فرق تھا۔ دوستی بھی بہت تھی اور لڑائی بھی ہوتی تھی۔ واصف نیوز دیکھ رہے تھے۔ عروسہ بیگم فرصت سے تھیں، تب ہی انہیں شاہ زیان سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔

"ڈیڈ کا بزنس سنبھالوں گا اور ان شاء اللہ جلد ہی ہماری ایک اور فیکٹری کا کنسٹرکشن شروع کرنے والا ہوں۔" کافی کا سپ

لیتے اس نے مستقبل کا منصوبہ بتایا۔

"شادی کا کب تک موڈ ہے؟" عروسہ بیگم کے روایتی ماؤں والے سوال پہ اس نے بے چاری سی شکل بنا کر سر کھجانا شروع کر دیا۔ واصف نے بھی والیم کم کر دیا تھا۔ باقی دونوں بھی اس طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"مام ابھی تو نہیں۔"

"پھر کب؟ تمہاری شادی ہو گی، گھر میں بہو آئے گی تو چند سال بعد ازمیر اور انا کی باری آ جائے گی۔"

"مام، بھائی چاہتے ہی نہیں کہ میری فائل اوپر آئے۔" ازمیر نے معصومیت سے کہا تو شاہ زیان نے مسکراتے ہوئے گھورا۔

"بھئی سمپل سی بات ہے، تمہاری ماں اب ساس کا رول پلے کرنے کے لیے تیار ہے۔" واصف نے شوخی سے عروسہ بیگم کو دیکھا تو تینوں ہنسنے لگے۔

"بتاؤ شاہ زیان میں سنجیدہ ہوں۔ تمہاری خالہ، عمامہ کے لیے ڈھکے چھپے لفظوں میں کہہ چکی ہیں۔" عروسہ بیگم کے انکشاف پہ واصف بھی حیران ہوئے۔

"رئیلی......؟"

"جی...... خاندان میں اتنی بچیاں ہیں اور سب ہی ماشاء اللہ شکل وصورت کی پیاری ہیں۔"

"مام لیکن اس کا مزاج......" انا کچھ کہتے ہوئے رک گئی۔

"شادی کے بعد لڑکیاں بدل جاتی ہیں۔" عروسہ بیگم نے انا کی بات اچک لی۔

"تم تو کچھ بولو۔" واصف نے اسے بولنے پہ اکسایا۔

"آپ نے کسی کو پسند کر رکھا ہے؟" ازمیر نے شرارت سے پوچھا وہ مسکرا دیا۔

"ڈیڈ یہ چھوٹا کچھ زیادہ بڑی بڑی باتیں نہیں کر رہا ہے۔"

"ہاں وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔" واصف نے چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔

"بات مت گھماؤ شاہ زیان۔" عروسہ بیگم نے پھر گھیرا۔

"فرار کی راہ بند ہے۔" انا نے صدا لگائی۔ اس نے بھی مسکرا کر ہتھیار ڈال دیئے۔

"مام سیریسلی، میں نے ابھی تک شادی کا پلان نہیں کیا...... کب کرنی ہے، کس سے کرنی ہے، کبھی سوچا ہی نہیں، ان فیکٹ مجھے سوچنے کا تھوڑا ٹائم دیں۔" شاہ زیان نے پوری سچائی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سوچ لو۔ خاندان کی ساری لڑکیاں سامنے ہیں، اگر ان میں سے کوئی پسند نہ ہو تو زبردستی نہیں ہے، ہم اور کوئی لڑکی دیکھ لیں گے۔" عروسہ نے مسکرا کر اس کے بال بکھیرے۔

❁......❁......❁......❁

فردوس علشبہ کے ساتھ ہاسپٹل گئی ہوئی تھیں۔ عمیس موسمی بخار کا شکار ہو گیا تھا۔ زینی پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ بیل کی آواز پہ اس نے دروازہ کھولا، ارسم کو دیکھ کر سائیڈ پر ہو گئی۔

"کیسی ہو زینی؟" وہ اندر آ گیا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ پپا اندر کمرے میں آرام کر رہے ہیں انہیں جگا دوں؟" وہ اپنے کام میں مصروف ہوتی بولی۔

"میں تم سے ملنے آیا ہوں۔" ارسم نے بغور اسے دیکھا۔ وہ آج بھی اتنی سادہ اور معصوم تھی۔

"آپ میرے کزن اور بھابی کی بہن کے شوہر ہیں، میں کسی بھی رشتے کے ناتے آپ سے ملنا، بات کرنا نہیں چاہتی۔" اس نے دوٹوک جواب دے کر اپنا کام ختم کیا اور کچن میں آ گئی۔

"لیکن میں کرنا چاہتا ہوں۔" ارسم کچن کے دروازے پہ آ کھڑا ہوا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگی۔

"زینی تمہارا غصہ بجا ہے۔ میں مانتا ہوں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی جو تم پہ اعتبار نہ کر سکا۔" ارسم نادم تھا۔

"نہ میں غصہ ہوں نہ بیتی باتوں کو دہرانا چاہتی ہوں۔" اس نے صاف کہا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ارسم کی بات پہ زینی نے اسے دیکھا چند ثانیے دیکھتی رہی پھر اس کے لبوں پہ طنزیہ ہنسی آ گئی۔

"پر میں ایسا نہیں چاہتی۔"

"کیوں؟" اس نے جاننا چاہا۔

"آپ ہمیشہ مجھ سے محبت کے دعوے دار رہے لیکن جب آپ کو محبت ثابت کرنے کا موقع ملا تو آپ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جانے آپ کی محبت اتنی بودی اور کمزور کیوں تھی کہ نہ اس نے مجھے اپنے سحر میں جکڑا نہ آپ کو ثابت قدم رہنے دیا اور اب جب میں نے دنیا کو نئی آنکھ سے دیکھنا شروع کر دیا تو

بیوی کے ہوتے ہوئے آپ پھر سے دعوے دار بن کر آ گئے۔" اس نے آئینہ دکھایا۔

"میری شرمین سے بالکل نہیں بنتی...... وہ ایک اچھی بیوی نہیں بن سکی۔"

"یہ تو آپ کو طے کرنا ہے کہ وہ اچھی بیوی نہیں بن سکی یا آپ اچھے شوہر اور منگیتر نہ بن سکے...... اس وقت بھی آپ خودغرض انسان بن کر بیوی پہ سوکن لانے کا سوچ رہے ہیں، اگر مجھے آپ سے محبت بھی ہوتی تو بھی میں ایک عورت پہ ظلم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ خواہ وہ شرمین ہی کیوں نہ ہوتی۔" ارسم کو وہ خود سے بہت بلند لگی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ کھوٹ شاید اس کے اندر ہی تھا جو وہ کسی کے لیے اچھا ثابت نہیں ہو سکا تھا۔

❁......❁......❁......❁

"بہت افسوس کی بات ہے پھوپو جان میں سالوں بعد لوٹا ہوں اور آپ ملنے نہیں آئیں۔" شاہ زیان، نائمہ سے گلے شکوے کر رہا تھا۔

"شوگر اتنی بڑھ گئی تھی بچے کہ خواہش کے باوجود تم سے ملنے نہ آ سکی۔ میرا بھی بہت دل چاہ رہا تھا تمہیں دیکھنے کو۔" نائمہ نے اسے گلے لگا لیا۔

"دیکھ لیں اسی لیے میں خود آپ سے ملنے آ گیا۔" اس نے بھی محبت کا اظہار کیا۔

"تم بیٹھو...... میں تمہارے لیے کھانا پکاتی ہوں کھانا کھا کر جانا۔" نائمہ اٹھنے لگیں۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے رہنے دیں باہر سے منگوا لیں گے۔" شاہ زیان نے روکنا چاہا۔

"برسوں بعد میرا بچہ آیا ہے ایسے میں باہر کا کھانا کھائے گا، میں پکاتی ہوں۔" نائمہ کچن میں چلی گئیں۔

"امی چائے کے ساتھ پہلے کوئی نمکو دے دیں۔" صمیم بھی ان کے پیچھے کچن میں چلا آیا۔ شاہ زیان نظریں گھما کر گھر کا جائزہ لینے لگا۔ دو سالوں میں کچھ نہیں بدلا تھا۔ یہ ایک متوسط علاقہ تھا، واصف کی تمام بہنیں امیر گھرانے میں بیاہی گئی تھیں مگر نائمہ کی شادی متوسط طبقے میں ہوئی تھی۔ نائمہ بے لوث محبت کرتی تھیں۔ شاہ زیان ان کے بہت قریب تھا۔ سب اس سے ملنے آئے تھے مگر نائمہ شوگر اور بی پی کی وجہ سے نہ آ سکی تھیں۔ تب ہی وہ خود ملنے چلا آیا تھا۔ لائٹ چلی گئی تھی۔ کمرے میں گرمی لگنے لگی تو وہ صحن میں آ گیا۔

"او ہینڈسم تو چھت پہ چلا جا میں چائے لے کر وہیں آ رہا ہوں۔" صمیم نے کچن سے آواز لگائی۔ وہ مسکراتا چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگا، صمیم اور زیادہ تر کزنز اسے ہینڈسم ہی کہتے تھے، وہ تھا بھی تو اتنا ڈیشنگ۔ شام گہری ہونے لگی تھی۔ سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

"ارے صمیم کی وہ پڑوسن......" چھت پہ پہنچتے ہی دیوار پہ نظر پڑی تو بے ساختہ اسے وہ دن یاد آ گئے جب انگلینڈ جانے سے پہلے وہ ایک ماہ صمیم کے گھر قیام کرنے آیا تھا۔ دیوار پار اس کی آواز میں اوراد و وظائف سن کر وہ گھنٹوں ہنستا تھا تو اس کے اسٹیٹس پڑھ کر سر پیٹتا رہتا تھا، بھٹکی روح کی فیک آئی ڈی سے وہ بھی اس کے پاس ایڈ رہا پھر انگلینڈ چلا گیا، وہ پاس ورڈ اور اس آئی ڈی کو بھول گیا تھا نتیجتاً وہ بلاک ہو کر پھر کبھی کھل نہیں پائی۔ وہاں کی مصروف روٹین اور اسٹڈی میں وہ اس لڑکی کو بھول ہی چکا تھا مگر دیوار پہ نظر پڑتے ہی اسے سب یوں یاد آ گیا جیسے دو دن پہلے کی بات ہو، بلا ارادہ وہ ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ بلا ارادہ اس کی نظر دیوار کے پاس سے ہوتی سامنے کمرے پہ گئی۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں کوئی لڑکی جائے نماز پہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے زیر لب کچھ کہہ رہی تھی۔ لفظ تو اسے سمجھ میں نہیں آئے مگر اس کی مسلسل ہچکیوں سے ڈولتا وجود، آنسوؤں سے بھیگا چہرہ سامنے تھا۔ جانے اس چہرے پہ ایسی کیا بات تھی کہ وہ کئی لمحے تک نگاہ نہ پھیر سکا...... وہ لڑکی اب اپنی پیشانی جائے نماز پہ رکھ چکی تھی۔ وجود اب بھی جھٹکوں کی زد میں تھا جس سے ظاہر تھا کہ وہ اب بھی رو رہی ہے، اس کے گداز دل کو کچھ ہوا، صمیم گنگناتا ہوا آ رہا تھا، وہ چونک کر دیوار سے پیچھے ہوا۔

"لو جی گرما گرم چائے میرے ہاتھ کی۔" صمیم نے ٹرے رکھ کر اعلان کیا۔

"بہنوں کی شادی کے بعد اب امی کی آخری بیٹی میں ہی ہوں اس لیے سینڈوچ کھا کر بتاؤ۔" صمیم اپنی موج میں تھا تب ہی اس کی خاموشی کو محسوس نہ کر سکا۔

"لو تاں۔"

"پھوپو کو اتنی گرمی میں کچن میں کام کرنے سے منع کرتا تھا ناں۔" وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔

"ہونہہ، تمہارے لیے وہ کسی عذر کو قبول نہیں کریں گی۔ آ جائے گی ایک گھنٹے میں لائٹ میں نے جنریٹر بھی چلا دیا

ہے۔'' صمیم نے تسلی دی وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ صمیم نے مگ تھمایا، مگ منڈیر پہ رکھ کر اس نے سینڈوچ لیا۔

''صمیم، وہ تمہاری پڑوسن جو تھی...... وہ لوگ چلے گئے یہاں سے؟ آواز نہیں آرہی کوئی۔'' اس نے لاپروا نظر آنے کی اداکاری کی۔

''نہیں ہیں...... اپنا گھر چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔ آواز تو اب بھی آتی ہے مگر اب ان آوازوں میں بہت تبدیلی آگئی ہے۔'' صمیم کے لہجے میں اداسی آگئی۔

''مطلب؟'' وہ جلد سے جلد سب جاننا چاہتا تھا۔

''ایک عرصہ اس دیوار کے پار خاموشی رہی لیکن اب یہاں سے صرف رونے، سسکنے کی آوازیں آتی ہیں۔'' صمیم نے چائے کا سپ لیا، اس کی خاموشی شاہ زیان پہ گراں گزر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیسے پل بھر میں سب جان لے آخر ایسا کیا ہو گیا تھا۔

''اس بے چاری لڑکی کے ساتھ بہت برا ہوا...... جن دنوں تم انگلینڈ جا رہے تھے ان دنوں اس کا نکاح اس کے کزن سے ہونے والا تھا لیکن عین نکاح کے وقت ایک شخص نے اس کے بھائی کو نکاح نامہ تھمایا کہ زینی پہلے ہی اس سے نکاح کر چکی ہے۔'' شاہ زیان نے سینڈوچ منڈیر پہ رکھ دیا جیسے اس کا بوجھ اٹھانا دوبھر ہو رہا ہو۔

''وہ نکاح نامہ زینی کے لیے بدبختی بن گیا۔ کزن نے شادی نہیں کی، سب زینی پہ الزام لگانے لگے۔ بھائی، ماں، باپ سب نے اس سے منہ پھیر لیا۔ چند روز بعد پتا چلا وہ نکاح نامہ جعلی تھا مگر دیر ہو چکی تھی۔ اس کے کزن نے اس کی بھابی کی بہن سے شادی کرلی۔ بھائی اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ بھابی کا بھائی جعفری جو پہلے ہی بدتمیزی پہ زینی سے تھپڑ کھا چکا تھا اس نے شادی کا پیغام بھجوایا، زینی کا بھائی کسی راہ چلتے کے ساتھ بھی رخصت کرنے کو تیار تھا اس نے سالے کے پرپوزل پہ ہاں کردی، جعفری نے پہلی رات ہی زینی کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئی خوش قسمتی سے جعفری کو ولیمے کی رات ہی واپس انگلینڈ جانا پڑا اور زینی اس کے ظلم سے بچ گئی مگر اس کی ساس، شرمین اور اس کی بھابی نے اس پہ بہت ظلم کیا، جعفری ہر بار فون پہ دھمکی دیتا تھا ادھر شرمین ارسم کو زینی کے آس پاس دیکھ کر زدوکوب کرتی تھی۔ جعفری آنے والا تھا اور پھر جانے زینی کا کیا حال ہوتا، لیکن قدرت کو شاید زینی کی سالوں کی تکلیف پہ رحم آ گیا تھا، جعفری کا طیارہ کریش ہو گیا، اس کی ساس نے زینی پہ بھڑاس نکالی، فردوس آنٹی سے سب برداشت نہ ہوا تو وہ زینی کو واپس لے آئیں۔ تب سے اب تک وہ یہیں ہے۔'' صمیم کا لہجہ بہت دکھی تھا۔ شاہ زیان سانس روکے یہ سب سن رہا تھا۔

''یہ تمام باتیں امی کو فردوس آنٹی اور کچھ اس کی سہیلی کشف نے بتائی ہیں۔ اس دیوار کے پار جس لڑکی کی ہنسی، قہقہے گونجتے تھے اب اس کے نوحے سن کر سچ میں میرا دل دکھتا ہے، اوپر آنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ بہت برا ہوا زینی کے ساتھ...... ایک جعلی نکاح نامہ نے اس کی زندگی بدل دی۔'' صمیم جانے اور کیا کیا کہہ رہا تھا شاہ زیان کا فون بجنے لگا۔ صمیم چپ ہو گیا شاہ زیان نے کال ریسیو کی۔

''جی میں آرہا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کال کٹ کردی۔

''صمیم مجھے ارجنٹ کہیں جانا ہے۔'' وہ عجیب غائب دماغی کا شکار تھا۔

''لیکن امی کھانا پکا رہی ہیں۔'' صمیم نے روکنا چاہا۔

''میں پھوپو سے خود بات کرلیتا ہوں۔'' وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ صمیم اس کے انداز پہ حیران رہ گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

شرمین غصے سے ٹہل رہی تھی۔ اس کا غصے سے برا حال تھا۔ جب سے اس نے نبیلہ کو وقار سے بات کرتے سنا تھا۔ نبیلہ ارسم کی زینی سے شادی کی خواہش کا ذکر کر رہی تھیں۔ وقار بھی رضامند تھے۔ شرمین نے نبیلہ کو خوب کھری کھری سنائی تھی۔ نبیلہ سے اتنی بدتمیزی کی کہ وہ رونے بیٹھ گئیں۔ شرمین نے علشبہ کو فون کر کے اطلاع دی تھی وہ الگ غصہ میں تھی۔

''جانے کب مرے گی منحوس۔ جعفری کی موت کے بعد جب سے آئی ہے ارسم بھی بدلے بدلے لگ رہے ہیں ہزار بار مجھے ڈانٹا کہ ہم نے زینی پہ بہت ظلم کیا تھا۔'' علشبہ نے اپنا رونا رویا۔

''میرا گھر داؤ پہ لگا ہے اگر ارسم اڑ گئے تو میں کیا کروں گی؟'' شرمین پریشان تھی۔ ارسم کمرے میں آچکا تھا۔ شرمین نے فون بند کردیا۔ وہ ارسم کی پشت کو گھور رہی تھی۔

''آپ زینی سے شادی کر رہے ہیں؟'' ارسم ایک پل کو چونکا۔

''ہاں۔'' اس نے بےخوف ہو کر کہا۔

"میرے ہوتے ہوئے تم ایسا کر کے دکھائیں...... میں اس چڑیل کو جان سے ماردوں گی، پہلے میرے بھائی کو کھا گئی اور اب میرا گھر اجاڑنے کا سوچ رہی ہے۔ اس حرافہ کو......" شرمین اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔ ارسم کا اٹھتا ہاتھ شرمین کو چپ کرا گیا' گال پہ ہاتھ رکھے وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جو خود ایک گالی ہو وہ کسی باکردار لڑکی کو گالی دیتا اچھا نہیں لگتا، کس گھر کے اجڑنے کی بات کررہی ہو تم تم نے گھر بنایا ہی کب ہے؟ تم نے تو صرف زیبی کا حق چھینا تھا، تم تو ایک اچھی بیوی تک نہ بنی...... شوہر کی پسند، ناپسند تمہارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی اگر تمہیں شوہر کی خوشی کا خیال ہوتا تو تم یہ دوائیاں نہ کھا رہی ہوتیں۔" ارسم کے لہجے میں بے حد نفرت تھی۔ اس نے دوا کا ڈبا اس کے منہ پہ دے مارا۔ شرمین کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"اگر تمہیں بچہ نہیں چاہیے، ساری زندگی شاپنگ اور عیاشی ہی کرنی ہے تو تمہارے لیے میری شادی اتنی حیران کن کیوں ہے؟ مجھے ایک بیوی چاہیے، بچہ چاہیے جو تم نہیں دینا چاہتیں اور اب مجھے تم سے چاہیے بھی نہیں۔ تم اس لڑکی کو گالی دے رہی ہو جو تمہارے میاں کو پہلے ہی ٹھکرا کر تمہارا نصیب بنا چکی ہے اور اب بھی ٹھکرا رہی ہے لیکن میں اب پیچھے نہیں ہٹوں گا، میں بار بار زیبی کے در پہ جاؤں گا جب تک وہ مان نہیں جاتی، سنا تم نے، تم چاہو تو اپنی ماں کے پاس جاسکتی ہو۔" بے حد نفرت کا اظہار کرکے ارسم کمرے سے نکل گیا۔ شرمین ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔

❁....❁....❁

شاہ زیان جس طرح گھر پہنچا تھا وہی جانتا تھا، کئی بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ وہ بار بار حواس کو قابو میں رکھ کر اسٹیئرنگ پہ گرفت مضبوط کررہا تھا۔ نظریں ونڈ اسکرین پہ جمارہا تھا مگر ہر بار منظر دھندلا جاتا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کی حالت دیکھ کر عروسہ بیگم بھی گھبرا گئیں۔

"مام مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔" اونچے لمبے شاہ زیان کو سنبھالنا عروسہ بیگم کو بہت مشکل ہورہا تھا۔ ان کی آواز پہ ازمیر اور انا بھاگے چلے آئے۔ وہ دونوں بھی شاہ زیان کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئے تھے ازمیر نے فوراً ڈاکٹر کو کال کردی تھی۔

"جانے کیا ہوگیا میرے بچے کو، نظر نہ لگ گئی ہو۔" عروسہ بیگم نے فوراً نظر اتارنے کا سامان منگوا کر نظر اتاری۔ پیسے وار کر فقیر کو بھجوائے، تب تک ڈاکٹر بھی آچکا تھا۔ ڈاکٹر نے سکون کا انجکشن لگادیا تھا۔

"کوئی اسٹریس ہے، گھبرانے کی بات نہیں، ڈسٹرب نہ کریں تو اچھا ہے۔" ڈاکٹر ہدایت دے کر چلا گیا تھا، عروسہ نے اے سی بند کیا اور کمبل شاہ زیان پہ ڈالتے ہوئے وہ متفکر تھیں۔

"سالوں بعد لوٹے ہیں گرمی لگ گئی ہوگی۔ ٹریفک میں پھنس گئے ہوں گے۔ آپ ٹینشن نہ لیں۔" ازمیر اور انا انہیں دلاسا دے رہے تھے۔ انہوں نے نائمہ کو فون کردیا۔

"آپا شاہ زیان آپ کی طرف آیا تھا...... کچھ ہوا تھا کیا؟" عروسہ بیگم فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔ نائمہ بھی گھبرا گئیں۔

"نہیں تو...... بہت خوش تھا مل کر، میں نے کہا تھا کھانا کھا کر جانا تو ہامی بھرلی تھی، کوئی ضروری فون آگیا تو چلا گیا...... کچھ پریشان سا لگ رہا تھا، کیوں خیر ہے؟" نائمہ نے تفصیل بتا کر پوچھا۔

"شاہ زیان کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر سکون کا انجکشن لگا کر گیا ہے۔"

"اللہ خیر کرے، یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا بچے کو؟" نائمہ بھی پریشان ہوئیں۔

"جاگتا ہے تو پوچھوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہوسکتا ہے ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے طبیعت بگڑ گئی ہو" عروسہ بیگم نے تسلی دی۔

"اللہ صحت دے...... مجھے فون کرکے بتاتی رہنا۔" نائمہ کو فکر لگ گئی۔

"جی میں انفارم کردوں گی۔" عروسہ بیگم نے فون بند کردیا۔

"کس کی کال تھی جسے سن کر شاہ زیان کی طبیعت بگڑی۔" عروسہ بیگم کچھ پریشان سی ہوئی تھیں۔

❁....❁....❁

شرمین کی کال نے علشبہ کو بھی چراغ پا کردیا تھا۔ زیبی کا وجود خود اس سے برداشت نہیں ہورہا تھا۔ حالانکہ وہ خود علشبہ سے بات نہیں کرتی تھی۔ عمیس کو پیار کرلیتی تھی یا اس کے پاس بیٹھ جاتی تھی۔ عمیس بھی پھوپو، پھوپو کرتا رہتا تھا، ارسم کی روز روز کی آمد بھی علشبہ کی نظر میں تھی۔ بھائی چلا گیا تھا مگر وہ بہن کا گھر ٹوٹنے سے بچانا چاہ رہی تھی۔

"کون سا کھیل کھیل رہی ہیں آپ اور آپ کی بیٹی۔" علشبہ سبزی بناتی فردوس کے سر پہ جا کے چنگھاڑی۔ قریب ہی زینی ضیاء کے کپڑے استری کررہی تھی۔ فردوس علشبہ کا انداز سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"ارسم کے روز روز کے چکر سے آپ انجان نہیں ہیں جو ڈراما کررہی ہیں، میرے بھائی کو قبر میں اتار کر بھی آپ کی بیٹی کے کلیجے میں ٹھنڈ نہیں پڑی جو اب یہ میری بہن کا گھر جلانے کو تیار بیٹھی ہے۔" علشبہ کا بس نہیں چل رہا تھا زینی کا خون پی جائے۔

"کیا کیا ہے زینی نے جو تم یوں چلارہی ہو؟" فردوس بھی چپ نہ رہ سکیں۔

"ارسم، شرمین کو زینی سے شادی کرنے کی خبر دے رہا ہے اور آپ معصوم بن رہی ہیں۔" علشبہ بدتمیزی پہ اتر آئی۔

"ارسم نے کہا ہے تو آپ اسی سے پوچھیں۔ مما سے کیوں بدتمیزی کررہی ہیں۔" زینی ماں کی بے عزتی پہ چپ نہ رہ سکی۔

"تم تو چپ رہو ناگن...... غلطی ہوئی جو ہم نے تمہارا سر نہیں کچلا۔ صرف چار چوٹ کی مار لگائی...... پتا ہوتا تم یہ کرنے والی ہوتو تمہارا قصہ ہی ختم کردیتی۔" علشبہ بپھری۔

"زینی تمہاری زرخرید غلام نہیں ہے جو تم اس کے ساتھ ہر طرح کا سلوک کرو۔" احرم بھی آ گیا تھا۔ اس نے علشبہ کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ علیزہ جلدی سے بولی۔

"آپ نہیں جانتے احرم....."

"دوسروں پہ انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے اندر جھانک لیا کرو..... تم نے اور تمہاری بہن نے کبھی گھر بسانے والا کام کیا ہے؟ تم تو وہ عورت ہو جو مجھے حرام کمانے کی طرف راغب کرتی رہیں اور میں ایک عرصہ کماتا بھی رہا لیکن میری اسی بہن نے مجھے واپس لوٹ آنے کا کہا..... اگر میں یہ نہیں کرتا تو آج اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ حوالات کی ہوا کھا رہا ہوتا اور آنے والے دنوں میں شاید ایسا ہو بھی...... اگر گڑے مردے اکھڑے تو ان میں میرا نام بھی آئے گا اور یہ سب صرف تمہاری وجہ سے ہوا۔" احرم نفرت سے علشبہ کو آئینہ دکھا رہا تھا، اس حقیقت پہ فردوس اور زینی پریشان ہوگئیں۔ علشبہ پیر پٹختی چلی گئی۔

"احرم یہ تو کن راہوں پہ نکل گیا تھا بیٹا؟" فردوس آبدیدہ ہوگئیں۔

"بس اسی غلطی ہوگئی۔ سزا ملی تو بھگت لوں گا لیکن زینی مجھے نہ سمجھاتی تو آج واقعی میں حوالات میں ہوتا، میرے ساتھی فراڈ کرتے پکڑے گئے ہیں۔" احرم دل سے زینی اور فردوس سے محبت کرنے لگا تھا، اسے اچھے برے کی پہچان ہوگئی تھی۔

"جب آپ نے سچے دل سے توبہ کرلی ہے تو ان شاء اللہ آپ پہ کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ میں دعا کروں گی۔" زینی نے پریقین لہجے میں کہا، احرم اس کے معصومانہ انداز پہ مسکراتا اس کے سر پہ ہاتھ رکھ گیا تھا۔

❀....❀....❀....❀

پسینے میں شرابور شاہ زیان کی آنکھ کھلی تو اس نے جھٹکے سے کمبل خود پر سے ہٹایا۔ ریموٹ اٹھا کر اے سی آن کیا، چند لمحوں بعد سردی سے کپکپانے لگا۔ اے سی بند کرکے اس نے ریموٹ رکھ دیا۔ نظریں چھت پہ جمائے وہ سخت اذیت کا شکار تھا۔ آنکھیں موند کر اس نے خود کو ہر سوچ سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر آنکھیں موندتے ہی آنسوؤں سے بھیگا چہرہ سامنے آجاتا تھا۔ اس نے کرب سے آنکھیں کھول دیں۔

"یااللہ......" بے بسی سے اس نے اللہ کو پکارا، دروازے پہ ہلکی سی دستک دے کر عروسہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے میری جان کی؟" عروسہ بیگم نے فکر مندی سے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں مام۔" مسکرا کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"گھر سے تو بالکل ٹھیک نکلے تھے اچانک کیا ہوا تھا۔" عروسہ بیگم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"شاید گرمی کی وجہ سے...... اب ٹھیک ہوں یو ڈونٹ وری۔" ماں کو بہلایا، انا سوپ کا باؤل لے آئی تھی۔

"چلیں بھائی مزیدار سا سوپ پئیں۔"

"میں کون سا بیمار ہوں جو اتنی خاطر ہورہی ہے۔" ماں بہن کو پریشان دیکھ کر اس نے خوشگوار انداز اختیار کیا۔

"آپ نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی۔ چلیں اب سوپ پی لیں تھوڑی انرجی آجائے گی۔" انا نے باؤل اس کی طرف بڑھایا۔ وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"میرے ہینڈسم بھائی جاگ گئے۔" ازمیر بھی داخل ہوا۔

"ویسے بائی دا وے کس لڑکی کو دیکھ کر حواس نے ساتھ چھوڑ دیے تھے؟" ازمیر کی شرارت سے کہی بات نے اس کے مسکراتے لب کو بھینچنے پر مجبور کردیا۔

"پریشان نہ کرواسے۔" عروسہ بیگم نے گھر کا۔

"شاہ زیان میں نے اور تمہارے ڈیڈ نے ایک گیٹ ٹو گیدر رکھی ہے اس ویک اینڈ پہ...... تمہیں اپنے لیے شاپنگ کرنی ہو تو کرلینا۔" عروسہ بیگم نے اطلاع دی۔

"ان شارٹ سوئمبر رچایا جارہا ہے، آپ کے لیے شہر کی حسین و جمیل لڑکیاں ہوں گی۔" ازمیر کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔ وہ حیران ہوا۔

"ہاں تو اس میں برائی کیا ہے؟ اب ہر لڑکی کے گھر جاکر دعوت اڑا کر اسے ریجیکٹ کرنے سے تو لاکھ درجے بہتر یہ ہے کہ بندہ لڑکی بھی دیکھ لے اور کسی کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں۔" عروسہ بیگم بہت سلجھی ہوئی طور طریقے والی خاتون تھیں اور ایسی ہی تربیت انہوں نے اپنی اولاد کی بھی کی تھی۔

"آپ کتنی ہی کوشش کرلیں مام...... بھائی جان جب اس لڑکی سے شادی کریں گے تو باقی کے جذبات تو مجروح ہوں گے ہی...... واؤ میں کتنی اچھی اردو بولنے لگا ہوں۔" ازمیر باؤل سے سوپ چکھتے خود کو داد دینے لگا۔ انا گھورنے لگی۔ عروسہ بیگم نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"نکلو تم یہاں سے ورنہ کان کھاتے رہو گے شاہ زیان کے..... آرام کرنے دو اسے۔ میں نائمہ اور رواصف کو کال کرکے انفارم کردوں کہ اب تمہاری طبعیت ٹھیک ہے۔" عروسہ بیگم سیل فون سے نمبر ملاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ناحق آپ نے سب کو پریشان کردیا۔" اسے افسوس ہوا۔

"بھائی جان آپ نے تو واقعی ہماری جان نکال دی تھی۔ مام نے تو صدقہ کے لیے بکرا بھی منگوالیا ہے۔" انا اسے محبت سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

نبیلہ آئی بیٹھی تھیں۔ علشبہ کا ماتھا ٹھنکا لیکن وہ خود کو سخت لاچار محسوس کررہی تھی۔ بار بار فردوس کے کمرے کا چکر لگا رہی تھی۔ اس کی پریشانی کو زینی نے بغور دیکھا۔

"فردوس، ارسم کی خواہش پہ میں ایک بار پھر تمہارے در پہ سوالی بن کر آئی ہوں...... ارسم تمہارے بھائی اور میری بھی خواہش ہے کہ زینی کا نکاح ارسم سے ہوجائے۔" موقع ملتے ہی نبیلہ نے وہ بات کی جس کے لیے وہ خاص طور پہ آئی تھیں۔ فردوس سوچ میں پڑگئیں۔

"میں آپ کو کوئی آس نہیں دلانا چاہتی بھابی..... میں ضیاء اور احرم سے بات کرکے ہی کچھ کہہ سکتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے تم بات کرلو۔" نبیلہ کو حوصلہ ہوا کہ انہوں نے چھوٹتے ہی انکار نہیں کیا۔

"اور شرمین؟" فردوس کی سوالیہ نظریں نبیلہ پہ جمیں۔

"وہ ساتھ رہنا چاہے گی تو ارسم کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ دونوں میں عدل کرے گا، شرمین گھر بسانے والی نہیں ہے۔ بہت تنگ کیا ہوا ہے اس نے ہمیں...... آئے دن کی لڑائی کے بعد ارسم لاؤنج میں سوتا ہے، شرمین اولاد کی ذمہ داری بھی نہیں اٹھانا چاہتی۔ وہ لائف انجوائے کرنا چاہتی ہے، ہم بھی کتنا برداشت کریں، یہ تو ارسم کا بڑا پن ہے جو اسے طلاق نہیں دے رہا۔" نبیلہ سخت عاجز لگ رہی تھیں۔

"میں سب سے بات کرلوں پھر آپ کو اطلاع دیتی ہوں لیکن بھابی آخری فیصلہ زینی کا ہوگا۔ ہم پہلے ہی اس کے مجرم ہیں مزید اس کی مرضی کے خلاف فیصلہ کرکے اسے دکھ نہیں دے سکتے۔" فردوس نے لگی لپٹی نہیں رکھی۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو، مجھے اور ارسم کو بھی اس معصوم کی آہ لگی ہے۔ شرمین جیسی بہو متھے پڑگئی۔" نبیلہ افسردہ تھیں، فردوس نے ضیاء اور احرم سے بات کی تو ان دونوں نے بھی فیصلہ زینی پہ چھوڑ دیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

پھولوں سے سجا خوب صورت ماحول، کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں، کانوں کو بھلا لگتی آرکسٹرا کی موسیقی، اردگرد حسین چہرے لہراتا آنچل، کوئی بھی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے سے قاصر تھا۔ عروسہ بیگم اسے فیملی فرینڈز سے ملوارہی تھیں۔ انا نے اپنی سہیلیوں تک کو مدعو کیا تھا۔ کتنی ہی لڑکیاں رشک سے اسے دیکھ رہی تھیں، گفتگو کی خواہش مند تھیں مگر وہ رسمی ہیلو ہائے سے زیادہ کوئی بات نہیں کررہا تھا۔

"بھائی کوئی پسند آئی۔" ازمیر شرارت سے کہتا قریب آیا، اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کمال ہے یہ سوئمبر میرے لیے رچایا گیا ہوتا تو میں ابھی تک دو چار نام فائنل بھی کرچکا ہوتا۔"

"تو کرلو کس نے روکا ہے، مام، ڈیڈ خوش ہوجائیں گے ان کی محنت ضائع نہیں ہوئی۔" اس نے بھی شوخی سے کہا۔

"ہیں واقعی...... اوپن آفر ہے۔" ازمیر ٹائی ٹھیک کرتا خوش ہوا، اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"اوکے پھر میں چلا اپنے کام پہ۔" ازمیر نے حسینوں کی جھرمٹ کی طرف دوڑ لگائی وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

شاہ زیان کو اس سارے ماحول سے وحشت سی ہو رہی تھی، وہ قدرے پرسکون گوشے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ منظر ایک دوسرے منظر سے تبدیل ہو چکا تھا۔ جائے نماز پہ بیٹھی لڑکی، آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ کئی دنوں سے لاشعوری کوشش کر رہا تھا اس ہیولے سے پیچھا چھڑانے کی مگر ناکام رہا تھا۔ اسے سوچتے ہی اس کی حالت خراب ہونے لگتی تھی۔ اس وقت بھی اس کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ پڑا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس نے پانی کی تلاش میں نظریں گھمائیں۔ ویٹر کو پانی کا اشارہ کیا تو وہ پانی لے آیا۔ پانی پی کر وہ کرسی پہ گر سا گیا۔

"ہیلو شاہ زیان۔" عمامہ اسے ڈھونڈتی چلی آئی تھی۔ اسے بےزاری ہونے لگی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھ گئے؟" وہ بھی قریب بیٹھ گئی۔ کھانا سرو ہو چکا تھا، سب کھانا انجوائے کر رہے تھے۔

"تم کھانا نہیں کھا رہیں؟" اس نے پیچھا چھڑانا چاہا۔

"کھالوں گی...... اگر تنہائی ملی ہے تو کیوں نہ تم سے تھوڑی باتیں کرلوں۔" وہ لگاوٹ کا اظہار کرتی سخت زہر لگ رہی تھی۔

"یو نو، ان دو سالوں میں، میں نے تمہیں کتنا مس کیا خبر ہوتی کہ تم اچانک پڑھنے کے لیے چلے جاؤ گے تو پہلے ہی پسندیدگی کا اظہار کر دیتی۔" عمامہ کے اظہار پہ شاہ زیان نے اسے دیکھا، بلاشبہ وہ تمام کزنز میں حسین تھی۔ اس سے محبت کا اظہار کر رہی تھی مگر عمامہ کے چہرے پہ اک اور چہرہ آ گیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا؟" عمامہ حیران ہوئی۔ اس نے جیسے کچھ سنا نہیں وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا، راستے میں عروسہ بیگم مل گئیں۔

"میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں کہاں تھے؟ آؤ تمہیں مسز فراز سے ملواتا ہے۔ ان کی بیٹی......" عروسہ بیگم اس کا ہاتھ تھام کر لے جانے لگیں۔ شاہ زیان نے دوسرے ہاتھ سے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں آگے بڑھنے سے روکا۔

"مام پلیز مجھے کسی سے نہیں ملنا...... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں گھر جا رہا ہوں۔" وہ بےزار نظر آ رہا تھا۔

"کیا ہوا طبیعت کو؟" عروسہ بیگم نے فکرمندی سے پوچھا۔

"بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے...... پلیز آپ ڈیڈ کو انفارم کر دیجیے گا۔" وہ آگے بڑھنے لگا۔

"تھوڑی دیر رک جاؤ، ساتھ چلتے ہیں۔" عروسہ بیگم نے روکنا چاہا مگر وہ رکا نہیں۔

✿✿✿

فردوس نے زینی سے بات کی، ارسم اور نبیلہ کی خواہش سے آگاہ کیا تو اس نے انکار کر دیا...... ارسم تک اس کا انکار پہنچا تو وہ اس سے بات کرنے آ گیا۔

وہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھی۔ ارسم خاموشی سے بیٹھ کر اس کی خوب صورت قرآت سننے لگا۔ وہ اتنی پاکیزہ لگ رہی تھی کہ ارسم کی نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں۔ ارسم کو انتظار کرتے دیکھ کر قرآن پہ نشان لگا کر اسے چوما پھر آنکھوں سے لگا کر جزدان میں لپیٹ دیا۔

"کچھ کہنے آئے تھے؟" قرآن شریف کو اونچی جگہ پہ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے انکار کیوں کیا؟" اس نے سوال کیا۔

"جو مجھے ٹھیک لگا میں نے وہی کیا۔" پرندوں کے برتن میں باجرا ڈالتی وہ بولی۔

"زینی میں کل بھی تم سے محبت کرتا تھا اور آج اس سے زیادہ کرتا ہوں، میری بھول تھی جو میں نے تم پہ اعتبار نہ کر کے شرمین سے شادی کر لی لیکن میں آج بھی تمہارا طلب گار ہوں۔" ارسم نے اتنے کھلے ڈلے انداز میں کبھی اظہار نہیں کیا تھا مگر آج اسے لگا زینی نے اسے دھتکار دیا تو اس کی زندگی جیسے ختم ہو جائے گی۔

"آپ یہ اظہار اپنی بیوی سے کریں...... اس میں جو کمی یا خامی ہے اسے پیار سے سمجھائیں، آپ کی محبت میں وہ بدل جائے گی۔" پرندوں کو پانی ڈال کر منڈیر پہ رکھ کر وہ دیوار سے لگ گئی۔

"اگر تم شرمین کی وجہ سے انکار کر رہی ہو تو میں اسے طلاق دے دوں گا، بس تم ہاں کر دو۔" وہ کسی صورت اس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ زینی کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ کتنے خود غرض ہیں ارسم صاحب جو اپنی خوشی کے لیے بیوی پہ ظلم کرنے کا سوچ رہے ہیں۔"

"وہ اچھی بیوی نہیں ہے۔"

"آپ یہاں مجھ سے اظہار کر کے کون سا اچھا شوہر ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں، گھر جائیں اور اپنی بیوی کو محبت سے

اپنائیں۔" اس کا لہجہ سخت ہوا۔
"تم ہاں نہیں کرو گی؟" ارسم نے دوٹوک انداز اختیار کیا۔
"نہیں۔" زیبی کا لہجہ قطعی تھا۔ "کچھ زخم اپنوں کے دیئے ہوتے ہیں ان میں آپ کا بھی شمار ہے۔ میں نے سب کو معاف کر دیا مگر بھولی نہیں ہوں۔ اگر بھول کر آپ کی بات مان بھی لوں تو بھی شرمین پہ ظلم نہیں کر سکتی۔ مجھے شادی کی خواہش نہیں ہے نہ آپ سے نہ کسی اور سے...... میں بس انتظار کر رہی ہوں۔" ارسم کو دیکھتے وہ مسکرائی، بہت پُردرد مسکراہٹ تھی۔
"کس کا انتظار؟"
"اپنے مجرم کا۔" اس نے رخ پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، اس کے انداز میں کوئی لچک نہیں تھی۔ ارسم کو انتظار بے معنی لگا، وہ پلٹ گیا، زیبی کھلے آسمان تلے کتنی دیر بیٹھی رہی۔ پرندے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ سیڑھیوں پہ قدموں کی آہٹ ہوئی اس نے گردن موڑ کر دیکھا وہ شرمین تھی۔
"زیبی میں تم سے ہاتھ جوڑ کر اپنے شوہر کی بھیک مانگنے آئی ہوں، پلیز میرا گھر اجڑنے سے بچالو۔" شرمین رو رہی تھی، اس نے لمبی سانس لے کر شرمین کے ہاتھ کھول دیئے۔
"میں نے ارسم کو انکار کر دیا ہے تم بے فکر رہو...... میں کبھی تمہارا گھر نہیں توڑوں گی۔" شرمین بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے پیروں پہ گر گئی۔
"مجھے معاف کر دو، میں نے بہت ظلم کیا تم پہ۔"
"جو گزر گیا اسے بھلا دو، نئی زندگی شروع کرو...... ارسم کی پسند میں ڈھل جاؤ زندگی آسودہ ہو جائے گی۔" وہ دیرینہ سہیلی کی طرح اس کو مشورہ دے رہی تھی۔ شرمین کتنی دیر معافی تلافی کر کے لوٹ گئی۔ مغرب کی اذان ہونے لگی، وہ وضو کر کے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی۔

❁....❁....❁....❁

دیوار پار دم سادھے شاہ زیان نے اذیت کے عالم میں اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے...... اس نے ارسم اور شرمین دونوں کی گفتگو سن لی تھی۔ اسے یہ لڑکی بہت عظیم لگی، صمیم کے اصرار پہ وہ دوبارہ آنے کی ہمت نہیں کر پایا تھا، پارٹی والے روز بھی جلدی آ گیا تھا جس کی وجہ سے صمیم اور نائمہ سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی، آج آیا تو اس کے قدم بے ساختہ چھت کی طرف بڑھے تھے، نائمہ گھر میں نہیں تھیں، صمیم اس کی تواضع کے لیے بازار سے سامان لینے گیا تھا اور اچھا ہی تھا ورنہ اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر صمیم پریشان ہو جاتا...... دیوار پار سے اب گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز اس کے کرب کو بڑھا گئی پھر دیوار پار سناٹا چھا گیا، ایسا ہی سناٹا شاہ زیان کو اپنے اندر اترتا محسوس ہوا، وہ خود کو کھوکھلا محسوس کر رہا تھا۔ گھر آیا تو سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" عروسہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی فکرمندی سے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔
"یس مام۔" راستے بھر وہ ایک فیصلہ کرتا آیا تھا اور اب پرسکون تھا۔
"تھینک گاڈ ورنہ مام کو شک ہونے لگا ہے نائمہ پھوپو کی طرف کوئی آسیب آپ کو چمٹ گیا ہے۔"
"فضول مت بولو ازمیر۔" عروسہ بیگم نے گھرکا۔
"کتنا مزا آتا ہے بے عزتی کروا کے۔" انا نے چھیڑا تو ازمیر منہ چڑا کے رہ گیا۔
"برخوردار پسند آئی کوئی لڑکی؟" واصف نے جاننا چاہا۔
"یس ڈیڈ۔" انا اور ازمیر بھی قریب ہوئے۔
"کون ہے بھائی جلدی بتائیں، مجھے بہت خواہش ہے بھابی لانے کی۔" انا بہت خوشی سے بولی۔
"لڑکی کی چھوٹی بہن تو ہے ناں...... تاکہ میرا چانس بن سکے۔" ازمیر بھی موڈ میں آیا۔
"تم لوگ اسے بولنے دو گے۔" عروسہ بیگم نے دونوں کو آنکھیں دکھائیں۔
"بولیے عالم پناہ۔" ازمیر کو چپ کرانا مشکل تھا۔
"خاندان کی ہے ناں؟" عروسہ بیگم نے جاننا چاہا، شاہ زیان نے نفی میں سر ہلایا۔
"مام کسی عامل کو فون کریں۔ یقیناً نائمہ پھوپو کی طرف کسی آسیب نے جکڑ لیا۔" وہ شاہ زیان کی عقل کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔
"یہ تو یوں ہی فضول بولتا رہے گا...... تم بتاؤ شاہ زیان کون ہے، کہاں رہتی ہے، کیسی ہے؟" عروسہ بیگم متجسس ہوئیں۔
"زرینہ نام ہے، نائمہ پھوپو کے پڑوس میں رہتی ہے۔" شاہ زیان بولا۔ ازمیر کو مصنوعی کھانسی ہو گئی۔ عروسہ بیگم کے گھورنے پر وہ انگلی منہ پہ رکھ کے بیٹھ گیا۔
"چھ ماہ پہلے اس کے شوہر کا ایئر کریش میں انتقال ہو گیا

تھا۔" شاہ زیان کی آواز دھیمی ہوئی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے شاہ زیان...... میں ایک بیوہ کو اپنی بہو بناؤں گی، کنواری لڑکیاں ختم ہوگئی ہیں کیا۔" عروسہ بیگم وجیہہ اور قابل بیٹے کے منہ سے ایک بیوہ لڑکی کے بارے میں سن کر چراغ پا ہوئیں، واصف بھی حیران تھے۔ ازمیر اور انا چپ رہے۔ ساری شوخی شاہ زیان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر ہوا ہوگئی تھی۔

"مام بیوہ ہونے میں اس کی کیا غلطی ہے؟" اس نے کہا۔

"ہماری کیا غلطی ہے کہ ہماری بہو بنے۔" عروسہ بیگم خفا ہوئیں۔

"اس لڑکی کے انتخاب کی وجہ؟" واصف اس کے سنجیدہ چہرے پہ کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ ازمیر کی مذاق میں کہی بات پہ انہیں کچھ سچائی نظر آرہی تھی۔ جب سے نائمہ کے گھر سے لوٹا تھا وہ بہت بدلا بدلا کھویا کھویا نظر آرہا تھا۔

"زندگی میں بعض اوقات ہم سے کچھ غلطیاں ہوجاتی ہیں جس کا احساس ہمیں اس وقت نہیں ہوتا...... مجھ سے بھی ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی تھی۔" شاہ زیان کے گمبھیر لہجے پہ عروسہ بیگم اور واصف ٹھٹکے، ان کا قابل اور ویل مینرڈ بیٹا خود اپنے منہ سے غلطی کا اعتراف کررہا تھا۔ اس کی غلطی سے اس لڑکی کا کیا تعلق تھا۔ دونوں الجھے۔

"تم دونوں اپنے کمروں میں جاؤ۔" عروسہ بیگم نے دونوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ جانے وہ کیسا انکشاف کرنے جارہا تھا اور چھوٹوں پہ کیا اثر پڑتا...... دونوں اٹھنے لگے، شاہ زیان نے ہاتھ اٹھا کر بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔

"مام جب آپ اور ڈیڈ چھوٹوں کو ہر بار میری مثال دیتے ہیں تو زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا اعتراف بھی میں ان کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے سنجیدہ انداز پہ سب حیران تھے آج تک کسی نے اسے اتنا سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔

اس نے زینی کی زندگی کا ایک ایک ورق ان سب کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ اس پہ گزرے ایک ایک ستم کی کہانی سنادی تھی۔ سب ہی اس ان دیکھی لڑکی سے ہمدردی محسوس کررہے تھے۔

"زینی سے ہمدردی اپنی جگہ، یقیناً اس معصوم لڑکی کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی لیکن ان سب کا یہ مطلب تو نہیں کہ......" عروسہ بیگم کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"وہ جعلی نکاح نامہ میں نے اس کے بھائی کو دیا تھا۔" شاہ زیان کے ایک جملے نے چاروں کو اپنی جگہ ساکت کردیا تھا۔

"جب وہ لڑکی ہر کسی سے کہہ رہی تھی کہ وہ ارسم سے شادی نہیں کرے گی اور کوئی اس کی نہیں سن رہا تھا، مجھے بہت غصہ تھا...... جس رات میری فلائیٹ تھی اسی رات اس کا نکاح تھا۔ میرے ذہن میں جعلی نکاح نامہ کا آئیڈیا آیا کہ اسے دیکھ کر یقیناً اس کا نکاح رک جاتا...... اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میں نے اس کے کوائف اس کی وال سے لیے...... اس نے حماقت میں اپنے شناختی کارڈ کی پکچر بھی اپنے فیس بک اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی تھی۔ مجھے کوئی مشکل نہیں ہوئی...... میں نے فرضی نام ایڈریس لکھا اور اس کے نمبر بھی لکھے مجھے لگا کسی نے دھیان دیا تو فوراً کھل جائے گا کہ جعلی نکاح نامہ ہے لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری اس حرکت سے اس کے لیے بدنصیبی کے دروازے کھول جائے گے اور اب جب سے خبر ہوئی ہے کہ اس کی بربادی کا ذمہ دار میں ہوں تو مجھے ایک پل کو بھی سکون نصیب نہیں ہورہا۔" اس کے چہرے پہ اذیت کے رنگ تھے۔ کچھ لمحوں تک کوئی کچھ بول ہی نہ سکا۔

"مام میں آپ کو مجبور نہیں کررہا لیکن اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا بیٹا ذہنی مریض نہ بنے، سکون کی زندگی گزارے تو اس لڑکی کو بہو کے روپ میں اپنالیں۔ کہیں اس کے آنسو، آہیں مجھے بے موت نہ ماردے۔" وہ تھک کے چپ ہوا...... ماحول میں گمبھیر خاموشی طاری ہوگئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے شاہ زیان کا فیصلہ درست ہے۔" واصف نے تائید کی۔

"لیکن سوسائٹی، ہمارا سرکل سب کیا کہیں گے؟" عروسہ بیگم شش و پنج میں تھیں۔

"ہمیں صرف اپنے بیٹے کے لیے سوچنا ہے بس۔" واصف کا لہجہ قطعی ہوا۔

"اگر یہ اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہے تو ہمیں اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس بچی کی اذیت اور تکلیف کو سوچو گی تو زمانے کو بھول جاؤ گی۔" واصف نے سمجھایا۔

"مام ہم سب کو بھائی پہ فخر کرنا چاہیے۔ انہوں نے اک بہترین فیصلہ کیا ہے۔" ازمیر عروسہ بیگم کو سمجھانے لگا۔ انا شاہ زیان کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔

"رو کیوں رہی ہو؟" اس نے اس کے آنسو پونچھے۔

"مجھے زینی بھابی کی تکلیفوں کو محسوس کر کے رونا آ رہا ہے۔" انا نے فٹ رشتہ بھی طے کرلیا۔ اس کی معصومیت پہ سب مسکرا دیے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

"بھابی اور ارسم بہت زور دے رہے ہیں زینی۔" فردوس نے ایک بار پھر اس مسئلے کو اٹھایا۔

"مما میں شرمین کو زبان دے چکی ہوں، آپ اس بات کو یہیں ختم کردیں۔" زینی نے ان کے پیر دباتے ہوئے کہا۔

"تم اس شرمین کے بھلے کے لیے سوچ رہی ہو جس نے تمہیں کبھی انسان نہیں سمجھا۔" فردوس کو حیرت ہوئی۔

"نہ سمجھے...... میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرسکتی کیونکہ اس بات کے لیے میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا۔"

"ارسم کی خواہش ہے......" فردوس نے کہا۔

"جب خواہش شکل بدل لے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں رہتی، اگر ارسم ثابت قدم رہتے تو میرے نصیب میں شاید اندھیرے نہ آتے، جب انہوں نے شرمین کو اپنایا تب انہیں میری پروا نہیں تھی اور اب میں دوبارہ ان کی خواہش بننے کو تیار نہیں، جو شخص مجھے قابلِ اعتبار نہ سمجھے اس پہ بھروسا کیسے کروں؟" فردوس افسردہ ہوگئیں۔

"لیکن ساری زندگی یوں تو نہیں گزرے گی...... میں اور تمہارے بابا کب تک ساتھ دیں گے۔ علیشہ کے مزاج سے واقف ہو تم۔" فردوس کو فکر ہوئی۔

"اللہ آپ دونوں کو حیات رکھے، کس کی زندگی کتنی ہے یہ تو کاتبِ تقدیر ہی جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ لوگوں سے پہلے میں مرجاؤں۔" وہ یاسیت سے مسکرائی تو فردوس دہل گئیں۔

"کیسی بدفعالیں نکالتی ہو زینی...... اس چھوٹی سی عمر میں تو نے دیکھا ہی کیا ہے سوائے غم کے...... مجھے اللہ پہ بھروسہ ہے وہ جلد تیرے نصیب کی سیاہی دور کردے گا۔" فردوس پرامید تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

عروسہ بیگم، انا اور شاہ زیان نائمہ کے گھر آئے تھے۔ عروسہ بیگم، نائمہ کو اعتماد میں لے کر زینی کے گھر چلنے کی بات کی تھی۔ نائمہ بھی بہت حیران ہوئی تھیں۔

"سچ ہے اس بچی کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے، ہنستا مسکراتا بھول گئی ہے۔ سالوں سے پڑوس میں ہوں۔ ان کی اچھائی کی تو لوگ مثالیں دیتے ہیں۔ شاہ زیان نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ تم نے اور واصف نے اس فیصلے کا ساتھ دے کر کمال کیا ہے۔" نائمہ نے عروسہ بیگم کو سراہا۔

"بس آپا، ماں بن کر سوچتی ہوں تو شاہ زیان کے ساتھ زیادتی لگتی ہے لیکن اس کے سکون کا سوچتی ہوں تو زینی کے دکھ کا بھی احساس ہوتا ہے۔" عروسہ بیگم نے کہا۔

"پھوپو جلدی چلیں ناں، مجھے بھابی کو دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے۔" انا بے صبری ہورہی تھی۔

"یوں بغیر بتائے جانا کچھ مناسب نہیں لگتا...... آپ کسی بہانے سے ہمارے آنے کی اطلاع کردیں۔" عروسہ بیگم نے راہ دکھائی تو نائمہ نے تائید کی۔

فردوس کو کال کرکے مطلع کردیا...... انہوں نے کھلے دل سے آنے کی دعوت دی تھی۔ عروسہ بیگم مطمئن ہوگئیں۔

"تو یہ وجہ تھی اس دن طبیعت بگڑنے کی؟" صمیم شاہ زیان کے ساتھ چھت پہ تھا۔ حقیقت جان کر وہ بھی حیران تھا۔

"تجھے سوجھی کیا تھی؟" صمیم نے گھر کا۔

"کچھ تھرل اور اس سے زیادہ اسے ارسم کے نکاح سے بچانے کی کوشش تھی مجھے کیا خبر تھی کہ خون کے رشتے ہی منہ پھیر کر اسے تختہ دار پہ لٹکا دیں گے۔" شاہ زیان مجرمانہ احساس سے چور تھا۔

"اگر انکار ہوگیا تو؟" صمیم نے دوسرا رخ دکھایا۔ چند ثانیے وہ خاموش رہا۔ یوں جیسے بولنے کو کچھ نہ ہو، پھر بے چارگی سے کندھے اچکا کر منڈیر پہ ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"تو اپنی غلطی کی سزا ساری عمر بھگتوں گا...... سمجھ لوں گا کہ یہ بے سکونی کسی کی آہ کا نتیجہ ہے۔" صمیم دل سے سب کچھ ٹھیک ہونے کی دعا کررہا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

فردوس اور نائمہ میں پڑوسن کے علاوہ اچھی دوستی بھی تھی۔ نائمہ کے ساتھ نفیس سی عروسہ بیگم اور ان کی پیاری سی بیٹی کو دیکھ کر فردوس نے خوشی کا اظہار کیا۔ چند ایک باتوں کے بعد عروسہ بیگم نے آنے کی وجہ فوراً گوش گزار کی۔

"ہم آپ کی بیٹی زینی کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔ یہ میرے بیٹے کی تصویر ہے، حال ہی میں آکسفورڈ سے بزنس کی ڈگری لے کر لوٹا ہے۔ اپنا بزنس ہے، وہ ساتھ ہی آیا ہے اگر آپ کے گھر کے مرد ملنا چاہیں تو ابھی بلوا سکتی ہوں۔ وہ نائمہ آپا کے گھر

ہے..... ہم ساتھ نہیں لے کر آئے کہ شاید آپ لوگ پسند نہ کریں۔" عروسہ بیگم نے شاہ زیان کی تصویر فردوس کو تھمائی۔ فردوس نے عروسہ بیگم کے طریقے سے بات کرنے کے انداز سے متاثر ہو کر تصویر تھام لی۔ انہوں نے ایک نظر تصویر پہ ڈالی۔

"آپ شاید زینی کے ساتھ..... " فردوس کسی کشش و پنج میں تھیں۔ انہوں نے نائمہ کو دیکھا۔

"ہمیں نائمہ آپا نے بچی کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتا دیا ہے، آپ بے فکر رہیں۔" عروسہ بیگم کے جواب پہ فردوس پہ شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

"ہم نے آپا سے آپ کی بیٹی کی بہت تعریف سنی ہے۔ جس لڑکی نے ایک دن بھی شوہر کے ساتھ نہ گزارا ہو اس کے لیے دو سال شادی چلانا بڑی بات ہے اور پھر بیوہ کا ٹائٹل لگا کر اسے ہر خوشی سے دور کرنا اس کے ساتھ زیادتی ہو گی۔" فردوس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ عروسہ بیگم کی کن لفظوں میں تعریف کریں۔ چھٹی کا دن تھا ضیاء اور احرم گھر پر تھے۔ فردوس نے لپک جھپک دونوں کو تصویر دکھائی، شاہ زیان کے کوائف سن کر دونوں حیران ہوئے۔ انہوں نے شاہ زیان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو عروسہ بیگم نے اگلے پل شاہ زیان کو آنے کے لیے فون کر دیا۔

علشبہ پہلے ہی عروسہ بیگم اور انا کے قیمتی ملبوسات اور انداز سے مرعوب ہو کر سن گن لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ زینی کے لیے رشتے کا سن کر اس کا منہ کڑوا ہو گیا..... اس کا خیال تھا کوئی پچاس ساٹھ سالہ کنوارا بزنس مین ٹھرکی بڈھا ہو گا۔

دروازے پہ دستک ہوئی..... احرم نے دروازہ کھولا تھا۔

"میں شاہ زیان۔" اس نے اپنا تعارف کرایا تو علشبہ تو جیسے بے ہوش ہونے لگی..... اونچا لمبا بے حد ہینڈسم لڑکے کو دیکھ کر اسے ٹھیک ٹھاک زینی سے جلن محسوس ہوئی۔

"اندر آئیں۔" احرم، صمیم اور شاہ زیان کو اندر لے آیا جہاں سب بیٹھے تھے۔

"السلام علیکم۔"

"یہ میرا بیٹا شاہ زیان ہے۔" عروسہ بیگم کے تعارف کرانے پر فردوس اور ضیاء کو ٹوٹ کر اللہ کے فیصلے پہ پیار آیا۔ کیسا چمکتا ہیرا اللہ نے ان کی بیٹی کے لیے بھیجا تھا۔ احرم پہلے ہی لوازمات لے کر آ چکا تھا علشبہ کو جلد میز لگانے کا حکم دے کر وہ بھی کمرے میں آ گیا۔

"مام، بھابی کو بھی بلا لیں تاکہ ہم بھی ان سے مل لیں۔" عروسہ کے کہنے پہ احرم نے میز پہ لوازمات رکھتی علشبہ کو اشارہ کیا تو علشبہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

زینی نماز سے فارغ ہو کر تلاوت کر رہی تھی۔ علشبہ کے چہرے پہ تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آ جاؤ بنو، تمہاری لمبی لمبی دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔" عجیب دل جلانے والا انداز تھا۔ زینی نے چونک کر علشبہ کو دیکھا اسے نیچے ہوتی ہلچل کا احساس نہ ہوا تھا۔

"مما کے کمرے میں آ جاؤ..... مہمان آئے ہیں۔" علشبہ نے اس کی حیران نظروں کا جواب دیا۔

"قسمت ہے بھئی۔" علشبہ نے جل کے کہا اور سیڑھیاں اتر گئی۔ وہ علشبہ کے انداز اور باتوں سے حیران ہوتی قرآن شریف پہ نشان لگا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر پہلے ہی شاور لے کر نکلی تھی اس لیے لمبے بال گیلے تھے، دوپٹا سلیقے سے سر پہ لیتی وہ اندر داخل ہوئی، اس کا خیال تھا فردوس کی کوئی ملنے والی ہوں گی۔

"السلام علیکم!" نرم گنگناتی آواز پہ شاہ زیان کی نظریں سیکنڈز کے ہزارویں حصے میں اٹھیں۔ ساری حسیات جیسے جاگ اٹھی تھیں۔ زینی اتنے اجنبی چہرے اور پھر مردوں کو بھی دیکھ کر حیرت سے اپنی جگہ تھم سی گئی۔

ذرا فاصلے پہ عورتوں کی محفل جمی تھی۔ نائمہ کے ساتھ دو اجنبی صورت بھی اسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

"یہاں آ جاؤ زینی۔" فردوس کی پکار نے اسے حیرت سے نکالا وہ فردوس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ بہت پیاری اور بہت خوب صورت ہیں۔" انا زینی کے کان میں کہتے ہوئے انگلیوں سے او کے بنا کر شاہ زیان کو جیسے داد دی۔ زینی نے شاہ زیان کی مسکراہٹ اور انا کی حرکت کو حیرانی سے دیکھا، عروسہ بیگم اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھیں، شاہ زیان سب کی نظر بچا کر اس پہ نظر ڈالنا نہیں بھول رہا تھا۔ زینی کی سمجھ میں کچھ کچھ آ گیا تھا۔ عروسہ بیگم نے پانچ پانچ ہزار کے کئی نوٹ اس کی ہتھیلی پہ رکھے تو وہ بوکھلا کر فردوس کو دیکھنے لگی۔

"یہ.....!" فردوس کو بھی ان کی جلد بازی پہ حیرت ہوئی۔

"ہماری طرف سے رشتہ پکا ہے..... آپ لوگ اپنی کہیں، ہم آپ لوگوں کا فیصلہ ابھی جاننا چاہتے ہیں۔" عروسہ بیگم کا سارا

تر دو زینی کو دیکھ کر ختم ہو گیا تھا۔ فردوس، ضیاء اور احرم کی طرف دیکھنے لگیں۔ ضیاء اٹھ کر زینی کے پاس آئے اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"بہن سچ پوچھیں تو ہمیں شاہ زیان بہت پسند آیا ہے مگر جانے انجانے میں اپنی بچی کے ساتھ ہم بہت زیادتی کر چکے ہیں۔ اس لیے جو فیصلہ ہوگا وہ زینی ہی کرے گی۔" ضیاء کے رندھے لہجے اور کپکپاتے ہاتھوں نے زینی کی آنکھوں کے گوشے گیلے کر دیے، وہ اپنے پیاروں کے چہروں کو دیکھے بغیر بھی ان کے چہروں پہ لکھا حرف حرف پڑھ سکتی تھی۔

"بولو بیٹا تمہاری کیا مرضی ہے؟" نائمہ نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا، کمرے میں خاموشی تھی۔ شاہ زیان کے دل کی دھڑکن جیسے تیز ہونے لگی تھی۔ لمحوں کی سرسراہٹ نے اسے بے چین کر دیا...... اگر اس کے لبوں سے انکار نکل جاتا تو وہ کبھی خود کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی سانس رکتی اس کے لب ہلے۔

"اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو میں کچھ دیر اکیلے میں زینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" شاہ زیان کے غیر متوقع سوال نے ایک لمحے کے لیے سب کو سوچ میں ڈال دیا۔ زینی انگلیاں مروڑنے لگی۔

"یہ تو اچھی بات ہوگی...... زندگی ان دونوں کی ہے تو فیصلہ بھی دونوں کو ہی کرنا چاہیے۔" احرم نے کسی کے بولنے سے پہلے منظوری دی۔

"علشبہ، زینی اور شاہ زیان کو اوپر لے جاؤ۔" علشبہ نے بادل نخواستہ حکم کی تعمیل کی۔ شاہ زیان پہلے ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ زینی کے قدموں سے جیسے کوئی چیز بار بار لپٹ رہی تھی۔ علشبہ اسے اوپر چھوڑ کر چلی گئی۔ زینی دیوار سے لگ کے کھڑی ہو گئی۔ شاہ زیان نے اس کی انگلیوں کی حرکت سے اندازہ لگایا کہ وہ پریشان ہے۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں جانے کیسے شاہ زیان نے ایسی فرمائش کر دی تھی۔ شاید وہ آخری بازی پوری جان لگا کر کھیلنا چاہتا تھا۔

"بیٹھ جائیں پلیز۔" شاہ زیان نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ بیٹھ جائیں، میں ٹھیک ہوں۔" دوپٹے کے ہالے میں چھوٹی بڑی لٹیں ہوا سے لہرا کر چہرے پہ جھول رہی تھیں۔ جنہیں وہ بار بار دوپٹے کے اندر کر رہی تھی۔

"میں آپ سے اکیلے میں صرف اس لیے بات کرنا چاہتا تھا کہ مجھے خبر تھی کہ آپ انکار کرنا چاہ رہی تھیں۔" وہ فاصلہ رکھ کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

یہ صمیم کے گھر سے ملی وہی دیوار تھی جس کے اس پار کبھی وہ تھا اور اب وہ روبرو تھے۔ ہاتھ سینے پہ باندھے وہ اس کی انگلیوں کی لرزش کو بغور دیکھ رہا تھا۔ سفید سوٹ میں وہ بہت پرکشش اور دل میں اتری جا رہی تھی۔ لانبے بال، دوپٹے کے اوپر سے بھی جھلک دکھا رہے تھے۔ اس انکشاف پہ زینی نے جھکی نظریں اٹھائیں اس کی ساحر آنکھیں اس پہ ہی جمی تھیں۔ زینی نے نظریں جھکا لیں۔

"جب جان گئے تھے تو اس ملاقات کا مقصد؟" دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"میں چاہتا ہوں آپ اقرار کریں، اپنے لیے نہیں تو خود سے جڑے لوگوں کے لیے...... میرے لیے۔" دھیما گمبھیر لہجہ اسے پھر سے حیران کر گیا۔

"آپ کے لیے......؟" سوالیہ نظریں شاہ زیان کی آنکھوں سے ملیں تو وہ مسکرا دیا۔

"جی میرے لیے...... مجھے پہلی نظر میں ہی آپ سے عشق ہو گیا ہے۔ پہلے آپ کی باتوں سے تھا اب آپ سے ہو گیا ہے۔" اس بے باک اظہار پہ اس کی کشادہ آنکھیں مزید کشادہ ہوئیں۔ وہ ہولے سے ہنسا۔

"کب، کیسے، کہاں ہوا؟"

"ان حیران آنکھوں کے جوابات پھر کبھی، کسی اور خوب صورت لمحے میں دوں گا...... فی الحال آپ سے ریکویسٹ ہے کہ آپ مجھ سے شادی کر کے مجھ بے چارے کا بھلا کر دیں۔" اس کے انداز، لہجے پہ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔ ایک سحر تھا اس کے لفظوں اور اس کی نظروں میں۔

"جانتا ہوں اس انکار سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن شاید میری زندگی آج یہیں ختم ہو جائے گی۔" اس کے لہجے میں قیمتی اثاثہ کھونے کا ڈر سمایا ہوا تھا۔

"آپ بہت اچھے ہیں، آپ کو بہت لڑکیاں مل جائیں گی۔ ایک بیوہ کے طلب گار کیوں ہیں؟" اس کا لہجہ تلخ ہوا۔

"کہا ناں آپ سے عشق جو ہے۔" جواب فوراً دیا۔ "پلیز زینی میری ہی۔" بلیک جینز، وائٹ شرٹ اور جیکٹ میں ملبوس وہ باقاعدہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پروپوز کر رہا تھا۔ اس کی پہیلی

ہتھیلی کو زینی نے چونک کر دیکھا۔

"کاش ناول کا ڈشنگ ہیرو مجھ سے ٹکرا جائے۔" اس کے لہجے کی بازگشت سنائی دی تھی۔ وہ بے حد چونک کر شاہ زیان کو دیکھنے لگی۔

"آپ کھڑے ہو جائیں پلیز۔" اُسے عجیب سا لگا۔

"آپ جب تک اقرار نہیں کریں گی میں نہیں اٹھوں گا۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"خاصے میچورڈ بندے لگ رہے ہیں یہ کالج گوئنگ حرکت اچھی نہیں لگ رہی۔" اس نے خفگی دکھائی۔

"دل تو بچہ ہے جی۔" اس نے اتنی معصومیت سے کہا کہ زینی کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ جسے اس نے فوراً چھپالی مگر وہ دیکھ چکا تھا۔

"پلیز..... آپ کھڑے ہوں پہلے۔"

"آپ ہاں کریں گی ناں؟" وہ اٹھنے سے پہلے اقرار چاہ رہا تھا۔ وہ عجیب الجھن میں پھنس گئی تھی۔

"آپ اپنی حرکت جاری رکھیں میں نیچے جارہی ہوں۔" اس نے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھائے۔

"زینی....." اس کی پکار نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

"ساحل پہ کھڑے ہو تمہیں کیا ڈر چلے جانا۔" وہ بے ساختہ پلٹی، اس کا انداز، اس کی باتیں اس کی نظروں کی جادوگری زینی کو کچھ سوچنے پہ مجبور کر رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا وہ اسے برسوں سے جانتا ہو۔ شاہ زیان کے چہرے پہ جیسے زندگی ختم ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پہ لکھی ہار اس کی نظروں کو ساکت کر گیا تھا۔ جانے کیا تھا اس کی نظروں میں کہ زینی نے پھر نیچے جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

"میں ہاں کہنے جارہی ہوں آپ بھی نیچے آجائیں۔" وہ کہہ کے نیچے چلی گئی..... شاہ زیان کو چند ثانیے سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب سمجھا تو تین تین سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے آیا..... دونوں کے کھلے چہروں نے سب کے چہروں پہ خوشی دوڑا دی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

وہ لوگ چلے گئے تھے، سب نے زینی کے فیصلے کو بے حد سراہا، ضیاء اور فردوس کے چہرے پہ پھیلا سکون، ارحم کی چہرے پہ خوشی سب ظاہر کر رہے تھے کہ وہ اس کے فیصلے سے کتنا خوش تھے..... زینی کو حیرت تھی جانے کیوں، کیسے وہ یہ فیصلہ کر گئی تھی۔ کچھ تو ضرور تھا اس شخص میں جو وہ مسمرائز ہو کر رہ گئی تھی جو وہ چاہتا تھا۔ عرصے بعد زینی کی سوچ کسی ایک مرکز پہ رکی تھی، ایک شخص پر ٹھہر گئی تھی۔ کون تھا وہ، کہاں سے آیا تھا؟ جو ہر فیصلہ حسب منشاء کرا گیا۔ وہ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں اس کے زیر اثر ہوگئی تھی۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا، وہ شاید ساحر تھا جس کے سحر نے اسے اپنے سنگ باندھ لیا تھا..... خواہشات، خوابوں سے اٹا برسوں پرانا دل سینے میں شور مچانے لگا تھا۔ الگ لے پہ دھڑک رہا تھا..... کچھ تو الگ تھا اس میں لیکن کیا؟ شاید وہ اس کے سپنوں جیسا تھا لیکن اب وہ پہلے والی زینی نہیں رہی تھی۔

"میرے ساتھ میرا سیاہ ماضی ہے، ان کی اذیتیں ہیں، انہیں تو ابھی عشق کا بخار چڑھا ہے جو شاید چند دنوں میں اتر جائے گا۔" تلخی سے سوچ کر اس نے اپنے اندر کی الہڑ زینی کو باہر آنے سے روک دیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

"میرے تو ہوش اڑ گئے شاہ زیان کو دیکھ کر، کیسا ہیرے جیسا نصیب پایا ہے منحوس نے۔" علشبہ نے شرمین کو فون کھڑکایا۔

"آناً فاناً رشتہ پکا ہو گیا دونوں طرف سے، پہلے کیسے ہر رشتے پہ میسنی نا کیے جارہی تھی۔ ہینڈسم بندہ دیکھ کر ہاں کر دی..... ساس بھی پچاس ہزار ہاتھ پہ رکھ کر چلی گئیں۔" علشبہ کو جلن ہو رہی تھی۔

"اچھا ہی ہوا آپی..... کم از کم اس منحوس کی شادی ہوگی تو ارسم کی آس بھی ختم ہو جائے گی ورنہ ہر گھڑی مجھے دھڑکا ہی لگا ہوا تھا قسم سے۔" شرمین نے سکون کا سانس لیا، زینی کے لیے نفرت برقرار تھی۔ معافی تلافی تو ایک ڈراما تھا۔ اسے راستے سے ہٹانے کے لیے۔

"ہاں کہتی تو تم ٹھیک ہو، مگر اللہ نے بھی کیا چن کے بندہ بھیجا ہے۔ قسم سے میرا تو صدمہ کم نہیں ہو رہا..... جانے کتنی راتوں تک نیند نہیں آئے گی غصے سے۔"

"کیا بہت ہینڈسم ہے؟" علشبہ کے بار بار قصیدہ پڑھنے پہ وہ حیران ہوئی، پچاس ہزار بھی ہضم نہیں ہو رہے تھے۔

"لو ایسا ویسا..... اوپر سے ابھی آکسفورڈ سے ڈگری لے کر لوٹا ہے، باپ کا بزنس ہے لیکن اپنی فیکٹری بھی تعمیر کروا رہا ہے۔ کئی بنگلے ہیں، بینک بیلنس الگ۔"

"ہیں......! واقعی؟" شرمین کی بھی رال ٹپکنے لگی۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" علشبہ برامان گئی۔

"ارے نہیں...... الہ دین کا چراغ کہاں سے مل گیا اس منحوس کو۔"

"پتا نہیں۔" علشبہ جلی بیٹھی تھی۔ دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی تو ارسم کمرے میں داخل ہوا شرمین فون پر لگی ہوئی تھی۔

"کس بات پہ ہنسی آرہی ہے؟" ارسم نے جوتے اتارتے ہوئے چڑ کر پوچھا۔

"ویسے میرا کہا مان کر آپ گھر، زمین، جائیداد بنا لیتے تو کتنا فائدے میں رہتے۔" اس نے چڑایا۔

"مطلب؟" ارسم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"کروڑپتی آکسفورڈ ڈگری ہولڈر سے آپ کی عزیز زینی شادی کر رہی ہے۔" شرمین کا لہجہ تمسخرانہ ہوا۔ ارسم حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔

"یونہی تو آپ کو نہیں بار بار دھتکار رہی تھی۔ ہوتی آپ کے پاس دولت تو دیکھتے کیسے شادی کے لیے ہامی بھرتی۔" شرمین ہنس دی۔ ارسم کمرے سے باہر چلا گیا۔ شرمین کو بہت مزا آیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

"میں آپ کو بتا نہیں سکتی واصف وہ کتنی معصوم اور کم عمر بچی ہے، یقین نہیں آرہا تھا اسے دیکھ کر کہ وہ اتنی اذیت جھیل چکی ہے۔" عروسہ بیگم زینی سے مل کر بہت خوش تھیں۔ جس کا اظہار بھی ان کے لفظوں سے ہو رہا تھا، انا نے زینی کی تصویر واصف کو دکھائی۔

"مجھے بھی دکھاؤ۔" ازمیر نے فون چھینا۔

"ماشاءاللہ۔" کہہ کر واصف نے شاہ زیان کو دیکھا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ انہیں بہت سکون ملا۔

"بھائی کی چوائس کی داد دینی چاہیے۔" ازمیر نے چھیڑا۔

"بھائی تو بڑے چھپے رستم ہیں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔" انا نے مسکراتے ہوئے ازمیر سے کہا۔ شاہ زیان مسکراہٹ چھپا گیا۔ یقیناً وہ چھت والی بات بتاتی۔ تب سے اس نے کان کھا لیے تھے کہ بتائیں آپ نے ایسا کیا کہا کہ زینی بھابی نے ہاں کر دی۔

"اب جس طرح دل بڑا کر کے بہو کو گھر لا رہی ہو اس کے آنے کے بعد روایتی ساس نہ بن جانا...... وہ بچی پہلے ہی رشتوں کی ڈسی ہوئی ہے۔" واصف نے عروسہ بیگم کو احساس دلایا۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں، اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس بچی کے زخم پہ مرہم رکھ سکیں اس کی اذیتوں کا مداوا کر سکیں۔" عروسہ بیگم نے صدق دل سے دعا دی۔

"ویسے میں تمہاری اس اعلاظرفی پہ حیران ہوں۔" انہوں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہوں تو میں بھی روایتی ماں...... یہ سچ ہے کہ جب شاہ زیان نے زینی سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے برا لگا تھا لڑکے کتنی بڑی بڑی غلطی کرتے ہیں اور پلٹ کر دیکھتے بھی نہیں ہیں لیکن جب میں نے زینی کو انا کی جگہ پہ رکھ کر سوچنا شروع کیا تو میں بھول گئی کہ میں شاہ زیان کی ماں ہوں۔ مجھے اس بچی کی تکلیفیں ہی نظر آئیں اور فیصلہ آسان ہو گیا۔" عروسہ بیگم نے برملا اعتراف کیا۔

"میری مام کی یہی خوبی تو انہیں سب سے الگ بناتی ہے۔" شاہ زیان نے عروسہ بیگم کو گلے لگایا۔

"مام بٹرنگ ہو رہی ہے۔" انا نے تان لگائی۔

"ہاں سمجھ رہی ہوں۔" عروسہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

❁ ❁ ❁ ❁

شادی کی تیاری شروع ہو گئی تھی۔ زینی شادی سادگی سے چاہتی تھی مگر دونوں طرف سے کسی نے اس کی ایک نہیں سنی، ارسم نے جب نبیلہ سے تفصیل سنی تو آگ بگولہ ہو گیا۔

"تو یہ تھا وہ شہزادہ جس کا تمہیں انتظار تھا۔ پیسے کی ہوس تھی تو مجھے کہہ دیا ہوتا۔" ارسم سخت تیوروں سے ہمکلام ہوا۔

"میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔" اسے ارسم کا انداز ہضم نہیں ہوا۔

"کیوں نہیں ہو؟ جب تمہیں شادی کی خواہش نہیں تھی تو پھر کیوں کر رہی ہو۔ بیٹھی رہو ساری زندگی یہاں۔" ارسم چنگھاڑا۔

"تاکہ آپ جیسے لوگ مجھے تنگ کرنے آتے رہیں۔" برسوں بعد زینی نے اسے منہ توڑ جواب دیا تھا۔

"بڑی زبان چل رہی ہے، بہت اچھل رہی ہو، تمہیں کیا لگ رہا ہے وہ تم پہ مرتا ہے؟ ایک بیوہ سے شادی کر رہا ہے کوئی پاگل ہی ہوگا جو سیکنڈ ہینڈ چیز پسند کرے گا۔" ارسم کے الفاظ آگ تھے جو وہ زینی کے وجود پہ انڈیل رہا تھا۔

"آپ اتنی گری ہوئی باتیں کر سکتے ہیں مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔" زینی کو شدید غصہ آیا لیکن اس نے ضبط و عقل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

"میں تمہیں خوش نہیں رہنے دوں گا۔" ارسم دھمکی دیتا چلا گیا۔ ارسم نے بہت جلد اپنا اصل چہرہ دکھا دیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

آج زینی کی مایوں تھی۔ صبح سے گھر میں ہلچل تھی۔ سسرالیوں نے بھی مایوں میں شرکت کی تھی۔ فردوس کے ہاں مایوں میں لڑکا نہیں آتا تھا۔ دیر تک شور و ہنگامہ ہوتا رہا اور اب شاید سب سونے جا چکے تھے۔ مایوں کا سوٹ پہنے موتیا کے زیور میں وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس پر سے نظر نہیں ہٹ رہی تھی۔ وہ کھلے آسمان تلے آ گئی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا یا جو ہونے جا رہا تھا زینی کو بالکل یقین نہیں آ رہا تھا۔ جہاں سب کے چہروں پہ خوشی تھی۔ وہیں اس کے دل میں ڈر بھی تھا کہ اگر یہ شادی بھی نہ چل سکی تو سب کتنے دکھی ہوں گے۔ اس نے اتنے سیاہ دن اور راتیں دیکھی تھیں کہ اسے رسی بھی سانپ لگنے لگی تھی۔ جہاں اپنوں کی دعا ساتھ تھی وہیں نبیلہ، ارسم اور علشبہ کی بددعا کا بھی سامنا تھا۔ انجانے لوگ، انجانا گھر، جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا، وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ اسے کوئی اچھی امید نہیں تھی۔ مہندی سے رچے ہاتھوں کو تکتے اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔ اسے لگا کسی نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا ہو وہ چونک کر مڑی تو آنسو ساکت ہو گئے تھے مگر اس کے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ اس نے سابقہ پوزیشن میں چہرہ کیا۔ کسی کو قریب دیکھ کر بری طرح ڈر گئی، اس کی چیخ نکلنے لگی تھی۔ شاہ زیان نے اس کے لبوں پہ انگلی رکھ کر آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

"میں ہوں شاہ زیان۔" کان کے پاس سرگوشی ہوئی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"سوری فار دیٹ۔" وہ منہ پہ ہاتھ رکھنے کی جسارت پہ معذرت کر رہا تھا۔

"آپ......!" زینی کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ وہ ہولے سے مسکرایا۔

"ہاں میں۔"

"یہاں کیسے؟" بھیگی بھیگی پلکوں سے پوچھتی وہ اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ وہ کئی لمحے اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔

"یہاں سے۔" سر کھجاتے اس نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر تمہیں برا لگا تو کان پکڑ کر معافی چاہتا ہوں۔" اس نے کان پکڑ لیے۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"میری خواہش ہے جب میں مایوں کی دلہن بنوں تو میرا ہیرو سب سے چھپ کے مجھ سے ملنے آئے۔" اس کی اپنی آواز کی بازگشت گونجی تھی۔ آنسو بھی حیرت سے پلکوں پہ جم گئے تھے۔

"خوشی کے موقع پہ یہ آنسو کیوں؟" شہادت کی انگلی اٹھا کر بھیگی پلکوں کی طرف اشارہ کیا۔ چاند کی چاندنی، موتیا کی خوشبو، رات کی رانی کا سحر ماحول پر فسوں ہو چکا تھا۔

"اب تم میرے نام سے جڑنے جا رہی ہو، تمہیں ان آنسوؤں سے دوستی چھوڑنا پڑے گی۔" بھولا بھٹکا اک قطرہ پلکوں پہ تھرتھرانے لگا تھا۔ شاہ زیان نے شہادت کی انگلی سے اسے اپنی پور میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ کسی پر فسوں لمحے میں گھر گئی تھی۔ کئی ثانیے وہ اس بوند کو دیکھتا رہا پھر اس نے مٹھی بند کر لی تھی۔ ایک دم سے مٹھی کھول کر اس نے اپنی ہتھیلی پہ پھونک ماری۔

"میری ساری خوشیاں تمہاری۔" وہ لڑکھڑا کر دیوار سے لگ گئی تھی۔ شاہ زیان نے اس کے حیران کن تاثرات کو بغور دیکھا۔

"سب نے تمہاری اتنی تعریف کی کہ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ سوچا میں بھی تو دیکھ لوں۔ میرے نام کی ابٹن اور مہندی میں تم کیسی لگتی ہو۔" اس نے بہت جلد فاصلے پاٹ لیے تھے۔ زینی کے مہندی سے رچے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامے مہندی کا جائزہ لے رہا تھا۔ حواس بحال کرتے اس نے اپنا ہاتھ کھینچا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

"چھڑا سکو گی مجھ سے ہاتھ؟" مسکراتا مہکتا سوال کیا۔ زینی کی پلکیں جھک گئیں۔

"کوئی آ جائے گا پلیز۔" اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"بدنام ہونے سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے چھیڑا مگر نادانستگی میں اس کے درد کے تاروں کو چھیڑ بیٹھا۔

"مجھے اب کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا...... آپ عادی نہیں ہوں گے۔" اس کے ٹوٹے لہجے پہ شاہ زیان نے اپنے ہاتھوں میں تھامے اس کے ہاتھ اوپر اٹھا کر ہولے سے دبائے۔

"تمہارے لیے تو سولی پر بھی چڑھنے کو تیار ہوں۔" وہ اس کے انداز پہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

"آج کے بعد سے تمہیں کسی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، میں زندگی کے ہر مقام پہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا، ٹرسٹ می۔" زینی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، اس کے لہجے کی سچائی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی اس کی [illegible] چاہتی تھی لیکن نجانے کیوں وہ خود کو اس کے سامنے بے بس محسوس کرتی تھی۔ بھلے اس کی عمر زیادہ نہیں تھی مگر دو سالوں تک اس نے جس عالم میں زندگی کو محسوس کیا تھا اسے لگتا تھا وہ اندر سے مر گئی ہے، کوئی احساس، کوئی خوش کن خیال بھولے سے اس کے پاس نہیں آیا تھا لیکن یہ شخص لمحوں کو اپنی گرفت میں کرنا جانتا تھا۔ جب سے وہ زندگی میں آیا تھا...... وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے اندر کا گلیشیئر پگھلنے لگا ہے، اسے خود میں زندگی کی حرارت محسوس ہونے لگی تھی، اس کے منہ میں بھی زبان آنے لگی تھی، جانے کون تھا وہ جو پرانی زینی کو اس کے اندر بیدار کر رہا تھا۔

"اتنی بے یقینی کیوں؟" اسے مسلسل اپنی طرف تکتے دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے نظریں چرالیں۔

چراؤ نظریں، چھڑاؤ دامن بدل کر رستہ بڑھاؤ الجھن
تمہیں پھر بھی دعاؤں سے جو میں نے پالیا تو کیا کرو گے

بہت شرارتی لہجہ تھا اس کی باتیں، اس کا انداز اس گھڑی وہ اس ساحر پہ بس حیرت ہی کر رہی تھی۔

"اتنی حیرت سے نہ دیکھو کہیں میں تاب نہ لا سکا تو تمہیں اپنائے بغیر دنیا سے جانا پڑے گا۔" اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا لیکن اس کے چہرے پہ پھیلے تاثرات نے شاہ زیان کو نہال کر دیا۔

"جانتا ہوں تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے...... میری چاہت نہیں ہے لیکن تمہیں اتنی محبت ملے گی کہ تم خود میری محبت میں مبتلا ہو جاؤ گی۔" بڑا خوب صورت دعویٰ تھا۔ اس کی آنکھوں سے نکلتی شعاعوں سے زینی کی پلکیں جھک گئیں اور اسی لمحے کا فائدہ اٹھا کر وہ اس کی ہتھیلی پہ اپنا لمس چھوڑ کر دیوار کے پیچھے غائب ہو گیا تھا۔ زینی کئی لمحے ساکت کھڑی رہی۔ ہتھیلی پہ نظریں جمائے وہ اس جادوگر کو سوچ رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

ہزار وسوسوں کو دل میں لیے نکاح کے بندھن میں بندھ کے وہ شاہ زیان کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ جب اس نے اپنی زندگی سے خوش فہمی کو نکال پھینکا تو شاہ زیان اس کی زندگی میں آیا اور اس نے آتے ہی اس کی سوچوں پہ قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اعتراف کر رہی تھی کہ اس نے ہزار کوشش کی تھی بچنے کے لیے لیکن ناکام رہی تھی اور اب وہ اس کی منتظر تھی۔ ایک بار پہلے بھی وہ اس مرحلے سے گزری تھی تب جعفری نے اس کا استقبال تھپڑوں سے کیا تھا اور اس کا نیم بے ہوش وجود ہوش کھو بیٹھا تھا۔ آج بھی اس کے اندر ہزار خدشے کلبلا رہے تھے۔ ماضی کا خوفناک عکس جھلملا رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ پہ اس کا دل حلق میں آ گیا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے تھے۔

شاہ زیان کمرے میں آ چکا تھا۔ وہ جو سادگی میں اس کا قرار لوٹ گئی تھی، کیل کانٹوں سے لیس اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔ وہ اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور دیوانوں کی طرح کتنی دیر تک اسے تکتا رہا۔ زینی کا ہاتھ ہولے سے تھام کر دل کی جگہ رکھ کر خاموشی سے اسے محسوس کرتا رہا...... وہ خاموشی سے اسے تکے جا رہا تھا۔ زینی کو اس کی نظروں سے جھانکتی دیوانگی سے الجھن ہونے لگی۔

"اتنی محبت...... اتنی دیوانگی کیوں؟" اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"تم میرے وجود کا حصہ ہو، میری تکمیل ہو، مجھے نہیں لگتا تھا کہ میں کبھی کسی سے محبت کروں گا لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد میرے سارے ارادے بھربھری ریت کی طرح ڈھے گئے...... ناؤ آئے رئیلی لو یو...... بہت سوچا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیسے اور کن لفظوں میں تم سے اپنی شدتوں کا اظہار کروں۔" شاہ زیان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زینی کے لیے کیا کرے کہ وہ اپنی ساری تکلیفیں بھول جائے، اپنے لیے کسی کا اتنا والہانہ پن زینی کے لیے نیا تھا۔ شاہ زیان نے اس کے ایک ایک زخم چن لیے تھے۔ اس کی محبت، دیوانگی میں بہتی زینی نے جیسے نیا روپ دھار لیا تھا۔

شاہ زیان نے صرف ازالے کے لیے یہ شادی نہیں کی تھی، اسے واقعی زینی سے محبت ہو گئی تھی اور یہ احساس کہ اس کی غلطی سے یہ نازک لڑکی پل پل تڑپی ہے اسے مزید محبت کرنے پہ مجبور کر گیا تھا۔ شاہ زیان کے لفظ کھوکھلے نہیں تھے آنے والے دنوں میں اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ زینی اس کی محبت کی برستی پھوار سے بدلنے لگی تھی۔ وہ بدل رہی تھی۔ اس کے لب مسکرانا سیکھ رہے تھے یہ سب شاہ [illegible]

رفاقت کا اثر تھا۔ وہ جو بولنا بھول گئی تھی شاہ زیان گھنٹوں اس سے باتیں کرتا تھا...... ایک لمحے کے لیے نظروں سے اوجھل ہوتی تو پکار پکار کر گھر سر پہ اٹھا لیتا۔

ہنی مون کے لیے وہ شمالی علاقہ جات گئے تھے۔ زینی کو ان دنوں اپنا بھی ہوش نہیں تھا۔ اس کے سارے زخم بھرنے لگے تھے۔ اس وقت وہ قدرت کے حسین مناظر میں کھو کر شاہ زیان سے آگے نکل گئی تھی دفعتاً اس کے پیر لڑکھڑائے تھے۔ نیچے خطرناک کھائی تھی۔ خوف سے آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔

"شاہ......" ابھی اس نے پکارا ہی تھا کہ اس کے وجود کے گرد شاہ زیان کا حصار زنجیر بن کر اسے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔

"حکم شاہ کی جان۔" اس کی پیشانی پہ چمکتی بوندوں کو ہتھیلی پہ سمیٹتے ہمکلام ہوا۔

"وہ مجھے لگا میں کھائی میں گر جاؤں گی۔" وہ ابھی تک خوف سے کانپ رہی تھی۔

"میرے ہوتے ہوئے تو ایسا ممکن نہیں ڈیئر۔" اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے ٹکراتے ہوئے بازو کے گھیرے میں لے کر چلنے لگا۔

"اگر میں گر جاتی تو؟" جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھی۔

"تو میں بھی چھلانگ لگا دیتا۔" ایک سیکنڈ کی دیری کے بغیر جواب دیا۔ گہری کھائی اور اس کا دعویٰ، زینی رک کر اسے دیکھنے لگی۔ جیسے یقین نہ کر پا رہی ہو۔ اسے جیسے چوٹ پڑی تھی۔

"تم کبھی میری محبت پہ شک کرو یہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گا۔" شاہ زیان نے اس کے وجود کے گرد سے اپنا ہاتھ ہٹایا تو زینی چونک کر اس کے بدلتے تاثرات کو دیکھنے لگی۔ وہ شاید کچھ کرنے کی ٹھان چکا تھا۔

"زندہ رہا تو پھر ملیں گے۔ ورنہ میرا یقین کر لینا۔" وہ تیز قدموں سے کھائی کی طرف بڑھنے لگا۔ کئی ثانیے وہ کچھ سمجھ نہ سکی جب سمجھی تو اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

"شاہ زیان پلیز......" وہ ان سنی کیے آگے بڑھتا رہا۔

"پلیز شاہ میرا یہ مقصد نہیں تھا۔" زینی کو اس سے ایسی دیوانگی کی امید نہیں تھی وہ اس کے سامنے آ گئی۔

"مجھے یقین ہے پلیز ایسی حرکت نہ کریں۔" اس کے آنسو نکل آئے وہ جو کسی ٹرانس میں چلا تھا اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

"مجھے یقین ہے آپ کی محبت پر۔" اسے بازوؤں سے پکڑے وہ رو دی۔ اسے خبر نہیں تھی یہ آنسو کیوں بہہ رہے تھے لیکن یہ ضرور جان گئی تھی کہ چند دنوں میں اسے یہ شخص بہت عزیز ہو گیا تھا اور وہ اس کی دوری کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"یار ایک تو تم ہر بات پہ رونا شروع کر دیتی ہو، کہاں سے آتا ہے اتنا پانی؟" اگلے پل وہ اپنے مخصوص انداز میں آنسو پونچھ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے جتنا خود سے دور لگ رہا تھا اب اتنا ہی اپنا اپنا بیٹھا تھا۔ زینی نے جھٹک کر اس کا ہاتھ ہٹایا۔

"مجھے بات نہیں کرنی آپ سے؟"

"اوکے...... میں کرتا ہوں تم سنو۔" وہ قریب ہوا۔

"مجھے آپ کی بات سننی بھی نہیں ہے۔" وہ خفا ہو چکی تھی اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی رہی۔ شاہ زیان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"ہرٹ ہوئی تو سوری لیکن میں ابھی اسی پل اپنی جان دے سکتا ہوں صرف تمہیں اعتبار دلانے کو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" اس کی خفگی کو دیکھتے اس نے پوری سچائی سے کہا۔

"زینی تمہیں نہیں معلوم کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں، تم سے پہلے کیسے جی رہا تھا لیکن تمہیں دیکھ کے میں تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا، اپنے ادھورے پن کا شدت سے احساس ہوا، بے شک تمہیں یہ افسانوی محبت لگے گی مگر یہی سچ ہے۔ ہر گزرتے دن کا ہر پہر میرے اندر تمہاری محبت کی بنیاد کو مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ مجھے لگنے لگا ہے کہ میری محبت تمہارے لیے دیوانگی کے حدود میں داخل ہو گئی ہے۔ میں تمہارے لیے کسی کی جان لے بھی سکتا ہوں اور اپنی جان دے بھی سکتا ہوں۔" زینی بدحواس سی اس کی جنوں خیزی دیکھتی رہی۔ اس کے آنسوؤں اس کے گلے شکوؤں کا انعام تھا وہ شخص، وہ مبہوت رہ گئی۔ دعاؤں کا ثمر ایسا بھی ہوتا ہے؟

❀......❀......❀......❀

وہ لوٹ آئے تھے۔ سب نے جس گرم جوشی اور محبت سے اسے خوش آمدید کہا تھا وہ اس کے لیے بہت حیران کن تھا۔ اس نے جتنے دن ان کے ساتھ گزارے تھے اسے وہ لوگ دوسری دنیا کے مخلوق لگے تھے جو صرف محبت کرنا جانتے تھے۔ ورنہ سسرالی رشتوں کی جو یادیں اس کے دامن میں تھیں، اسے یقین ہو گیا تھا کہ ہر سسرال ایسے ہوتے ہیں لیکن عروسہ بیگم

جیسی ساس، انا جیسی نند پا کر اس کے خیالات بدلنے لگے تھے۔ واصف بہت مشفق باپ تھے تو ازمیر نٹ کھٹ سا بھائی تھا۔ سب ان کے لائے تحفوں کو بے حد سراہ رہے تھے۔

"ویسے بھائی بھابی کی چوائس آپ سے زیادہ اچھی ہے۔" ازمیر نے بلاجھجک کہا۔ سب کے لیے دونوں نے اپنی اپنی پسند سے تحفے لیے تھے ازمیر کو زینی کا تحفہ زیادہ پسند آیا تھا جس کا اس نے برملا اظہار بھی کر دیا۔ زینی نے شاہ زیان کو دیکھا مبادا اسے برا نا لگا ہو لیکن وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اس بات کا تو میں بھی قائل ہوں۔" زینی کو خوشگواریت کا احساس ہوا۔

اس تاریک دور میں جس طرح اس کی ذات، ترجیحات کو کچلا گیا تھا وہ اپنی ذات کا غرور ہی کھو بیٹھی تھی۔ خود پہ بھروسا نام کی چیز نہیں رہی تھی لیکن اب ایک چھوٹے بچے کی طرح وہ اس کے حوصلے کو بڑھا رہا تھا۔ اسے پھر سے احساس دلا رہا تھا کہ وہ بھی گوشت پوست کی اک جیتی جاگتی لڑکی ہے۔ اس کے بھی احساسات وجذبات میں پسند ناپسند ہیں۔ اسے بھی آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔

"بھابی آپ مزید خوب صورت ہوگئی ہیں۔ مام دیکھیں کتنی گلو کر رہی ہے اسکن۔" انا نے بچوں کی طرح اس کے گال کو چھو کر کہا۔ شاہ زیان کی شرارتی نظریں خود پہ محسوس کر کے وہ جھینپ گئی، عروسہ بیگم نے دونوں کے کھلے چہرے کو دیکھا۔

"ہاں ماشاء اللہ...... اللہ ہمیشہ خوش رکھے۔" عروسہ بیگم نے دعا دیتے شاہ زیان کو دیکھا وہ بہت تروتازہ اور خوش لگ رہا تھا اتنا خوش اور آسودہ انہوں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"خوش ہو ناں؟" عروسہ بیگم نے محبت سے پوچھا۔

"بہت زیادہ...... تھینکس ٹو اللہ کہ اس نے مجھے اتنی اچھی مام دی جنہوں نے بیٹے کی خوشی میں اپنی خوشی محسوس کی۔" شاہ زیان نے محبت وعقیدت سے عروسہ بیگم کے ہاتھ چوم لیے، انا اور ازمیر کی شرارتوں میں گھری زینی نے ماں بیٹے کی محبت کا عملی مظاہرہ دیکھا تو مسکرا دی۔

❁......❁......❁......❁

جب سے زینی کی شادی ہوئی تھی ارسم کانٹوں پہ لوٹ رہا تھا، زینی نے ایک نہیں دوبارا اسے ٹھکرایا تھا اور وہ اس دھتکار پہ سلگ رہا تھا۔ اس نے شادی میں بھی شرکت نہیں کی تھی۔ دور سے دلہا بنے شاہ زیان کو دیکھ کر اسے آگ ضرور لگی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے زینی کو حاصل کرے، شرمین اس کی تڑپ پہ ہنس رہی تھی، قہقہے لگا رہی تھی اور اس کا یہ عمل اسے اور منتقم مزاج بنا رہا تھا۔ ان دنوں وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا۔ نبیلہ اس کے مزاج کی کڑواہٹ پہ افسوس کر رہی تھیں۔ انہیں بھی بیٹے کی بے چینی اور زینی کی شادی کا افسوس تھا۔

حقیقتاً زینی کی اتنے اچھے اور امیر گھرانے میں شادی پہ ہر کوئی جلن کا شکار تھا۔ خصوصاً شاہ زیان کو دیکھ کر سب ہی کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگے تھے۔ ان میں علشبہ تو سرفہرست تھی ہی، شرمین نے بھی دانتوں تلے انگلی دبالی تھی۔

"میری باری میں ارسم ہی آپ کو بیسٹ لگا، جانے تب یہ کہاں چھپا بیٹھا تھا۔" شرمین نے بے شرمی کی حد کر دی تھی۔

"ہاں سارا ماسٹر پیس اللہ نے اسی کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔" علشبہ زینی کا ڈائمنڈ سیٹ دیکھتی ہوئی جل کے بولی۔ ارسم نے کتنی بار زینی کو کال کی مگر وہ کال ریسو نہیں کر رہی تھی لیکن وہ پیچھے نہ ہٹنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

ارسم بنیادی طور پہ خود غرض انسان تھا۔ اسے زینی سے محبت کا دعویٰ تھا لیکن جب دعویٰ ثابت کرنے کا موقع ملا تو اس کے قدم اکھڑ گئے۔ اس نے شرمین سے شادی کر لی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے سو کالڈ سسرالی اور بیوی، زینی کو زدوکوب کرتے تھے، گالیاں دیتے تھے تب اس کے منہ پہ قفل پڑ گئے تھے۔ اس کی محبت جانے کہاں جا سوئی تھی کہ وہ زینی کے حق کے لیے انسانیت کے ناتے بھی کوئی اسٹینڈ نہ لے سکا اور ایک بار پھر جب زینی بیوگی کی چادر اوڑھ کر لوٹ آئی تو اس کی نام نہاد محبت لوٹ آئی۔ وہ پھر سے اسے حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگا لیکن زینی نے ایک بار پھر اسے دھتکار دیا اب وہ زینی کی زندگی میں زہر گھولنے کا سوچ رہا تھا جس طرح وہ سلگ رہا تھا اسی طرح زینی کی خوشیوں کو آگ لگانا چاہتا تھا۔

❁......❁......❁......❁

اس کی آنکھ کھلی تو زینی کو بستر پہ نہ پا کر اس نے متلاشی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ قبلہ رخ جائے نماز بچھائے وہ نماز پڑھتی نظر آئی۔ طویل سجدے کے بعد دعا کو ہاتھ اٹھے تو کافی دیر زیرلب دعا مانگتی رہی...... وہ کتنی ہی دیر اس کے پاکیزہ چہرے کو دیکھتا رہا مزید دوری برداشت نہ ہوئی تو اس کی پیٹھ سے پیٹھ ملا کر بیٹھ گیا، زینی نے دعا پوری کی چہرے پہ ہاتھ پھیر کر گردن موڑ کر اسے دیکھا، سیدھا ہوتے ہوئے وہ اس کی گود

میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ سامنے تھا۔
"میں آ رہی تھی۔"
"تم جب اللہ سے باتیں کرتی ہو تو مجھے بہت اچھی لگتی ہو...... اس لیے قریب سے دیکھنے آ گیا۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔
"کیا باتیں کرتی ہو؟" اس کا ہاتھ تھام کر اس کی ہتھیلی پہ انگلی پھیرنے لگا۔
"بہت ساری، مجھے اللہ سے باتیں کرنے کی عادت ہوگئی ہے کیونکہ جب کوئی میری بات سننا پسند نہیں کرتا تھا تب بھی اللہ مجھے سنتا تھا۔" اس کے چہرے پہ بیتے دنوں کا کرب آ گیا۔ بس اسی لمحے شاہ زیان خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کیسے اس کا کربناک ماضی بھلا دے کہ چاہنے کے باوجود دکھ کے رنگ اس کے چہرے پہ آ جاتے ہیں۔
"بے وقت اللہ کو تنگ کرنے کی وجہ؟"
"گلے شکوے تو بہت کیے اپنے رب سے...... آج کل اس کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" وہ آسودگی سے مسکرائی۔
"آج کل ایسا کیا ہوگیا ہے؟" چہرے پہ جھولتی لٹ کو انگلی پہ لپیٹتے سوال کیا۔
"مجھے آپ جو مل گئے ہیں۔" آہستگی سے کان کھینچے۔
"آپ اللہ کا دیا ہوا خوب صورت انعام ہیں جس نے مجھے احساس دلایا کہ میں بھی زندوں میں ہوں...... آپ نے مجھے پھر سے مسکرانا سکھایا، ہنسنا، باتیں کرنا سکھایا، اللہ کے بعد آپ کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے کہ آپ نے ایک بیوہ کو اپنایا۔" وہ پوری سچائی سے دلی کیفیت بیان کر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے سنتا رہا۔
"آپ نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے اتنی محبت کریں گے کہ میں خود آپ سے محبت کرنے پہ مجبور ہو جاؤں گی اور اب مجھے اعتراف ہے کہ آپ اپنے لفظوں میں سچے تھے، میں آپ کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہوں۔ آپ نے مجھے صرف بیوی کا رتبہ نہیں دیا بلکہ میری عزت بھی کی اور صرف آپ نے نہیں...... آپ کی پوری فیملی نے کبھی مجھے احساس نہیں دلایا کہ انہوں نے مجھ پہ کوئی احسان کیا ہے، آپ میں کوئی کمی نہیں، آپ کو حسین لڑکیاں مل جاتیں اور اس گھر کو بہو لیکن آپ سب نے جس طرح مجھے سر اٹھا کر جینا سکھایا اس کے لیے میں تاعمر آپ سب کا احسان چکا نہیں پاؤں گی۔"
"اگر کبھی زینی کو اس حقیقت کا علم ہوگیا کہ اس کی زندگی میں بدبختی کو دعوت دینے والا میں ہی تھا تو کیا یہ مجھ سے پھر بھی محبت کرے گی؟" یہ وہ سوال تھا جس نے شاہ زیان کو جھرجھری لینے پہ مجبور کر دیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

عروسہ بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ بخار کی وجہ سے وہ نڈھال ہوگئی تھیں، ازمیر نے ڈاکٹر کو گھر بلا لیا تھا۔ زینی نے شاہ زیان اور واصف کو اطلاع کرنی چاہی مگر عروسہ بیگم نے منع کر دیا۔
"زینی میں ٹھیک ہوں بیٹا، وہ لوگ پریشان ہو جائیں گے۔" عروسہ بیگم کی بات اس کے دل کو لگی۔ انا بھی کافی دیر عروسہ بیگم کی دلجوئی کرتی رہی پھر وہ اکیڈمی چلی گئی۔ زینی ان کا سایہ بنی رہی، عروسہ بیگم کے ناں ناں کرنے پہ بھی اس نے سوپ کا باؤل پورا پلایا پھر زیتون کا تیل لے کر ان کے پیروں کی مالش کرنے لگی۔
"زینی نہ کرو۔" عروسہ بیگم کو اس کا پیروں کو ہاتھ لگانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"میں کسی ملازمہ سے کروا لوں گی۔"
"بالکل نہیں، آپ کے جسم میں درد ہو رہا ہے میں اچھی طرح مالش کروں گی تو آرام آ جائے گا۔ آپ مجھے بیٹی نہیں سمجھتیں جو غیریت برت رہی ہیں؟" عروسہ بیگم اس کے روٹھے انداز پہ مسکرائیں۔
"میرے بچے میرے دل میں رہتے ہیں، کوئی بھی میرے پیروں کو ہاتھ لگائے مجھے اچھا نہیں لگتا، اب تم بھی میری بیٹی ہی ہو۔" عروسہ بیگم نے جھجک کی وجہ بتائی۔
"ماں کے پیروں کو ہاتھ لگانے میں کیسی شرم یا بے عزتی...... آپ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کریں۔" مالش کرتے اس نے مشورہ دیا۔
"جیتی رہو...... سدا سہاگن رہو۔" عروسہ بیگم کے دل سے دعا نکلی۔ شاہ زیان شاپنگ بیگز اٹھائے عروسہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوا۔
"مام آر یو اوکے؟ ازمیر نے بتایا کہ آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔" بیگز سائیڈ پہ رکھ کر وہ ان کے سرہانے بیٹھ گیا۔
"میں ٹھیک ہوں بس تھوڑا بخار ہے اور باڈی میں پین

بھی۔" عروسہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر تسلی دی۔
"وہ اوری مام کو؟" اب کے زینی سے استفسار کیا۔
"جی تھوڑی دیر پہلے دی ہے۔"
"زینی چھوڑو بیٹا...... شاہ زیان کے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کرواؤ۔" عروسہ بیگم نے اسے روکنا چاہا۔
"مجھے بھوک نہیں ہے، آپ آرام کریں۔" وہ سر دبانے لگا۔ اسی وقت اس کی خالہ زاد عمامہ داخل ہوئی۔
"واؤ یہاں تو مکمل فیملی سین چل رہا ہے۔" عمامہ کی غیر متوقع آمد پہ سب نے خوشگوار مسکراہٹ سے استقبال کیا۔
"شاپنگ پہ گئی تھی سوچا یہاں کا بھی چکر لگا لوں۔ تم تو شادی کے بعد بالکل ہی کانٹیکٹ نہیں رکھتے شاہ زیان۔" وہ بے تکلفی سے صوفے پہ بیٹھ گئی۔
"میں پہلے بھی کوئی کانٹیکٹ نہیں رکھتا تھا یاد کریں۔" شاہ زیان نے یاد دلایا، اس صاف جواب پہ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔
"طبیعت زیادہ خراب ہے مامی؟" اب وہ ہمدرد بنی شاہ زیان کے بالکل قریب آ کر عروسہ بیگم سے استفسار کر رہی تھی اس کے وجود کا بوجھ شاہ زیان پہ آ گیا تھا۔ زینی کو بے حد عجیب محسوس ہوا۔
"ایکسکیوزمی۔" ناگوار تاثرات کے ساتھ شاہ زیان نے کھردرے لہجے میں اسے پیچھے کیا اور اٹھ کر صوفے پہ بیٹھ گیا۔
"اب ٹھیک ہوں، زینی نے بہت اچھی طرح سے مالش کی ہے آرام محسوس ہو رہا ہے۔"
"ہاں مڈل کلاس بہو کے کئی فائدے ہوتے ہیں۔" زینی کو استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ زینی کا رنگ فق ہو گیا۔ عروسہ بیگم کو بھی عمامہ کی باتیں اچھی نہیں لگیں۔
"بجا فرمایا آپ نے...... مڈل کلاس لڑکی میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں وہاں اس کی سب سے بڑی خوبی اس کی شرم وحیا ہوتی ہے، اسے کس کے قریب جانا ہے کس کے نہیں وہ بہت اچھی طرح جانتی ہے...... الحمدللہ میری بیوی پرفیکٹ ہے۔" شاہ زیان نے کھری کھری سنائی۔
"آپا کیسی ہیں؟" عروسہ بیگم نے موضوع بدلا۔
"ٹھیک ہیں۔" عمامہ پہ جیسے شاہ زیان کی کسی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ شاہ زیان کے لائے شاپنگ بیگز کے اندر موجود کپڑے دیکھنے لگی۔
"واؤ یہ تو بہت خوب صورت ہے۔ مامی یہ میں لے لوں۔" عمامہ بلیک سوٹ پہ فریفتہ ہو گئی۔
"سوری یہ زینی کے لیے ہے۔" شاہ زیان سے اس کا وجود برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
"اتنے کنجوس نہ بنو...... اسے اور لا دینا یہ میں رکھ رہی ہوں۔" عمامہ نے سوٹ شاپنگ بیگ میں ڈال کر بیگ اٹھایا۔
"سوری یہ میں اپنی بیوی کے لیے لایا تھا۔" اس نے آگے بڑھ کر بیگ تقریباً جھپٹ لیا۔
"ہاؤ روڈ؟" عمامہ اپنے ہاتھ سہلانے لگی۔ شاہ زیان بیگز اٹھا کر کمرے سے چلا گیا زینی عجیب سی صورت حال میں پھنس گئی تھی۔
"دیکھا مامی اس نے کیسے بی ہیو کیا...... ایک سوٹ ہی تو تھا۔" عمامہ رونے بیٹھ گئی۔
"آپ دل برا نہ کریں عمامہ میں ابھی لا دیتی ہوں۔" زینی نے اسے چپ کرانا چاہا۔
"نہیں چاہیے مجھے اب۔" عمامہ جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی۔
"شاہ زیان کو گھر آئے مہمان سے تھوڑی رعایت کرنی چاہیے تھی۔" عروسہ بیگم نے زینی سے کہا۔ وہ چپ رہی۔

✿......✿......✿......✿

"آپ کو عمامہ کے ساتھ اتنا برا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔" زینی کمرے میں آئی تو وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا ہوا تھا۔ زینی نے سینڈوچ اور چائے کی ٹرے رکھی۔
"یہ تم کہہ رہی ہو...... دیکھا نہیں تھا کتنا فضول بول رہی تھی۔" وہ چڑا۔
"وہ اس کا ظرف تھا۔ آپ کو کیا ضرورت تھی گھر آئے مہمان سے روڈ ہونے کی۔"
"میرا دل تو اسے تھپڑ مارنے کو چاہ رہا تھا۔ جو چیز میں تمہارے لیے لایا ہوں اسے کسی ایرے غیرے کو دے دوں۔" وہ خفگی سے بولا۔
"مام کو برا لگا عمامہ کے ساتھ آپ کا سلوک۔ کزن ہے آپ کی۔" وہ سمجھانے لگی۔
"جو کزن بجن بننے کی کوشش کرے اس کے ساتھ میں ایسا رویہ رکھوں گا۔ خواہ تمہیں برا لگے یا مام کو۔" اس کا انداز دوٹوک رہا۔
"ذرا تمیز نہیں ہے بغیر اجازت چیزوں پہ ہاتھ ڈالنا اور پھر

دھونس جمانا۔" وہ سخت برہم تھا۔

"او کے چلیں غصہ ختم کریں چائے پئیں۔"

"میں نہیں پی رہا۔" اس نے رخ پھیرلیا۔

"شاہ میں نے کیا کیا ہے؟ مجھ سے کیوں ناراض ہورہے ہیں۔" وہ حیران ہوئی۔

"تم بلاوجہ اس کی طرف داری نہ کرو جس طرح وہ تمہاری بے عزتی کررہی تھی، میں نے بہت مشکل سے خود کو روکے رکھا تھا۔"

"اچھا ناں چھوڑیں...... میں باہر کے کسی بندے کی باتوں کو اہمیت نہیں دیتی میرے لیے یہ اہم ہے کہ آپ نے میرا ساتھ دیا۔" زینی نے اس کے شانے پہ سر رکھا، اس نے زینی کے سر پہ اپنا سر رکھ دیا۔

"چائے پی لیں۔" اس نے کپ تھمایا۔ وہ سیدھا ہوگیا۔

"ماما کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"سوگئی ہیں۔" زینی نے چائے پیتے ہوئے کہا۔ اسی وقت اس کا سیل فون بجا تو وہ کچھ چونکی۔ سیل فون اٹھا کر بند کردیا۔ شاہ زیان نے اس کے انداز کو محسوس کیا۔

"کوئی پریشانی؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

✿......✿......✿......✿

"بار بار کال کرکے کیوں پریشان کررہے ہیں۔" زینی، ارسم کی مسلسل کال پہ چڑی۔ اب کے ارسم نے گھر کے نمبر پہ کال کی تھی۔ اتفاق سے زینی نے کال ریسیو کی تھی۔

"تو خیال آگیا کال ریسیو کرنے کا...... اب بھی نہ کرتیں...... میں نے کون سا ہار ماننا تھا۔"

"اس حرکت کا مطلب؟" زینی تنگ آچکی تھی۔

"تم نے جس طرح میری زندگی کو بے سکون کیا ہے میں تمہیں بھی چین سے نہیں جینے دوں گا۔" وہ پھنکارا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا...... غلط بات نہ کریں۔" اسے غصہ آیا۔

"آپ کی محبت بودی تھی جو ایک جعلی نکاح نامہ دیکھ کر ختم ہوگئی تھی۔" زینی نے آئینہ دکھایا۔

"تو اب مجھے ٹھکرا کر شاہ زیان سے شادی کرکے تم نے مجھے نیچا دکھایا ہے۔" اصل میں تو اسے آگ ہی اس کی شادی سے لگی تھی۔

"آپ خود کو شاہ زیان سے نہ ملائیں، دوبارہ پیدا ہونا پڑے گا اس کی طرح بننے کے لیے۔ جو زخم آپ لوگوں نے دیئے ان پہ مرہم شاہ زیان نے رکھا ہے اور آپ مجھ پہ انگلی اٹھا رہے ہیں۔" کئی دنوں کا غبار اب باہر نکل رہا تھا۔

"اوہو، پرانا لب ولہجہ لوٹ آیا ہے۔" ارسم نے مزا لیا۔

"بہت بڑی بڑی باتیں کررہی ہو اپنے میاں کے لیے، جب اسے میں اپنے اور تمہارے بیچ کے تعلقات کے بارے میں چٹ پٹی باتیں بتاؤں گا تب دیکھنا کیسے تمہیں طلاق دے کر گھر سے نکال دے گا۔" اس نے فون بند کردیا، ارسم اتنی نیچ حرکتیں بھی کرسکتا ہے وہ سوچنے سے قاصر تھی۔ بظاہر بہت سوبر بنا تھا مگر اس کے اندر کا گند اب نظر آیا تھا۔

"کون تھا؟" شاہ زیان کہیں سے نکل آیا تھا۔ وہ بری طرح ڈرگئی۔

"ارے......" وہ ہنسا۔ "ڈرگئیں؟" بازو کے گھیرے میں لے کر اسے ساتھ لے کر چلنے لگا۔

"آپ نے اتنا اچانک کہا تو......" گھر میں خاموشی تھی سب اپنے کمروں میں سونے جاچکے تھے۔

"لائٹس بند کرنے آیا تھا تمہیں فون پہ باتیں کرتے دیکھ کر رک گیا۔ سب خیریت ہے؟" وہ اس کی اڑی اڑی رنگت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"جی...... آپ کے لیے کافی بنادوں۔" وہ صاف محسوس کررہا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی تھی لیکن اس نے اصرار نہیں کیا۔ یونہی اسے بازو کے گھیرے میں لیے کچن میں آگیا۔

"آپ یہاں بیٹھیں کافی میں بناتا ہوں۔" اسے کرسی پہ بٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں بناتی ہوں۔" اپنے شانے پہ رکھے اس کے ہاتھ پہ زینی نے ہاتھ رکھا۔

"میں اتنی بری کافی نہیں بناتا۔" اس کے شانوں کو نرمی سے دباتے وہ کافی کا جار نکالنے لگا۔

"سارا دن بیٹھی ہی رہتی ہوں کام تو میڈ ہی کرتے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔ "لائیں میں بنادوں۔"

"جی نہیں آج میں اپنے ہاتھ کی کافی پلاؤں گا۔" فریج سے فریش کریم نکال کر مگ میں ڈالتے اس نے کافی ڈال کر پھینٹنا شروع کردی۔ چولہے پہ دودھ بوائل کرنے رکھا۔ اسپیگٹی فریج سے نکال کر اوون میں گرم کرنے کے لیے رکھ دی، زینی دلچسپی سے اس کی کارستانی دیکھ رہی تھی۔

"پھر میں سارا دن کیا کروں؟"
"مجھ سے پیار؟" شوخ سا جواب فوراً دیا۔
"ڈیمانڈ ہے؟" وہ بھی شوخ ہوئی۔
"اٹس آ ریکویسٹ...... ہماری اتنی مجال کہ آپ پہ زور زبردستی کریں۔" کافی پھینٹنے کا عمل روک دیا۔ پھینٹی ہوئی کافی دودھ میں ڈال کر اچھی طرح مکس کی، اوون سے اسپگیٹی نکالی تو زینی اٹھی۔
"اگر تم اسٹڈی کا سلسلہ شروع کرنا چاہتی ہو تو کرلو...... اس طرح مصروف ہوجاؤ گی۔" جار شیلف میں رکھتے ہوئے اس نے کہا تو زینی چونکی۔
"ہاں آئیڈیا اچھا ہے۔" وہ خوش ہوئی۔ اسپگیٹی سے چکن کی بوٹی نکال کر شاہ زیان کے منہ میں رکھ دی۔
"سوچ لو......" کافی مگ میں ڈالتے وہ اسپگیٹی انجوائے کررہا تھا جو زینی فورک میں فولڈ کیے اسے کھلا رہی تھی۔
"شوگر کتنی میم؟" اس نے پروفیشنل انداز میں پوچھا۔
"اپنی انگلی ڈال دیں۔" زینی نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا تھا لیکن اگلے لمحے اس کی چیخ سے مشابہہ آواز نکلی شاہ زیان نے گرم کافی میں انگلی ڈال دی تھی۔
"شاہ......!" اس نے سرعت سے اس کا ہاتھ کھینچا، انگلی گلابی ہوگئی تھی۔ "یہ......!" پریشانی سے انگلی کو دیکھتے اس نے سر پکڑ لیا...... فرسٹ ایڈ باکس کچن میں موجود تھا اس نے تیزی سے برن ٹیوب نکال کر انگلی پہ لگانا شروع کردی۔
"کیا پاگل پن ہے یہ؟" اس کی تکلیف پہ آنسو بہاتی وہ اسی پہ چلائی۔ وہ ہولے سے ہنس دیا۔
"تمہاری کوئی بات ٹالی نہیں جاتی۔"
"میں نے مذاقاً کہا تھا۔" اس کے کرتے کو مٹھی میں بھر کے بے چارگی سے اس کے سینے سے لگی بن بادل برسات شروع کردی۔
"کچھ نہیں ہوا یار۔" اس کو مطمئن کرنے کے لیے اس کا سر اٹھانے لگا مگر وہ مضبوطی سے اس کا کرتا دبوچے ضدی بچے کی طرح روتی رہی۔
"زینی اگر اب تم چپ نہیں ہوئیں تو میں پورا ہاتھ جلالوں گا۔" اس کے بڑھتے ہاتھ کو زینی نے فوری روک لیا۔ آنسوؤں میں کمی آگئی۔ حربہ کامیاب رہا۔
"آپ بہت برے ہیں۔" سوں سوں کرتی گلابی آنکھوں سے گھورتی وہ سیدھی دل میں اتر رہی تھی۔
"ہاں تمہاری آنکھیں روز بتاتی ہیں مجھے۔" اس نے شرارت سے کہا تو زینی ناراضی کا اظہار کرتی اسپگیٹی کا باؤل اٹھا کر کچن سے نکل گئی پیچھے پیچھے کافی کے مگ اٹھائے وہ چلا آرہا تھا۔

❀......❀......❀......❀

"میں ارسم بات کررہا ہوں زینی کا کزن اور ایکس منگیتر۔" شاہ زیان ایک اہم فائل اسٹڈی کررہا تھا۔ اس نے بے دھیانی میں کال ریسیو کی مگر دوسری طرف اس کی آواز سن کر جس طرح تعارف کرایا گیا اس نے شاہ زیان کو فائل بند کرنے پہ مجبور کردیا۔
"فرمایئے۔"
"میں آپ کو اپنے اور زینی کے متعلق کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔" ارسم نے اپنا کھیل شروع کیا۔
"کیسی باتیں؟" اس کا لہجہ بے تاثر رہا۔
"ایسی باتیں جن کو سن کر آپ کو افسوس ہوگا کہ آپ نے ایسی لڑکی سے شادی کی جس کی ایک منگنی اور شادی نہ چل سکی...... جعلی نکاح کی داستان......" ارسم کے چہرے پہ شیطانی مسکراہٹ آئی۔
"کیا ہی اچھا ہو کہ ہم یہ باتیں مل بیٹھ کر کرلیں کیا تم مجھ سے ملنا چاہو گے ارسم۔" اس کی پیشکش پر ارسم پھولے نہ سمایا۔ شاہ زیان کی دلچسپی اس کا کھیل آسان بناسکتی تھی۔
"شیور۔" اس نے فوراً آمادگی ظاہر کی۔
"اوکے ڈنر پہ آپ کا ویٹ کروں گا۔" شاہ زیان نے وقت اور جگہ بتا کر میٹنگ طے کرلی۔

❀......❀......❀......❀

"اتنا سرپرائزنگ ڈنر کس خوشی میں؟" دوپٹا شانوں پہ سنبھالتی وہ اس کے ہمراہ ہوٹل میں انٹر ہوئی شاہ زیان نے اس کے لیے کرسی نکالی۔ وہ مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔
"یونہی دل چاہ رہا تھا اپنی لور کے ساتھ ڈیٹ مارنے کو۔" مقابل بیٹھ گیا۔ بلیک جینز شرٹ اور کافی کلر کی جیکٹ میں وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ جلدی جلدی تیار ہوتے زینی کو اسے دھیان سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا اور اب جو نظر پڑی تو وہ کئی ثانیے نظر نہ ہٹا سکی۔ دل مغرور ہونے لگا کہ یہ یونانی دیوتا اس کے عشق میں مبتلا ہے۔ اسے لگ رہا تھا جتنی شدت سے وہ اس

سے محبت کرتا تھا وہ بھی اتنی ہی شدت سے اس کی اسیر ہوتی جارہی تھی۔

"کہاں کھو گئیں؟" اس نے چٹکی بجائی۔

"آپ بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔" اس نے بے ساختہ کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"ریئلی......"

"کوئی شک؟" وہ خفگی سے گھورنے لگی۔

"پہلے تو ساری دنیا کہتی تھی لیکن اب تم کہہ رہی ہو تو مان لیتا ہوں۔" اس نے کسر نفسی سے کام لیا۔

"ریئلی یو آر ریچ آ ریئل ناول ہیرو۔" زینی روانی میں کہہ گئی۔

شاہ زیان کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔

"اینڈ یو آر مائے ہیروئن، آئسکریم لوگی؟" ڈنر کے بعد اس نے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اس نے آئسکریم آرڈر کردی۔

"آپ ہر چیز میری پسند کی کیوں منگواتے ہیں، جیسے ڈنر اور اب آئسکریم، اما اور ازمیر نے بتایا ہے کہ آپ کو کریچ پسند نہیں ہے۔" وہ نوٹس کررہی تھی کہ وہ اپنی پسند کو پس پشت ڈال کر اس کی پسند اپنالیتا تھا۔

"تمہیں جو پسند ہے۔" اسے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔

"کسی کے لیے اپنی پسند بدلنا یہ تو زبردستی ہوئی ناں۔" اس نے اختلاف کیا۔

"محبت میں کیسی زبردستی۔" اسپون بھر کر آئسکریم اسے کھلاتے وہ لاجواب کر گیا۔

"محبت کا دعویٰ تو مجھے بھی ہے۔" اب کے اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا لب دانتوں تلے دبائے وہ مسکرائی نظروں سے بلیک سوٹ میں ملبوس اس حسین پری کو دیکھ رہا تھا جسے ملے کچھ مہینے ہوئے تھے مگر وہ اس کی رگ رگ میں بس گئی تھی۔

"بہت غلط مقام پہ دعویٰ کررہی ہو۔" اس نے لوگوں کی موجودگی کا احساس دلایا۔ وہ جھینپ گئی۔ دفعتاً اس کے مسکراتے لب بھنچ گئے وہ بلاشبہ ارسم ہی تھا وہ اسی طرف آرہا تھا۔

"تشریف رکھیں۔" شاہ زیان نے کھڑے ہوکر مصافحہ کرتے اسے دائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ زینی ناسمجھی سے شاہ زیان کو دیکھ رہی تھی۔

"سوری ارسم ہم وقت سے پہلے آگئے تھے اور ہم نے ڈنر بھی کرلیا۔" شاہ زیان نے دوستانہ انداز میں معذرت کی۔ زینی کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ شاہ زیان کی باتوں سے ظاہر تھا ان کی میٹنگ پہلے سے طے تھی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" ارسم کو برا تو لگا لیکن اس نے مروتاً کہا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا شاہ زیان اکیلے آئے گا اور اسے زینی کے متعلق برین واش کرنے کا موقع مل جائے گا مگر اب وہ زینی کے سامنے بھی سب کچھ بولنے کے لیے خود کو تیار کررہا تھا۔

"زینی دوپہر کو ارسم کی کال آئی تھی میرے پاس...... یہ مجھے اپنے اور تمہارے متعلق کچھ بتانا چاہتے تھے۔" شاہ زیان نے زینی کو بتایا۔ ہراساں زینی شاہ زیان کے انداز سمجھنے سے قاصر نظر آرہی تھی۔

"ارسم آپ فون پر بھی سب کچھ کہہ سکتے تھے لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ میں فون پہ اپنی بیوی کا نام لینے پہ آپ کو تھپڑ نہیں مار سکتا تھا۔" شاہ زیان نے کہنے کے ساتھ زناٹے کا تھپڑ ارسم کے منہ پہ مار دیا۔ زینی کا ہاتھ اچانک منہ پہ آپڑا۔ ارسم شاکڈ بیٹھا رہ گیا، ارد گرد کے لوگ بھی متوجہ ہوئے۔

"پھر کبھی میری بیوی کو تنگ کرنے کا خیال بھی آیا تو تمہارے دونوں ہاتھ اس قابل نہیں رہیں گے کہ تم اسے یا مجھے کال کرکے اپنی گھٹیا زبان سے زینی کا نام لو۔" کمال سکون سے بل بک میں کریڈٹ کارڈ رکھ کر ویٹر کے حوالے کیا۔

"زینی......" شاہ زیان اپنا ہاتھ حیران پریشان بیٹھی زینی کے سامنے پھیلاتے اٹھ کھڑا ہوا۔ بدحواس ارسم پہ ایک جتاتی نظر ڈال کر اس نے شاہ زیان کے پھیلے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کھڑی ہوگئی، اسے بازو کے گھیرے میں لیے وہ خارجی راستے کی طرف چل دیا، چلتے ہوئے اس نے کریڈٹ کارڈ لیا دونوں ارسم کی نظروں سے اوجھل ہوگئے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

گاڑی گھر جانے والے راستے پہ سفر کررہی تھی۔ شاہ زیان نے کئی بار ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا، وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ نظریں دوڑتی بھاگتی سڑک پہ تھیں۔ شاہ زیان نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو ہولے سے تھام کر قریب کیا۔ زینی نے خاموشی سے اس کے شانے پہ سر رکھ دیا۔ شاہ زیان کا ہاتھ اس کے بالوں پہ تھا۔

"کچھ برا لگا؟" ہولے سے استفسار کیا۔ عجیب شخص تھا اس کے لیے بڑے سے بڑا کام کرکے پوچھتا تھا اس نے کچھ غلط تو

نہیں کیا۔ اتنے محبت کرنے والے شخص کو غصے میں انتہائی حرکت کرتے اس نے پہلی بار دیکھا تھا جو خاصا حیران کن بھی تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی اس کی حرکت برداشت کرنے کی؟" اس نے نرمی سے استفسار کیا۔

"میں ڈر گئی تھی کہ اگر آپ نے ارسم کی باتوں پہ یقین کر لیا تو میں کیا کروں گی؟"

"ایسا کہہ کر تم مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہی ہو زینی...... تمہیں مجھ پہ ذرا اعتبار نہیں؟" اسے دکھ ہوا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" اس کے آنسو بہنے لگے۔

"کم آن یار رو تو مت۔ ایک ارسم کیا ہزاروں ارسم جیسے لوگ آجائیں میں تب بھی صرف تمہارا یقین کروں گا۔ خواہ تم مجھ سے جھوٹ کہو یا سچ۔" محبت سے گندھا لہجہ اک سحر پھونک رہا تھا۔ اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی تھی۔ تیز رفتار گاڑیاں ہارن بجاتی گزر رہی تھیں۔ اس نے ایک سائیڈ پہ گاڑی کو بریک لگا کر روک لی تھی۔

"تمہارے آنسو کسی دن میری جان لے لیں گے۔" زینی نے وہل کراس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میری بھول تھی جو میں نے آپ کے لیے غلط سوچا...... اب جان گئی ہوں کہ میں آنکھیں بند کر کے آپ پہ بھروسا کر سکتی ہوں۔" اس نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ ڈگمگانے لگا۔

"زینی اگر کبھی تمہیں میرے بارے میں کوئی ایسی بات پتا لگے جو تمہارے لیے قابل نفرت ہو تو...... کیا تم مجھ سے نفرت کرو گی؟" اندر کا خدشہ زبان پہ آیا۔

"مجھے یقین ہے آپ کبھی میرے لیے قابل نفرت نہیں ہوں گے۔" اٹل لہجے پہ وہ اسے دیکھتا رہا۔ اسے شاید ایک اسی غلطی کے ساتھ جینا تھا۔

"میں نے صرف ایک شخص سے نفرت کی ہے۔ بے حد بے حساب اور شاید ساری زندگی کرتی رہوں گی۔"

"کس سے؟" اس کی دھڑکنیں رکیں۔ اس کی دلی خواہش تھی زینی کے لبوں سے نکلنے والا نام اس کے خیال کی نفی کر دے۔

"جس نے جعلی نکاح نامہ دیا تھا۔" زینی کے لہجے میں بے حد نفرت تھی۔ ٹھک بہت اونچائی سے کچھ گرا تھا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں ہر پل اللہ سے دعا کرتی ہوں اللہ جلد اس راز سے پردہ اٹھائے، اس چہرے کو میری آنکھوں کے سامنے لائے جس نے میرے ماتھے پہ سیاہی پھیلائی۔ مجھے لوگوں کے سامنے تماشا بنایا۔" شاہ زیان کا دل جیسے بند ہونے لگا تھا۔ اسے اپنا آپ بہت حقیر لگنے لگا۔ اس سے محبت کا دعویٰ کرتی اس کے ساتھ پہ فخر کرتی اس کی بیوی کو جب خبر ہو گی کہ رب نے اس کی دعا قبول کر لی ہے اس چہرے کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا ہے تو وہ جانے کیا کر جائے۔

"گھر چلیں۔" زینی نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کیا۔ اس نے غائب دماغی سے گاڑی اسٹارٹ کی۔

❋......❋......❋......❋

"بھائی کیا میں پراپر آپ کا آفس جوائن کر سکتا ہوں؟" سب خوشگوار ماحول میں کھانا کھا رہے تھے جب ازمیر نے پوچھا۔

"تم اپنا سارا فوکس ایم بی اے پہ لگاؤ آفس جوائن کر لو گے تو اسٹڈی کو ٹائم نہیں دے سکو گے۔ ویسے ٹائم اسپنڈ کرنے جب چاہو آفس آ جاؤ۔" اس نے خوشدلی سے کہا۔

"شاہ زیان اسعدی بھی ہوتی رہے گی اسے اپنے ساتھ لگاؤ تاکہ کچھ تو بزنس کے داؤ پیچ سیکھے۔" عروسہ بیگم نے کہا۔

"ابھی چھوٹا ہے ماما، سیکھ جائے گا۔" اس نے اس کی سائیڈ لی۔ زینی خاموشی سے اس کی پلیٹ میں وقفے وقفے سے چیزیں رکھ رہی تھی جیسے وہ نوٹس بھی کر رہا تھا مگر چپ کر کے کھاتا رہا۔

"کوئی چھوٹا نہیں ہے تم نے تو ایم بی اے کے پہلے سال سے آفس جانا شروع کر دیا تھا۔" عروسہ بیگم نے یاد دلایا۔

"تم دونوں کو ایک جیسا کیوں سمجھ رہی ہو...... یہ ازمیر ہے جو صرف ہر چیز انجوائمنٹ میں کرتا ہے شاہ زیان تو شروع سے بہت جینئس رہا ہے۔"

"جینئس تو ازمیر بھی ہے ڈیڈ...... ڈونٹ انڈر اسٹیمیٹ ہم۔" شاہ زیان نے ازمیر کا دل برا ہونے سے بچایا۔

"میں نے کتنا کہا کہ ازمیر کو بھی باہر پڑھنے بھیج دیں مگر مانے نہیں۔" عروسہ بیگم نے شاہ زیان سے گلہ کیا۔

"بیگم باہر پڑھنے ... [illegible]

[illegible]

رہی تھی۔ زینی بھی مسکرانے لگی۔

"سارا سال محترم دوستوں، پارٹیز اور ٹور پہ بزی رہتے ہیں۔ پڑھائی میں کہاں سے دل لگے گا۔" واصف آج حساب کتاب کے موڈ میں تھے۔

"چھوڑیں ڈیڈ ابھی چھوٹا ہے۔" اس سے پہلے کہ کلاس لمبی ہوتی شاہ زیان نے طرف داری کی۔

"مام آپ ٹینشن نہ لیں، اسٹڈی کے بعد میں خود ازمیر کو ٹرینڈ کروں گا۔" وہ بیک وقت ماں باپ سے مخاطب ہوا۔

"اس چھوٹے کی بڑی بڑی حرکتوں کی رپورٹ آنے لگی ہے میرے پاس۔" واصف ہاتھ صاف کرتے اٹھ گئے۔

"اور شرمندہ کراؤ اپنے ڈیڈ کے سامنے۔" عروسہ بیگم بھی ازمیر کو گھورتی چلی گئیں۔ ازمیر نے سر جھکا۔

"اسٹڈی پہ فوکس کرو ازمیر۔" انداز ناصحانہ تھا۔ وہ چھوٹوں پہ سختی نہیں کرتا، اتنے پیار سے سمجھاتا تھا کہ زبردستی کی نوبت نہیں آتی تھی۔ اب وہ چاروں رہ گئے تھے۔

"سوری بھائی مام ڈیڈ کو مجھ سے اب شکایت نہیں ہوگی۔ پراس۔" ازمیر جلد سمجھ گیا۔ بات چلتے چلتے سوشل ویب سائٹ پہ آ گئی تھی۔

"بھابی آپ ہیں سوشل میڈیا پہ؟" انا کے اچانک پوچھنے پہ زینی ایک لمحہ کے لیے چپ ہوگئی۔ کیا وقت تھا جب اس کی صبح فیس بک کے بغیر نہیں ہوتی تھی اور اب سالوں بیت گئے تھے۔ وہ تو اپنا اکاؤنٹ ای میل تک بھول گئی تھی۔ شاہ زیان نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تو زینی نے نفی میں سر ہلایا۔

"کمال ہے دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور آپ سوشل میڈیا پہ نہیں ہیں۔" ازمیر کو حیرت ہوئی۔ زینی پھیکے پن سے مسکرائی۔

"میں نے ایک نیا ویب پیج سرچ کیا ہے آؤ تمہیں دکھاؤں۔" انا اور ازمیر باتیں کرتے اٹھے، اب میز پہ وہ دونوں رہ گئے تھے۔

"یہ آپ میری پلیٹ کیوں بھر رہی تھیں۔" شاہ زیان نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے اس کی حرکت کے متعلق استفسار کیا۔

"مجھے حق ہے۔"

"جی تو پھر مجھے بھی حق ہے۔" اس نے بڑا سا نوالہ اس کے منہ میں رکھ دیا۔

❁❁❁❁

زینی وارڈروب کے آگے کھڑی کافی دیر سے کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کئی بار نوٹس کیا مگر دھیان نہیں دیا۔ کچھ دنوں سے وہ جس طرح اپ سیٹ ہو رہی تھی اس نے اسے نوٹس لینے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس کی ہر حرکت کو باریکی سے دیکھ رہا تھا۔ وارڈروب بند کر کے وہ واش روم گئی تو اس نے وارڈروب کی تلاشی لی۔ جلد ہی اس کو ایک مڑا ہوا کاغذ مل گیا۔ ایسا کیا تھا اس کاغذ میں؟ اسے دلچسپی ہوئی۔ اس نے کاغذ کی تہہ کھولی اور پوری عمارت جیسے اس کے اوپر آ گری تھی۔ یہ وہی نکاح نامہ تھا جو اس نے فل کیا تھا۔ اس پہ جا بجا آنسوؤں کے نشانات تھے۔ شاہ زیان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبا دیا تھا۔ آہٹ پہ اس نے کاغذ کو اسی انداز میں تہہ کر کے جگہ پہ رکھ دیا۔ زینی آئی تو وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے لیٹ چکا تھا۔ درحقیقت وہ اس وقت اتنا اپ سیٹ تھا کہ زینی کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا۔ سوشل میڈیا کی بات کر کے ازمیر نے انجانے میں اس کے زخم ہرے کر دیئے تھے۔ روز ہی کوئی نہ کوئی ایسی بات سامنے آ جاتی تھی جس سے اس کا ماضی ایک بار پھر جھانکنے لگتا تھا۔

"یا اللہ...... ایک بار ایک بار میرے مجرم کا چہرہ دکھا دے تاکہ میں اس سے پوچھ سکوں کہ اس نے میرے ساتھ اتنا بڑا مذاق کیوں کیا؟ اسے جھنجوڑ کر بتا سکوں کہ اس نے میرے ساتھ کتنا برا کیا۔" زینی کی آنکھ سے نکل کر ایک بوند بالوں میں جذب ہوگئی تھی۔

"یا اللہ...... میں کیسے اس گھڑی کا سامنا کروں گا جب زینی پہ کھلے گا کہ اس کی زندگی کو کانٹوں کے حوالے کرنے والا کوئی اور نہیں میں ہوں۔" شاہ زیان پریشان ہوا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ دونوں لاتعلقی سے بغیر بات کیے اپنی اپنی جگہ لیٹ گئے تھے۔ درحقیقت ان دونوں کی سوچ ایک دوسرے کے گرد ہی گھوم رہی تھی۔

❁❁❁❁

فردوس کافی دنوں سے اسے بلا رہی تھیں۔ وہ بہت کم ملنے جاتی تھی۔ اکثر فون پہ بات ہو جاتی تھی۔ ملنے نہ جانے کی وجہ علشبہ تھی جس کی طنزیہ گفتگو کو برداشت کرنا مشکل ہوتا تھا مگر آج وہ ہمت کر کے ملنے آ ہی گئی تھی۔ آفس جاتے ہوئے شاہ زیان اسے چھوڑ گیا تھا۔ اس کے مہنگے ملبوسات اور گاڑی سے اترتے دیکھ کر علشبہ کو آگ ہی لگ گئی تھی۔ مصنوعی انداز سے مل کر اپنے

کمرے میں چلی گئی۔
"شاہ زیان نہیں آیا؟" فردوس اسے دیکھ کر کھل گئیں۔
"انہیں دیر ہو رہی تھی شام کو لینے آئیں گے تو ملیں گے آپ سے۔" زینی نے دوڑتے بھاگتے عمیس کو پکڑا۔
"ہوئے پھوپو سے ملے بھی نہیں۔" اس نے خفگی دکھائی۔
"سوری۔" عمیس نے جھٹ ہاتھ ملانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ زینی نے تھام کر گلے لگالیا۔
"اور کسی؟" زینی نے اپنا گال آگے کیا عمیس نے جھٹ چوم لیا۔
"اسکول کیوں نہیں گئے؟"
"اس کی ماں کی آنکھ کھلے گی تو بچہ اسکول جائے گا ناں...... ہفتے میں یہ تیسری چھٹی ہوگئی ہے۔ صبح بھی احرم اسی بات پہ شور کر کے گیا ہے۔" فردوس نے عمیس کے بولنے سے پہلے ناگواری سے وجہ بتائی۔
"آپ جگا دیا کریں۔" زینی نے عمیس کو پیار کرتے فردوس کو مشورہ دیا۔
"ہاں اب یہی کروں گی ورنہ اس کی ماں تو جاہل ہی رکھے گی۔" فردوس دل گرفتہ نظر آرہی تھیں۔
"اچھا چھوڑیں ناں۔" زینی نے موضوع بدلنا چاہا۔
"بتی آئی نہیں کہ میری برائی شروع کردی آپ نے؟" علشبہ سامنے آئی۔
"سچ ہی کہا ہے اور تمہاری چھپ کر باتیں سننے کی عادت کب جائے گی...... اتنا ہی مروڑ اٹھتا ہے پیٹ میں تو بیٹھ جاؤ ہمارے ساتھ۔" فردوس نے بھی ادھار نہ رکھا۔
"مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا۔" علشبہ حریص نظروں سے زینی کے ڈائمنڈ بریسلیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ جل کے عمیس کو کھینچ کر لے جانے لگی۔
"مما مجھے پھوپو کے پاس رہنا ہے۔" عمیس زینی کے ساتھ چمٹ گیا۔
"بھابی رہنے دیں۔" زینی نے اسے روکنا چاہا۔
"چلو عمیس۔" زینی نے لاچاری سے علشبہ کو دیکھا، عمیس کسی طور جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے دھیان آنے پہ پرس کے اندر ہاتھ ڈالا۔
"یہ دیکھو عمیس کے لیے کتنی چاکلیٹس لائی ہوں، آپ جا کے کمرے میں کھاؤ۔" چیزیں دیکھ کر عمیس نے زینی کو چھوڑ کر چیزیں تھام لیں۔ علشبہ اسے کھینچتی لے گئی۔
"جانے کس مٹی سے بنی ہے علشبہ۔" فردوس نے تاسف سے کہا۔
"بھائی اور پپا سے ملے کافی دن ہوگئے کب تک لوٹیں گے؟" زینی نے بات کا رخ بدلا۔
"احرم تو جلدی آجاتا ہے ملاقات ہوجائے گی اس سے۔ تمہارے پپا تو ٹائم پہ ہی آتے ہیں یاد کر رہے تھے تمہیں۔" فردوس کا دھیان بٹ گیا اسے تسلی ہوئی۔
"نبیلہ بھابی نے تو تمہاری شادی کے بعد سے چکر ہی نہیں لگایا۔ میں نے ایک بار فون کیا تو سیدھے منہ بات نہیں کی۔ ارسم کو بھی مہینوں ہوگئے ہیں۔" زینی کے لب بھنچ گئے۔
"ارسم نے اتنی گھٹیا حرکت کی کہ انہیں اپنا کزن کہتے شرم آتی ہے۔" زینی کو غصہ آگیا۔
"ایسا کیا کردیا...... ملا تھا تم سے کیا؟" فردوس کو حیرانی ہوئی۔ زینی نے مسلسل فون دھمکی اور شاہ زیان کا اس کے ساتھ سلوک گوش گزار کردیا۔
"اتنی گری ہوئی حرکت کی اس نے۔" فردوس کو یقین نہ آیا۔
"میں کرتی ہوں تمہارے پپا سے بات وہ بات کریں وقار بھائی سے۔ انہیں بھی تو علم ہو اپنے ہونہار بیٹے کے کرتوت کا۔" فردوس غصے میں آگئیں۔
"آپ ایسا کچھ نہ کریں...... ارسم کو عقل آگئی ہوگی۔"
"اگر اس نے پھر کوئی حرکت کی تو......" فردوس کو دھڑکا ہوا۔
"شاہ زیان کبھی ارسم کی بات کا یقین نہیں کریں گے۔ انہیں مجھ پہ مکمل بھروسا ہے۔" زینی کے لہجے میں شاہ زیان کے لیے محبت بھرا یقین فردوس کو پرسکون کرگیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

ارسم سگریٹ کے دھویں میں کب سے ایک ہیولہ دیکھ رہا تھا۔ زینی کے لیے بچھائے جال میں شاہ زیان نے اسے ہی لپیٹ دیا تھا اور اس کا وہ تھپڑ...... سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں ارسم کو جتنی ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا وہ کبھی بھول نہیں سکتا تھا اور نہ بھولنا چاہتا تھا۔ اندھیرے کمرے کو شرمین نے روشن کیا۔
"کب تک سوگ مناتے رہیں گے اپنی محبوبہ کی شادی کا۔" شرمین کا انداز استہزائیہ تھا۔ ارسم نے خونی نظروں

سے شرمین کو دیکھا۔
"میں نے کتنی بار پوچھا ہے کہ آپ بار بار کسے فون کرتے ہیں مگر آپ نے نہیں بتایا لیکن دیکھ لیں مجھے خبر ہوگئی۔" شرمین کے پاس جب سے علشبہ کی کال آئی تھی وہ ارسم کو چڑا رہی تھی۔
"اب وہ ایک بے حد ہینڈسم بندے کی بیوی ہے، جس کے آگے پیسے کی ریل پیل ہے۔ وہ کیوں آپ کی فون کال سننے لگی گی۔"
"اپنا منہ بند کر کے دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ارسم دھاڑا۔
"میں کیوں جاؤں، سچ کڑوا کیوں لگ رہا ہے۔" شرمین چلائی۔
"عشق آپ فرما رہے ہیں، محبوبہ سے ملنے آپ جاتے ہیں اور مجھ پہ چلا رہے ہیں۔ بہت اچھا کیا شاہ زیان نے آپ کو تھپڑ مار کر، آپ کی اوقات یاد دلائی۔ آپ ہیں ہی اسی قابل......" شرمین غصے میں کہہ رہی تھی، ارسم کی انا پہ چوٹ پڑی، اس نے شرمین کے منہ پہ ایک تھپڑ رسید کیا۔ شرمین ہکا بکا رہ گئی۔
"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ارسم نے روح فرسا جملہ تین بار دہرا کر شرمین کو بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ شرمین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس کے جذبات کو مجروح کرتے ہوئے وہ بھول گئی تھی کہ وہ اپنا اصل چہرہ دکھانے پہ اس کی دنیا ہی اندھیر کر سکتا تھا اور جب وہ فیصلہ سنا چکا تو وہ حیرت سے زمین میں گڑھ گئی۔ دوسروں کو جلا کر مزا لینے والی شرمین انجانے میں خود کو جلا بیٹھی تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

شاہ زیان کی جگہ ازمیر اسے پک کرنے آیا تھا۔
"سوری بھابی بھائی بزی تھے۔ اس لیے انہوں نے مجھے آپ کو پک کرنے کا کہا۔" ازمیر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔
"تمہیں زحمت تو نہیں ہوئی؟ میں احرم بھائی کے ساتھ آ جاتی۔" زینی شاہ زیان کی مصروفیت کا سن کے مطمئن ہوئی۔ صبح سے اس نے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ رات سے ہی وہ عجیب سا بی ہیو کر رہا تھا۔ صبح بھی موڈ خوشگوار نہیں تھا۔
"زحمت کیسی، بھائی کا حکم تھا۔" ازمیر بلاشبہ شاہ زیان سے بہت محبت کرتا تھا۔ "اور پھر بھائی کی کار ڈرائیو کرنے کا مزا ہی الگ ہے۔" ازمیر نے ڈرائیونگ انجوائے کرتے ہوئے کہا۔
"یو نو، بھائی نے پرامس کیا ہے کہ نیکسٹ منتھ میری برتھ ڈے پہ وہ مجھے بھی ایسی ہی کار گفٹ کریں گے۔" وہ خوشی خوشی بتا رہا تھا زینی مسکراتے ہوئے سن رہی تھی۔
"آپ جیلس تو نہیں ہو رہیں۔" اس نے شرارت سے پوچھا۔
"جیلس کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔
"یہی کہ میرے میاں کا پیسہ دیور پہ لگے، سوا ینڈ سو۔" ازمیر کی بات پہ وہ ہنس دی۔
"میرے میاں سے پہلے وہ تمہارے بھائی بھی ہیں۔" زینی نے کہا۔
"آپ کا دل بہت خوب صورت ہے، میری دعا ہے کہ آپ اور بھائی ہمیشہ خوش رہیں اور اللہ سے جو مانگے وہ آپ کو ملے۔" ازمیر نے سچے دل سے دعا دی۔
"مزاج، انداز ایک سے تو ہوں گے اللہ نے مرد کی پسلی سے عورت کو بنایا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"میں تو بہت فکر مند ہوں کہ میری پسلی کہاں گھوم رہی ہوگی؟" ازمیر کی تشویش پہ وہ ہنس دی۔
"یونہی تمہاری طرح کسی کے کان کھا رہی ہوگی۔"
"ریئلی......!" اس نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔
"یس بی۔" ازمیر کے ساتھ سفر کا پتا ہی نہ چلا۔
گھر آئی تو ملازم ٹریولنگ بیگ لے کر نکل رہا تھا۔ وہ حیران ہوتی ہوئی کمرے میں آئی تو شاہ زیان ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔
"آ گئیں...... سوری تمہیں لینے نہیں آ سکا۔" اس پہ ایک نظر ڈال کر کہا۔
"کوئی بات نہیں...... آپ کہیں جا رہے ہیں کیا؟" اس کی تیاری دیکھ کر اس نے پوچھا۔
"ہاں اسلام آباد جا رہا ہوں...... یورپ سے ایک ڈیلی گیشن آیا ہوا ہے اس سے میٹنگ ہے اور کچھ ڈیل فائنل کرنی ہے۔" اب وہ جوتے پہن رہا تھا۔
"اچانک۔" وہ ہاتھ دھونے واش روم کی طرف بڑھا۔ ہاتھ خشک کرتے واپس آیا۔
"میٹنگ تو مہینوں سے طے تھی ڈیٹ آج کنفرم ہوئی ہے۔" کوٹ بازو پہ ڈالتے اس کے قریب آیا۔ وہ چپ سی ہوگئی۔ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ بھر لیا۔

"چار دن میں لوٹ آؤں گا۔" محبت بھری نظر سے اس کے اداس چہرے کو دیکھا۔ ایک بے نام سی بے چینی شاہ زیان کی آنکھوں میں آ گئی تھی۔

"جانے پھر کبھی وہ یہ چہرہ اتنے قرب سے دیکھ پائے گا یا نہیں۔" اس کا دل اس سوچ سے ہی بند ہونے لگا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ پریشان تھا یہ وہ جان گئی تھی۔

"میں ساتھ چلوں..... آپ کو بالکل ڈسٹرب نہیں کروں گی۔" جانے کیسے بے ارادہ اس کے منہ سے نکلا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ خود اسے ساتھ لے جاتا۔

"پھر کبھی، ابھی میں ایک اہم فیصلہ کرنے جا رہا ہوں اس فیصلے کے اچھے اثرات ہوئے تو پھر کبھی تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ ٹرسٹ می۔" عجیب غیر مبہم انداز تھا۔ اس کی حیران آنکھوں کو محبت سے بند کر کے وہ تیزی سے پلٹ گیا اور زینی ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

علشبہ نے شرمین کی طلاق کا سن کر گھر میں رونا ڈال دیا۔ منہ بھر بھر کر زینی کو گالیاں دیں، احرم تک اس کی آواز پہنچی تو وہ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔

"میری بہن کا نام بھی تمہاری زبان پہ آیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تمہاری بہن خود گھر بسانے والی نہیں تھی اور اگر تم نے اس سے سبق نہ سیکھا تو ایسا نہ ہو بڑھاپے میں تمہاری ماں کو دو دو طلاق یافتہ بیٹیوں کو گھر میں بٹھانا پڑے۔" احرم کی دھمکی پہ علشبہ کا واویلا کم ہو گیا، وہ اپنا گھر اجاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ شرمین کے ساتھ ہوئے سانحے نے اسے محتاط کر دیا تھا، احرم کی دھمکی بھی اثر کر گئی تھی۔ فردوس تک یہ خبر پہنچی تو انہیں تاسف ہوا۔

"بہت غلط کیا ارسم نے..... میں تو اسے بہت سمجھ دار سمجھتی تھی۔"

"برے کام کا برا نتیجہ ہی ہوتا ہے۔ علشبہ نے پلاننگ اور شرمین نے چالاکی سے زینی کے حق پہ ڈاکہ ڈالا تھا۔ انجام تو ایسا ہی ہونا تھا۔ زینی کے ساتھ ان لوگوں نے جتنا برا سلوک کیا یہ اسی کا مکافات عمل ہے۔" احرم نے فردوس کو افسوس کرنے سے روک دیا۔

"پھر بھی بیٹا کسی بھی بچی کا گھر اجڑنا اچھی بات نہیں، اس کا گھر بچانے کے لیے زینی نے ارسم کو بارہا ٹھکرایا اور ارسم نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر زینی کی زندگی میں زہر گھولنا چاہا۔"

فردوس روانی میں کہہ گئیں۔ احرم کے کان کھڑے ہوئے۔

"کیا، کیا ہے ارسم نے؟"

"کچھ نہیں بس یونہی منہ سے نکل گیا تھا۔" فردوس نے بات بنائی۔

"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔" وہ فردوس کے انداز پہ مشکوک ہوا، ناچار فردوس کو بتانا پڑا۔

"ارسم اتنی گری ہوئی حرکت کرے گا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" احرم کو غصہ آ گیا۔

"اب تم کچھ نہ کرنا..... زینی نے مجھ سے وعدہ لیا تھا۔ وہ میں تو روانی میں کہہ گئی۔"

"یہ تو شاہ زیان کا بڑا پن ہے جو اس نے ارسم کو منہ توڑ جواب دیا اگر وہ ارسم کی باتوں میں آ کر کوئی ایسا ویسا فیصلہ کر جاتا تو پھر......"

"اللہ نے زینی کے لیے بہترین انتخاب کیا ہے۔ یہ مکافات عمل ہی تو ہے۔ ارسم زینی کی زندگی میں زہر گھولنا چاہتا تھا۔ اس کا گھر توڑنا چاہتا تھا۔ اللہ نے اس کا آشیانہ بکھیر دیا۔ وہ بہترین انصاف کرنے والا ہے۔" فردوس نے احرم کو سمجھایا۔ جس سے اس کا غصہ کچھ کم ہو گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

عروسہ بیگم کافی پی رہی تھیں ازمیر اور انا ویڈیو گیم کھیل رہے تھے۔ زینی عروسہ بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"بھابی ہمارے ساتھ کھیلیں۔" انا نے آفر کی۔

"مجھے ان چیزوں میں بالکل دلچسپی نہیں ہے تم لوگ کھیلو میں دیکھ رہی ہوں۔" اس نے معذرت کر لی۔

"شاہ زیان کی کال آئی تھی؟" عروسہ بیگم اس کی اداس شکل کو دیکھ رہی تھیں۔ جب ہی پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بزی ہوگا۔ واصف بتا رہے تھے شاہ زیان نے اس ڈیل کے لیے مہینوں محنت کی ہے۔ ڈیل فائنل ہو جاتی ہے تو کمپنی کو بہت فائدہ ہوگا۔"

"ان شاء اللہ شاہ زیان کامیاب لوٹیں گے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"صبح ہوئی تھی میری بات شاہ زیان سے..... زیادہ لمبی بات نہ ہو سکی بس خیر خیریت ہی پوچھ سکی۔" عروسہ بیگم نے اطلاع دی۔ زینی محویت سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا؟ چپ چپ سی ہو..... کمزور بھی لگ رہی

ہو۔" عروسہ بیگم نے اس کے پھیکے چہرے کو دیکھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے تسلی دی۔
"مجھے نہیں لگ رہی، تم چلنا میرے ساتھ، ڈاکٹر کے پاس شاہ زیان نے واپس آ کر تمہیں ایسا دیکھا تو خفا ہوگا۔" وہ سر ہلا کے رہ گئی۔
"میں ذرا اپنی دوست کی طرف جا رہی ہوں تم گھر اور ان دونوں کا خیال رکھنا۔" عروسہ بیگم اسے ذمہ داری دیتی اٹھ گئیں۔
"ازمیر گاڑی لے کر کہیں نکلنے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے ڈیڈ نے سختی سے منع کیا ہے۔" عروسہ بیگم نے وارن کیا۔
"او کے مام۔" تیز آواز میں جواب دے کر ازمیر پھر سے گیم میں لگ گیا۔
زینی خاموشی سے دونوں کو دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ شاہ زیان کو گئے آج تیسرا دن تھا۔ اس نے ابھی تک اسے کال نہیں کی تھی۔ خود اس نے کئی بار کال کی مگر اس نے ریسیو نہیں کی، اس کی مصروفیت کا سوچ کر خیال تھا کہ وہ کسی پہر فری ہو کر کال کرے گا مگر یہ بھی اس کی خوش فہمی ثابت ہوئی۔ اس نے کال بیک نہیں کی تھی۔ زینی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس کی عادی ہو گئی تھی۔ اس کی محبت زینی کے اندر زندگی بن کر دوڑنے لگی تھی لیکن اب جانے کیا ہوا تھا...... کسی انہونی کے خیال سے زینی کا دل دھڑک رہا تھا۔ کچھ غیر معمولی تھا۔
"جس دن تمہاری آواز نہ سنوں، تمہاری صورت نہ دیکھوں اس دن میرا سورج طلوع نہیں ہوگا۔" شاہ زیان نے بہت محبت سے اسے کہا تھا، جب اس نے میکے میں ایک دن رکنے کی بات کی تھی۔ شاہ زیان کے تکیہ پہ ہاتھ پھیرتے اس کی بے اعتنائی پہ آنسو بہنے لگے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

الجھا سہی نگاہوں سے، ڈوبا نہیں ہوں میں
اے رات خبردار کہ ہارا نہیں ہوں میں
درپیش صبح و شام یہی کشمکش ہے اب
اس کا بنوں میں کیسے کہ اپنا نہیں ہوں میں
مجھ کو فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں مگر......!
جتنا برا سمجھتے ہو اتنا نہیں ہوں میں
ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرز منافقت
دنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں......!

دیوار سے پیشانی ٹکائے مکہ دیوار پہ مارتے وہ خود کو سخت بے بس محسوس کر رہا تھا۔ آفس کا کام دو دن میں ختم ہو گیا تھا لیکن اس نے جس فیصلے کے لیے زینی سے دوری قائم کر رکھی تھی وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اسے یہ احساس کچوکے لگا رہا تھا کہ وہ زینی کو دھوکا دے رہا ہے، اس کا مجرم ہوتے ہوئے اس سے چھپا بیٹھا ہے۔ اس سے دور خود میں ہمت جتانے کے لیے ہوا تھا۔
"زینی نے سچ جان کر اس سے نفرت کی تو وہ کیا کرے گا؟" یہ دنیا کا وہ سب سے خوفناک سوال تھا جس کے آگے وہ خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔ زینی کی کال آ رہی تھی مگر وہ اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک بار بند ہونے کے بعد دوبارہ سیل فون بجنے لگا تھا، پوزیشن بدل کر اس نے کال ریسیو کی۔
"ہیلو مام۔"
"کیسے ہو شاہ زیان؟" دوسری طرف عروسہ بیگم فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔
"ٹھیک ہوں مام۔"
"تم تو چار دن کا کہہ کر گئے تھے ہفتہ ہونے کو آیا ہے، کب لوٹو گے، سب ٹھیک ہے ناں؟" عروسہ بیگم کے لہجے میں خدشے بول رہے تھے۔
"سب ٹھیک ہے، بس کچھ کام نکل آیا تھا۔ پرانے دوست بھی مل گئے تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ جھوٹ بولنا اس کا شیوہ نہیں تھا۔
"تمہاری زینی سے کوئی لڑائی ہوئی ہے کیا؟" عروسہ بیگم کے اچانک سوال پہ وہ چونکا۔
"نہیں تو۔" اس کا نام سنتے ہی دل گداز ہونے لگا۔
"پھر تم اسے کال کیوں نہیں کر رہے، پتا ہے اس پاگل لڑکی نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے، کمرے میں بند رہتی ہے۔"
"جی میں کر لیتا ہوں کال۔" اس نے اذیت سے مٹھیاں بھینچیں۔
"ہاں کر لو مجھے تو اس کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ تمہارے ڈیڈ بھی صبح دبئی کی میٹنگ کے لیے نکل گئے ہیں۔" عروسہ بیگم نے اطلاع دی۔
"جی ڈیڈ سے بات ہوئی ہے میری۔"
"تم اپنا خیال رکھنا اور اس لڑکی کو بھی سمجھاؤ میری تو سن نہیں رہی۔"

"جی کرتا ہوں۔" فون رکھ کر دونوں ہاتھوں سے بالوں کو مٹھیوں میں بھرتے وہ جیسے خود کو تیار کر رہا تھا پھر کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے زینی کا نمبر ڈائل کیا۔ پشت دیوار سے لگائے اس نے فون کان سے لگایا۔

"شاہ......" دوسری طرف چند سیکنڈ میں کال ریسیو ہوئی تھی سسکی سے مشابہ اس کی پکار پہ وہ دیوار سے سر ٹکاتے اذیت کے عالم میں آنکھیں موند گیا۔

"آپ سن رہے ہیں ناں شاہ؟" اس کے لہجے کی بے قراری اسے مزید بے سکون کر گئی۔

"مام بتا رہی تھیں تم اپنا خیال نہیں رکھ رہیں، کھانا بھی چھوڑا ہوا ہے۔" بے تاثر لہجہ تھا۔

"میرا کچھ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا، آپ کب آئیں گے۔" بے چارگی کا اظہار کر کے اس نے سوال کیا۔

"دو دن بھی لگ سکتے ہیں، دو ماہ بھی۔" تھکاوٹ بھرا لہجہ تھا۔

"کیوں ایسا کون سا کام ہے؟" اس کے بے گانہ انداز پہ وہ پریشانی ہوئی۔

"تم اپنا خیال رکھو میں پھر کوئی شکایت نہ سنوں۔" وہ اس کو صاف نظر انداز کر کے نصیحت کر رہا تھا۔

"بزی ہوں، بعد میں بات کرتا ہوں۔" اس نے کال ڈسکنکٹ کر دی۔

"ہیلو شاہ......" وہ پکارتی رہ گئی مگر اس کی پکار سننے والا نہیں تھا۔ اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس سے بات کر کے وہ مزید اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ کھڑکی کے پاس کھڑے اس نے غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمادی تھیں۔

❀....❀....❀....❀

زینی شاہ زیان کا انداز سمجھنے سے قاصر تھی۔ بے حد محبت کرنے والا شوہر کیوں انجان بن گیا تھا۔ وہ بے خبر تھی۔ اسے اعتراف تھا کہ محض آٹھ ماہ کی رفاقت میں وہ شخص اس کے لیے بہت اہمیت اختیار کر گیا تھا اور اب اس کی بے توجہی کھل رہی تھی۔ ازمیر اور انا یونیورسٹی گئے ہوئے تھے۔ عروسہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ باتوں میں لگایا ہوا تھا۔

"شیف کو کافی کا کہا تھا جانے کہاں رہ گئی کافی۔" عروسہ بیگم اٹھنے لگیں۔

"آپ بیٹھیں میں لے کر آتی ہوں کافی۔" زینی تیزی سے اٹھی اور اگلے ہی لمحے چکرا کر صوفے پر گر گئی۔

"زینی......" عروسہ بیگم فکر مندی سے اسے اٹھانے لگیں۔ چند سیکنڈز تک اسے خود کو سنبھالنے میں لگے۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں؟" عروسہ بیگم فکر مندی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اچانک اٹھی تو چکر آ گئے۔" زینی نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"مائے گاڈ تم نے تو ڈرا ہی دیا...... کھانا پینا چھوڑ نا رنگ دکھانے لگا ہے، تم چلو میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس...... شاہ زیان نے لوٹ کر تمہاری ایسی حالت دیکھی تو سب سے ناراض ہو جائے گا۔ جانتی ہو وہ کتنا پوزیسو ہے تمہارے معاملے میں۔" عروسہ بیگم فکر مندی سے کھڑی ہوئیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے بچنا چاہا۔

"بالکل نہیں، اٹھ جاؤ بس...... وسیم۔" عروسہ بیگم نے اسے حکم دیتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔

"ہم ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں گھر کا خیال رکھنا۔" ملازم کو ہدایت کر کے عروسہ بیگم نے اسے اٹھایا۔

"مام آپ بلاوجہ پریشان ہو رہی ہیں۔"

"تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔" عروسہ بیگم اس کا ہاتھ پکڑ کر پورچ کی طرف بڑھ گئیں۔ فیملی لیڈی ڈاکٹر نے بلڈ اور یورین سمپل لیے بی پی چیک کیا، کچھ بنیادی سوالات کیے زینی ناسمجھی کے عالم میں جواب دے رہی تھی۔

"مبارک ہو آپ دادی بننے والی ہیں۔" ڈاکٹر منیزہ نے رپورٹ دیکھ کر مسکراتے ہوئے مبارک باد دی۔

"ریئلی...... او تھینکس بیٹا۔" عروسہ بیگم نے خوشی کا اظہار کرتے حیران زینی کو ساتھ لگا لیا۔

"بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹس چار دن بعد آ جائیں گی۔ آپ ان کا خیال رکھیں یہ بہت کمزور ہو رہی ہیں، میں کچھ ٹانک لکھ رہی ہوں، وٹامنز کی کمی ہے انہیں پراپر لیں۔" ڈاکٹر منیزہ پروفیشنل انداز میں ایڈوائس کر رہی تھیں۔

"تم کہو تو شاہ زیان کو انفارم کروں؟" عروسہ بیگم نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"آپ انہیں ابھی کچھ نہ بتائیں جب وہ آ جائیں گے تب......" وہ جھینپ کے چپ ہوئی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" عروسہ بیگم مسکرائیں۔ "وہ تو اس تیز

کو سن کر خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔" زینی، اس کے متوقع ردعمل کا سوچ کر مسکرا دی۔

✿.....✿.....✿.....✿

سیاہ تارکول پہ چلتے ہوئے وہ جیسے خود سے بھاگتے بھاگتے تھک گیا تھا۔ ہنستے کھلکھلاتے چہروں کو ایک دوسرے میں مگن دیکھ کر اسے شدت سے اپنے خالی پہلو کا احساس ہوا تھا۔ کتنے ہی دنوں سے وہ اس سے دور تھا۔ وہ جو اس کے وجود کا حصہ تھی۔ وہ اس سے لاتعلق ہو کر خود کو سزا دے رہا تھا لیکن اب نہیں، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ زینی کے سامنے اس سچ سے پردہ اٹھا دے گا۔ بتا دے گا کہ اس کا مجرم ایک عرصے سے اس کے سامنے ہے مگر وہ اسے پہچان نہ سکی پھر اس کا جو فیصلہ ہوگا وہ قبول کر لے گا..... اس کی نفرت بھی سہہ لے گا تھک کر اونچے لمبے پیڑ سے ٹیک لگاتے اس نے اس کا نمبر ملایا۔ ایک بار پھر اسی بے تابی سے کال ریسیو ہوئی تھی۔ اس نے شاید فون سے الگ ہونا چھوڑ دیا تھا۔

"شاہ....." اس کی سسکی نکلی۔

"کیسی ہو شاہ کی جان۔" وہ جب اسے شاہ کہہ کر پکارتی تھی تو اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اتنے دنوں میں پہلی بار اس کا حال پوچھنے کا خیال آیا تھا۔ اس کا دل گداز ہوا۔

"آپ کے بغیر بہت اکیلی اور بہت تنہا۔" لہجہ روہانسا تھا۔

"دنیا کی بھیڑ میں، میں بھی تمہارے بغیر اکیلا ہوں۔"

"پھر اتنے دنوں سے دوری کی سزا کیوں دے رہے ہیں، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو بتا دیں تاکہ میں معافی مانگ سکوں..... کیوں اجنبی بنے بیٹھے ہیں؟" اس کی آواز کی گرمی اس کے جسم میں حرارت دوڑا گئی تھی۔

"غلطی تو مجھ سے ہوئی ہے اسی کو تسلیم کرنے کی ہمت خود میں پیدا کر رہا تھا۔ جانے تم مجھے کیا سزا دو گی..... مگر اب میں مزید تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا، تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔" وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"کیسی غلطی..... کیسا دھوکا؟" وہ حیران ہوئی۔

"یہ میں تمہارے روبرو آ کر بتاؤں گا۔" وہ پریشان تھا اندر سے ڈرا ہوا بھی۔

"کیسا ڈر ہے آپ کو؟" اس کے لیے شاہ زیان کا لہجہ حیران کن تھا۔

"ہر انسان اپنے اندر کی کمزوری سے ڈرتا ہے اور میری کمزوری تم ہو۔" وہ گول مول باتیں کر رہا تھا۔

"میں منتظر رہوں گی اور مجھے یقین ہے آپ کا ہر ڈر بے جا ثابت ہوگا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو؟" اس نے رکی سانس بحال کی۔

"مجھے بھی آپ سے ایک بات شیئر کرنی ہے۔" زینی نے شاہ زیان کی بڑی سی تصویر پہ نظریں جما دی جو اس نے آج ہی کمرے میں لگائی تھی۔

"کرو۔"

"جب آپ روبرو ہوں گے تب کروں گی۔" وہ اسی کے انداز میں بولی۔

"اچھا۔" وہ ہولے سے ہنسا۔ "زینی....." پکار کچھ غیر معمولی تھی۔

"جی۔" وہ متوجہ ہوئی۔

"میں تمہارے بنا جی نہیں سکتا۔" جملے کی تاثیر اس کے جذبوں سے چور لہجے نے بڑھا دی تھی۔

✿.....✿.....✿.....✿

وہ خوشی خوشی عروسہ بیگم کو بتانے آئی تھی کہ شاہ زیان کل آ رہا ہے۔ عروسہ بیگم اسے لاؤنج میں فون پہ بات کرتی نظر آ گئی تھیں۔

"میں اگر دنیا میں کسی سے شدید نفرت کرتی ہوں تو وہ شاہ زیان ہے۔" عروسہ بیگم اپنی بڑی بہن سے گفتگو کر رہی تھیں۔ زینی کے بڑھتے قدم ان کے الفاظ سن کر ٹھٹک گئے۔ اسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہے اسے دھوکا ہوا ہے۔

"جس دن سے واصف نے پاور آف اٹارنی شاہ زیان کے نام منتقل کرنے کی بات کی ہے میرے سینے پہ سانپ لوٹ رہے ہیں۔ ایسا اپنی زندگی میں تو ہونے نہیں دوں گی۔ میری اتنے سالوں کا یہ خراج کہ شاہ زیان کو بزنس کی باگ ڈور تھما دوں..... کبھی نہیں..... یہ سب میرے دونوں بچوں کا ہے۔" زینی کے پیروں سے جیسے زمین نکل گئی تھی۔ عروسہ نے کسی کی موجودگی محسوس کر کے گردن گھمائی۔ زینی کو دیکھ کر انہوں نے سپاٹ تاثرات دیے اور الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا۔ زینی متحیر انہیں دیکھ رہی تھی۔ عروسہ بیگم اسے دیکھ کر مسکرائیں اور اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے پہ لا کر بٹھا دیا۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ

گئیں۔ زینی کے دونوں ہاتھ ان کے ہاتھوں میں تھے۔ اس کے چہرے پہ سوائے حیرانگی کے اور کوئی تاثر نہ تھا۔ عروسہ بیگم مسکرائیں مذینی کو ان کی مسکراہٹ بہت پراسرار لگی۔

"شاید یہ جان کر حیران ہو رہی ہو کہ میں جو شاہ زیان سے محبت کا دم بھرتی ہوں، اس کے لیے نفرت کا اظہار کیسے کر سکتی ہوں ہے ناں؟" زینی ساکت ان کے انداز کو دیکھ رہی تھی۔

"شاہ زیان چار سال کا تھا جب میری آغوش میں آیا تھا۔ اس کی ماں بلڈ کینسر کی وجہ سے مرگئی تھی...... تب وہ تین سال کا تھا...... واصف کو میں نے اپروچ کیا تھا...... پیسہ اور پاور میرا شوق تھا لیکن واصف نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اسی صورت میں مجھ سے شادی نبھائیں گے جب تک میں شاہ زیان کو سگی ماں کی طرح پیار کروں...... اینڈ لک ایٹ می آج میں کامیاب ہوں اب شاہ زیان پینتیس سال کا ہوگیا ہے، واصف میری محبت کی مالا جپتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے دونوں سگے بچوں کو بھی آج تک نہیں بتایا کہ شاہ زیان ان کا سوتیلا بھائی ہے خود شاہ زیان نے بھی نہیں بتایا...... سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا لیکن واصف نے پاور آف اٹارنی شاہ زیان کے نام کرنے کا سوچ کر سب غلط کردیا...... تب میں نے پلاننگ شروع کردی...... شاہ زیان نے جب ایک بیوہ...... اوسوری تم ہرٹ تو نہیں ہوئیں۔" عروسہ بیگم نے ڈرنے کی اداکاری کی۔

"کیا کروں شاہ زیان کی سختی سے انٹرکشن ہے کہ تمہیں ہرٹ نہ کیا جائے۔ وہ تمہارے لیے پاگل جو ہے۔" عروسہ بیگم ہنسی۔

"اس نے جب تم سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میرا دل موری بن کر ناچنے کو چاہنے لگا۔ جب وہ خود اپنی دکھتی رگ مجھے تھما رہا تھا تو مجھے پاگل کتے نے کاٹا تھا جو میں پیچھے ہٹتی۔ اپنی بھانجی عمامہ کو ناراض کرکے تمہیں بیاہ لائی کہ تم میرے عزیز از جان بیٹے کی کمزوری تھی۔ اگر تم بیچ میں نہ آتیں تو پلان بی (عمامہ) شاہ زیان کی بیوی ہوتی اور وہ اپنے نام سب کروا لیتی جو ہماری ڈیل تھی لیکن تم نے سارا پلان چینج کردیا اور یہ زیادہ اچھا ہوا۔" زینی تحیر سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ان کے انداز سے ظاہر تھا ان کے سینے میں کوئی راز دفن ہے۔

"شاہ زیان جو میری محبت کا دم بھرتا تھا تمہیں بیاہ کر لانے پہ میں اس کی نظروں میں عظیم بن گئی۔ پاور آف اٹارنی منتقل ہونے تک یہ کھیل ابھی چندہ ماہ اور چل سکتا تھا، تم اس گھر میں مزید کچھ دن عیش کرسکتی تھیں مگر تمہیں شاہ زیان کے بچے کو دنیا میں لانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی لے ڈوبی۔" ان کی تمسخرانہ نظروں سے زینی تھرا گئی۔ اسے ان سے بے حد خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

"میں جو اس دولت سی شاہ زیان کو پھوٹی کوڑی دینے کی روادار تھی نہیں کجا اس کے بچے کو...... کبھی سوچنا بھی مت۔" عروسہ بیگم کا بدلہ چہرہ زینی کے اوسان خطا کررہا تھا، محبت کے پیچھے نہایت مکروہ چہرہ تھا۔

"بیچارا شاہ زیان...... جانے کیسا نصیب لکھوا کر لایا ہے کہ اس کے نصیب میں کسی عورت کا پیار نہیں لکھا...... ماں تین سال کی عمر میں چلی گئی، میں نے ساری زندگی پیار کا دکھاوا کیا اور آخر میں بچیں تم۔" وہ ہنسیں۔

"اب جو حقیقت میں تمہیں بتانے جارہی ہوں اسے سن کر تو تم مجھ سے زیادہ شاہ زیان سے نفرت کرنے لگو گی۔" زینی کی تمام حسیں جاگ گئیں۔

"میں جانتی ہوں تم اس شخص سے شدید نفرت کرتی ہو، جس نے تمہارے کردار پہ لوگوں کو انگلی اٹھانے کا موقع دیا تھا۔ تمہارے منہ پہ کالک مل دی تھی اور جانتی ہو ایسا کرنے والا کون ہے؟" عروسہ بیگم اس کے قریب ہوئیں، زینی کے دماغ نے جیسے سوچنا چھوڑ دیا تھا۔

"شاہ زیان۔" عروسہ بیگم ہنسیں۔ زینی کے چہرے سے جیسے کسی نے آنکھیں چھین لی تھیں۔

"شاہ زیان اپنی پھوپو تائی کے گھر اکثر جاتا تھا۔ وہیں اس نے تمہاری باتیں سنی تھیں اور شاید پیار ہوگیا تھا واٹ ایور......" عروسہ بیگم نے سر جھٹکا۔

"ایک شرارت کرکے وہ تو آکسفورڈ چلا گیا اور پیچھے تمہیں رلنے کو چھوڑ گیا...... اس نے تمہیں تماشا بنا دیا اور جب لوٹا تو کفارے یا ازالے کے لیے تم سے شادی کرلی، یہ سب میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ مجھے لگتا ہے تم ایک قابل نفرین شخص کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کروگی، کجا کہ اس کا بچہ پیدا کرو، عورت اپنے کردار پہ انگلی اٹھانے والے کو کبھی نہیں بخشتی یہ میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں لیکن اگر تمہیں اس کے ساتھ رہنا ہے تو آئی ڈونٹ مائنڈ، کچھ لوگ ہوتے ہیں بے غیرت۔" زینی میں ہلنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

"مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے، میں نہیں چاہتی تم مزید

شاہ زیان کے ہاتھوں بے وقوف بنو، اس کی دھوکے بازی کو محبت سمجھو...... شاہ زیان کو تم سے محبت وحبت نہیں ہے وہ صرف اپنی غلطی کا ازالہ کرکے اپنے ضمیر کے آگے سرخرو ہونا چاہتا ہے، اگر وہ اتنا سچا ہوتا تو تمہیں اندھیرے میں کیوں رکھتا؟" عروسہ بیگم اب ہمدردی کررہی تھیں۔ زینی کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔ اتنا بڑا فریب، اتنا بڑا دھوکا، وہ رو رو کر اللہ سے اپنے مجرم کو سامنے لانے کی دعا کرتی رہی، مجرم اس کی آنکھوں کے سامنے تھا لیکن اس میں پہچاننے کی بصیرت نہ تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

پورے گھر میں اسے ڈھونڈتا آوازیں دیتا آخر میں وہ بیڈ روم میں آیا مگر وہ یہاں بھی نہیں تھی۔ اس کی بے قراری سوا ہورہی تھی، اتنے دنوں کے بعد وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

"زینی۔" وہ اسے پکار رہا تھا، پھر سیل فون اٹھا کر کال کرنے لگا اس کا نمبر بند تھا، اس کے خیال میں وہ ہر وقت وہ منتظر رہتی، اتنے دن دوری پہ ناراض ہوتی مگر وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ خاموش متعجب تھا، عروسہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

"مام زینی کہاں ہے؟ نظر نہیں آرہی۔" عروسہ بیگم کے چہرے کی کیمسٹری کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔

"زینی بہت ناراض ہے مام، جو سامنے نہیں آرہی۔" وہ بے چین ہوا "میں نے بہت دن لگادیے ناں۔"

"زینی اپنے گھر چلی گئی ہے کبھی نہ لوٹ کر آنے کے لیے۔" عروسہ بیگم کی بات پہ اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"ایسا کیسے کرسکتی ہے وہ؟ میں ابھی اسے لے کر آتا ہوں۔" وہ دروازہ کی طرف بڑھنے لگا۔

"بات سنو شاہ زیان۔" عروسہ بیگم کی پکار پہ اس کے بڑھتے قدم رکے۔

"مام وہ ناراض ہوگئی ہوگی میں چار دن کا کہہ کر پندرہ دن میں لوٹا ہوں، میں اسے منالوں گا۔" اسے یقین تھا۔

"وہ جان گئی ہے کہ جعلی نکاح نامہ بھیجنے والے تم ہو۔" عروسہ بیگم کے انکشاف پہ شاہ زیان پتھرا گیا، بے پناہ خوف اس کی آنکھوں میں آگیا تھا۔ ایک اسی خوف سے کہ اسے کسی اور سے یہ حقیقت پتا نہ چلے پندرہ دن وہ اپنے آپ سے لڑتا رہا تھا۔ اس کی دوری برداشت کی تھی اور جب خود میں سزا بھگتنے کی ہمت کرکے لوٹ آیا تو وہ نہیں تھی۔ اس نے دیر کردی تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"کیسے......؟" اس کے بھینچے بھینچے لبوں سے بہ مشکل نکلا۔

"گھر کے کسی ممبر نے تو نہیں کہا ہوگا کہ ہمیں تمہاری خوشی عزیز ہے۔ شاید کسی ملازم نے...... وہ کون ہے میں جلد پتا کرلوں گی۔" عروسہ بیگم دلاسا دے رہی تھیں۔ شاہ زیان کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے وہ ڈھے گیا تھا۔

"تم خود کو سنبھالو...... میں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ تم سے بے حد نفرت کا اظہار کرکے چلی گئی، اس نے کہا ہے اگر تم اس کے پیچھے آئے تو وہ خودکشی کرلے گی اور یہ کہ تمہارے ساتھ گزارے وقت پہ اسے ساری زندگی پچھتاوا رہے گا۔" عروسہ بیگم کی باتیں شاہ زیان کو کھوکھلا کر گئی تھیں۔ وہ رونے لگا تھا۔

"تم فکر نہ کرو میں کوشش کروں گی اسے منانے کی، میں ہوں ناں تمہاری ماں۔" وہ اس کے بال سہلا رہی تھیں۔

"میں بہت برا ہوں...... بہت برا۔" عروسہ بیگم اسے بہ مشکل سنبھال رہی تھیں۔

وہ جیسے حواس کھونے لگا تھا۔ چیخ چیخ کے زینی کو پکار رہا تھا، اس کی چیخ سن کر ازمیر اور انا بھی آگئے تھے۔ شاہ زیان کی حالت دیکھ کر دونوں پریشان ہوئے، حقیقت جان کر ان کے پیروں سے بھی جان نکل گئی تھی۔

"ازمیر پلیز، تھوڑی دیر اور اس کی یہی حالت رہی تو اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" عروسہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔ ازمیر بھاگ کر دوا لے آیا۔ زبردستی دوا کھلا کر عروسہ بیگم اس کا سر گود میں رکھے اسے سونے کی ترغیب دے رہی تھیں۔

"کچھ دیر آرام کرلو شاہ زیان پھر ہم اس مسئلے کا حل سوچیں گے۔" عروسہ بیگم اسے بہلا رہی تھیں۔ وہ غنودگی میں جانے لگا تو انہوں نے دونوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

"اب ساری زندگی تمہیں اسی پلو کا سہارا لینا پڑے گا۔" مکروہ مسکراہٹ سے عروسہ بیگم اس پہ کمبل ڈال کر اسے دیکھ رہی تھیں اس کی تھکی سانسوں میں بھی زینی کا نام تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀

وہ کسی پرفسوں پرستان کی سیر کو چلی گئی تھی۔ جہاں ایک

ساحر نے اسے اپنے بس میں کرلیا تھا لیکن جب آنکھ کھلی تو نہ ساحر تھا نہ اس کی چاہت کا احساس۔ زینی بھی جیسے گہری نیند سے جاگ گئی تھی جس انسان کو وہ ہر لمحے کے آٹھ پہر اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھی وہ اس کے بے حد قریب رہا مگر وہ بصیرت کھو چکی تھی۔ اسے پہچان نہ سکی۔ اسے اپنے وجود سے نفرت محسوس ہوئی، کتنا عرصہ وہ اس کی جھوٹی محبت کا گھونٹ پیتی رہی اور اب اس کی نشانی اس کے اندر سانس لینے لگی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود بھی اپنے اندر کے وجود سے نفرت محسوس نہ کرسکی۔ فردوس اس کی اچانک آمد اور خاموشی پہ پریشان ہوگئی تھیں۔ کہاں وہ مہینوں شکل نہیں دکھاتی تھی اور اب اسے آئے دو دن ہوگئے تھے وہ کچھ نہیں بتا رہی تھی، ضیاء اور احرم بھی پریشان ہوئے علشبہ کو کھد بد لگی ہوئی تھی مگر اس کی خاموشی نہیں ٹوٹ رہی تھی۔

فردوس نے عروسہ بیگم کو کال کی تھی۔ عروسہ بیگم کی زبانی انہیں یہ روح فرسا خبر ملی تو فردوس بھی کچھ لمحے بولنا بھول گئیں۔

"میرے بیٹے نے ایک غلطی کی مگر اس کا ازالہ بھی کیا لیکن آپ کی بیٹی کے مزاج نہیں گھر بسانے کے، میرے بیٹے کو کون سا لڑکیوں کی کمی ہے میں جلد ہی اس کی دوسری شادی کروادوں گی۔" عروسہ بیگم جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں فردوس نے فون بند کردیا، حقیقت جان کر ضیاء اور احرم بھی متفکر ہوئے۔

"میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی، دال میں کچھ کالا ہے، ورنہ کون بیوہ سے خوشی خوشی شادی کرتا ہے، انہیں لگا ازالہ کرکے اپنی آخرت سنوار لیں گے۔" علشبہ کی چلتی زبان کو احرم کی گھورتی نظروں نے چپ کرایا۔

"اس کا فیصلہ تو زینی اور شاہ زیان ہی کرسکتے ہیں، زینی سب بھول کر شاہ زیان کو معاف کردے تو بات ختم ہوسکتی ہے۔" ضیاء کا لہجہ تھکا ہوا تھا، زینی اسی لمحے اندر آئی تھی۔ اس نے ضیاء کا جملہ سن لیا تھا۔

"معاف..... کیا کیا معاف کروں..... بھول جاؤں کہ کیسے لوگوں کے مجمعے میں آپ سب نے میرے سر سے اعتبار کی چادر چھینی تھی، بھول جاؤں، ان ماروں اور تھڈوں کو جو سسرالیوں نے میرے جسم پہ داغے، بھول جاؤں جعفری کو کتنے گندے لفظوں میں مجھے پکارتا تھا، صرف اس ایک داغ کی وجہ سے..... برسوں میں نے دعا کی ہے کہ اللہ میرے مجرم سے میرا سامنا کرائے اور آج جب اس کا چہرہ سامنے آگیا ہے تو بجائے اسے کچھ کہنے کے آپ لوگ مجھے بھول کر دوبارہ اس شخص کے ساتھ رہنے کو کہہ رہے ہیں اگر آپ لوگوں کے لیے میرا وجود ناقابل برداشت ہے تو میں چلی جاؤں گی یہاں سے بھی۔" زینی جیسے آئی تھی ویسے ہی اپنی بات کہہ کر چلی گئی۔ سب چپ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

"ماما بھائی کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جارہی۔" شاہ زیان کو مسلسل پلز کے ذریعے سوتا دیکھ کر انا سے مزید برداشت نہ ہوسکا، تو وہ رونے لگی۔ وہ جب جاگتا تھا زینی کو چیخ چیخ کے پکارنے لگتا تھا۔

"میں بھابی کے پاس جاؤں گا، انہیں سمجھاؤں گا۔" ازمیر نے پلان بتایا۔

"میں نے تمہارے ڈیڈ کو انفارم کردیا ہے وہ آکر جو فیصلہ کریں گے وہی بہتر ہوگا، تم میں سے کوئی کچھ نہ کرے۔" عروسہ بیگم نے تنبیہ کی۔

"آپ نہیں چاہتیں کہ بھائی ٹھیک ہوجائیں اور یہ تب ہی ہوگا جب بھابی لوٹ کے آئیں گی۔" ازمیر پریشان تھا۔ چاق وچوبند رہنے والے شاہ زیان کو اس حالت میں دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا۔

"آف کورس میں بھی یہی چاہتی ہوں لیکن زینی نہیں مانے گی میں نے اسے بہت سمجھایا، تم دونوں چھوٹے ہو اس معاملے سے دور رہو۔" عروسہ بیگم محبت دکھا کر چال چل گئی تھیں۔

"کتنے خوش تھے بھائی میں نے کبھی انہیں اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔" انا روہانسی ہوئی۔

"بھابی بھی کتنی اچھی ہیں..... ہم نے غلطی کی اگر اسی وقت بھائی کو اعتماد میں لے کر سب بتا دیتے تو شاید آج حالات مختلف ہوتے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" انا نے اتفاق کیا۔

"ڈیڈ آجائیں جلدی سے اور سب پھر سے ٹھیک ہوجائے۔" انا نے دل سے دعا کی۔

"میرا تو کچھ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا..... نہ دوستوں میں دل لگ رہا ہے نہ کسی ایکٹی ویٹی میں۔" ازمیر نے اداسی سے کہا۔ بلاشبہ شاہ زیان ان سے بہت محبت کرتا تھا وہ بھی اس کی تکلیف پہ تڑپ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

اسے اپنی انگلی سے روئی جیسی نرم چیز لپٹتی محسوس ہوئی۔ وہ روئی نہیں کسی نوزائیدہ کی انگلیاں تھیں جس نے اپنے نرم نرم چھوٹے ہاتھ سے اس کی انگلی پکڑی تھی۔ اب اس کا چہرہ واضح ہونے لگا تھا، وہ اس کی طرف مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً کسی شور سے نوزائیدہ دبک گیا۔ شور مسلسل ہو رہا تھا۔ شاہ زیان کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے شور کرتے فون کو دیکھا۔ کوئی انجانا نمبر تھا، اس نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو...... ہیلو شاہ زیان میں ڈاکٹر منیزہ بات کر رہی ہوں۔"

"جی ڈاکٹر منیزہ کہیں۔" اس کے حواس بحال ہونے لگے۔

"آپ کی مسز کی کچھ رپورٹس میرے پاس پڑی ہیں میں نے عروسہ بیگم کو بھی کال کی مگر وہ انہیں پک کرنے نہیں آئیں۔ اس لیے آپ کو زحمت دی کہ رپورٹس کہیں کھو نہ جائیں۔" ڈاکٹر منیزہ تفصیل سے بات کرنے کی عادی تھیں۔

"کیسی رپورٹس؟" وہ حیران ہوا۔

"کمال ہے آپ کو خبر ہی نہیں۔"

"ایکچولی میں آؤٹ آف سٹی تھا۔" وہ متجسس ہوا۔

"اچھا اچھا تب ہی زینی نے آپ کو سرپرائز دینے کا سوچا ہوگا۔ کچھ دنوں پہلے آپ کی مسز عروسہ بیگم کے ساتھ آئی تھیں میرے پاس چیک اپ کے لیے آپ ڈیڈ بننے والے ہیں۔ اسی سلسلے میں زینی کے کئی ٹیسٹ ہوئے تھے ان کی رپورٹس تیار ہیں۔" شاہ زیان جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

"آر یو شیور ڈاکٹر؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ظاہر ہے میں نے ہی چیک اپ کیا ہے شاہ زیان اور اتنی بڑی خوشی کی بات میں بغیر شیور کیسے کروں گی لیکن لگتا ہے میں نے زینی کا سرپرائز خراب کر دیا۔" ڈاکٹر منیزہ کو افسوس ہوا۔

"نہیں میم یقین کریں آپ نے مجھ میں توانائی بھر دی ہے، تھینک یو سو مچ۔ آئم ریئلی تھینک فل...... میں بس تھوڑی دیر میں آرہا ہوں رپورٹس پک کرنے۔" تشکر کا اظہار کر کے اس نے فون رکھ دیا۔

"ہمارا بچہ......" اسے وہ خوش کن لمس یاد آ گیا، آپ ہی آپ اس کے لب مسکرانے لگے۔ یہ اتنا خوش کن احساس تھا کہ وہ سب بھول گیا تھا۔ تیزی سے اٹھ کر اس نے کپڑے چینج کیے اور تیار ہو کر وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔ عروسہ بیگم اسی طرف آ رہی تھیں اسے ایکٹو اور تیار دیکھ کر کئی ثانیے کچھ بول نہ سکیں۔

"شاہ زیان۔" انہوں نے آواز دی مگر وہ جانے کس دھن میں تھا جو ان کی پکار بھی نظر انداز کر کے گاڑی نکال لے گیا۔ ڈاکٹر منیزہ سے رپورٹس لے کر اس نے بغور پڑھا۔ زینی پریگننٹ تھی۔

"زینی اب دنیا پوری قوت بھی لگا لے تب بھی میں تمہیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔" زیر لب دہراتے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

✿ ✿ ✿ ✿

"زینی آج کی سب سے بڑی اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ لوگ گناہ عظیم کر کے بھی اس کا مداوا نہیں کرتے، میں نے مانا کہ شاہ زیان سے غلطی ہوئی ہے لیکن جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے غلطی کا ازالہ بھی کیا۔ تمہیں عزت محبت سے بیاہ کر لے گیا۔ تم بھی اپنا دل بڑا کرو۔" احرم اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ سمجھنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی، دروازہ کھلا ہوا تھا، زینی اور احرم کی نظریں کھلتے پٹ پہ تھیں۔ پٹ آہستہ آہستہ دھکیل کر شاہ زیان اندر داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم!" اس کی نظریں دشمن جاں پہ تھیں۔ کتنے دنوں بعد یہ صورت نظر آئی تھی۔ وہ کئی ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ احرم اسے دیکھتے ہی گرم جوشی سے کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" احرم گلے لگا۔ زینی تیزی سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ جو اس کی ناراضی کا واضح اعلان تھا۔ اس نے خاموشی سے اس کے انداز کو دیکھا، احرم اسے لے کر کمرے میں آ گیا۔ ضیاء اور فردوس کو بھی اس کے آنے سے کچھ حوصلہ ہوا تھا۔ ورنہ اس کی لاتعلقی سے انہیں یہ معاملہ الجھتا محسوس ہو رہا تھا۔ شاہ زیان ان کے درمیان بیٹھ گیا۔

"میں آپ سب کا مجرم ہوں، اس لیے اپنے جرم کا اعتراف کرنے آیا ہوں۔" اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"زینی، ارسم سے شادی کرنا نہیں چاہتی تھی مگر آپ لوگ بضد تھے، ان دنوں وہ بہت دکھی تھی۔ میں صمیم کے گھر رکنے آیا ہوا تھا، اس کی گفتگو سننے کے بعد مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہوئی اور میں ایک جعلی نکاح نامہ احرم بھائی کو تھما کر چلا گیا تھا، میرے نزدیک یہ صرف ایک چھوٹی سی کوشش تھی ایک لڑکی کو زبردستی ان چاہے لڑکے سے شادی سے روکنے کے لیے اور کچھ نہیں مگر مجھے خبر نہیں تھی کہ میں اپنے پیچھے اسے کن مسائل کے

حوالے کرآیا ہوں۔ واپس لوٹ کر زینی کو اپنی حرکت کی سزا پاتے دیکھا تو خود کو اس کا مجرم سمجھ کر آپ لوگوں سے دست سوال پھیلایا۔ اس وقت حقیقت چھپانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ لوگ جذبات میں آ کر غلط فیصلہ کرتے۔ میں مانتا ہوں کہ میں آپ سب کا مجرم ہوں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں زینی سے بے حد محبت کرتا ہوں اور اب جب وہ ماں بننے والی ہے تو میرے لیے پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ میں اسے کسی صورت کھونا نہیں چاہتا۔" شاہ زیان کا اعتراف جرم سب نے سنا اور کسی کو بھی اس پہ شک نہیں تھا۔ سب کے لیے زینی کے ماں بننے کی خبر بھی نئی تھی۔

"بیٹا ہمیں تم پہ مکمل اعتماد ہے، غلطی تم نے کی مگر اصل غلطی ہم سے ہوئی تم تو صرف ایک لڑکی کے جذبات کو ٹھیس لگنے سے بچانا چاہتے تھے لیکن ہو کچھ اور گیا...... ہم سب نے تم سے کہیں زیادہ زینی کے ساتھ برا کیا تھا...... ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔" ضیاء نے یقین دلایا تو اسے کچھ سکون ملا۔ زینی اپنا کمرہ بند کیے بیٹھی تھی۔ شاہ زیان نے دستک دی۔

"زینی......" وہ مسلسل پکار رہا تھا۔ پکار میں محبت کی آنچ صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

"زینی پلیز دروازہ کھولو۔" وہ مسلسل دستک دے رہا تھا مگر وہ ڈھیٹ بنی بیٹھی رہی۔

"میں ساری زندگی اس بند دروازے کے باہر تمہارا انتظار کرسکتا ہوں۔" اس کے اعلان نے زینی کو آگ بگولہ کردیا۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

"کیوں کریں گے میرا انتظار؟" وہ غصے سے چلائی، اتنے دنوں بعد اسے اتنے قریب سے دیکھ کر وہ مسکرایا۔

"کیونکہ تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"بند کریں اپنی محبت کا ڈھنڈورا پیٹنا...... کھل گئی ہے آپ کی اصلیت۔" وہ چراغ پا ہوئی۔

"زینی میں تم سے دور صرف اسی لیے گیا تھا کہ واپس آ کر تمہیں سب بتا سکوں، میں تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا۔" اس نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بھرنا چاہا تو وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔

"کھو تو مجھے آپ نے اب بھی دیا ہے۔" اس کے لہجے میں نفرت تھی۔

"زینی میں نے صرف تمہاری مرضی کے خلاف ہوتی شادی کو رکوانے کے لیے یہ حرکت کی تھی باخدا مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی سختیوں میں آ جاؤ گی۔" وہ نادم تھا۔

"میں آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتی۔ آپ کی صفائی میرے زخموں کا مداوا نہیں کرسکتی، بہتر ہوگا آپ چلے جائیں۔" وہ کٹھور بن گئی۔

"زینی...... سب بھول کر مجھے معاف کردو۔"

"بھول جاؤں...... کتنا آسان ہے آپ کے لیے یہ سب کہنا، ہر اذیت برداشت کرتے ہوئے میں اپنے مجرم کا چہرہ دیکھنے کے لیے تڑپتی تھی اور اب وہ چہرہ میرے سامنے ہے...... میں بے حد نفرت کرتی ہوں آپ سے۔" وہ اس پر الفاظ کے پتھر برسا رہی تھی۔

"پلیز زینی ہمارے بچے کے لیے ہی ختم کرو یہ سب۔" شاہ زیان نے لجاجت سے کہا۔ وہ ایک پل کو اس کی باخبری پہ ٹھٹکی، اگلے پل اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں کچھ ختم نہیں کروں گی، ختم ہوگا تو ہمارا رشتہ...... میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ شاہ زیان کا ہر لفظ اسے ناقابل قبول لگ رہا تھا۔

"زینی پلیز مت کرو ایسا...... میں مر جاؤں گا۔" اس کا لہجہ ہارا ہوا تھا۔ "تم جو سزا دو گی میں جھیل لوں گا لیکن مجھ سے تعلق نہ توڑو پلیز۔" وہ نفرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اپنے مجرم کو درد کے حوالے کردینے والے کو، اس گھڑی اس کی رفاقت میں گزارنے والا ہر دن وہ بھول گئی تھی۔ اس کی بے انتہا محبت کو فراموش کرگئی تھی۔ اس گھڑی کچھ یاد تھا تو صرف اتنا وہ اس کا مجرم تھا۔

❁......❁......❁......❁

انا، از میر شاہ زیان کے وکیل بن کر آئے تھے۔ ان کے اصرار پہ بھی وہ چپ رہی۔ دونوں تھک کر چلے گئے۔ واصف نے فون پہ سمجھایا۔ وہ چپ کر کے سنتی رہی۔ کسی کے لفظ دل میں نہیں اتر رہے تھے...... شاہ زیان پھر چلا آیا تھا۔

"زینی اتنی کٹھور کیوں ہوگئی ہو، تمہیں تو مجھ سے محبت کا دعویٰ تھا۔" اس کے ازیل انداز پہ وہ ٹوٹنے لگا۔

"آپ کی اصلیت کھلتے ہی ہر چیز نے رنگ بدل لیا اور اب یہ عالم ہے کہ آپ کی شکل دیکھتی ہوں تو مجھے اذیت ہوتی ہے۔" وہ نفرت سے کہہ کر رخ پھیر گئی۔ شاہ زیان نے جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"پھر سے کہو تمہیں میری شکل دیکھ کر اذیت ہوتی ہے۔" وہ بے یقین ہوا اس نے جھٹکے سے خود کو چھڑا لیا۔

"ہاں آپ کو دیکھتی ہوں تو اپنے غم ہرے لگنے لگتے ہیں، ٹیس اٹھنے لگتی ہیں ان میں۔" وہ کتنی ہی دیر بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا، دکھ کا احساس گہرا تھا، شاہ زیان دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"پلان تو یہی تھا کہ اپنے بچے اور تمہارے ساتھ بہت اچھی زندگی گزاروں گا لیکن تمہیں میری شکل سے اذیت ہوتی ہے اور میں تمہیں مشکل میں نہیں دیکھ سکتا، ہمارے بچے سے بہت محبت کرنا، اسے میرے کیے کی سزا مت دینا۔ زندہ رہا تو دل کے ہاتھوں مجبور تم تک بار بار آؤں گا اور تمہیں اذیت ہوتی رہے گی، تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو اس کے لیے مجھے مرنا ہوگا۔" زینی اس کے انداز پہ چونک گئی مگر کمزور نہیں پڑی، شاہ زیان تیزی سے چلا گیا تھا۔ جانے کیوں اس کا دل دھڑک اٹھا، وہ اس کی دیوانگی کی امین تھی۔

"ہونہہ ہاتھ جلانے اور مرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس نے تنفر سے سوچ کر سر جھٹکا۔ خود کو بہلانے کو اس نے ہزار تاویل دی لیکن جانے کیوں ہر آہٹ پہ چونک رہی تھی۔ جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ اسے گئے ابھی دو گھنٹے ہوئے تھے جب احرم فون کال سنتے ہوئے بدحواس ہوا۔

"شاہ زیان کو کسی نے ٹارگٹ کیا ہے، اسے دو گولیاں لگی ہیں، قاتل کو لوگوں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔" احرم تیزی سے بتا کر ہاسپٹل بھاگا۔ ایک ایک کر کے سب ہاسپٹل آنے لگے تھے۔

"میں بھی چلوں گی۔" فردوس کے سامنے وہ بھی کھڑی ہوئی تو انہوں نے ساتھ لے لیا۔

ہاسپٹل میں عجیب سماں تھا۔ ازمیر، انا بری طرح رو رہے تھے۔ واصف کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ عروسہ بیگم انہیں سنبھال رہی تھیں۔ شاہ زیان کا آپریشن ہو رہا تھا۔ زینی کی آنکھیں بنجر ہوگئی تھیں۔ جیسے سوتے خشک ہوگئے تھے، چند گھنٹوں پہلے کیسے وہ شخص اس کے قریب تھا اور اب خود سے دور جاتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تم...... ! حیرت ہے...... تم آگئیں۔" عروسہ بیگم اس کے سامنے آئیں۔ زینی کو ان کے چہرے پہ خوشی نظر آئی۔

"ہاں میں بہت خوش ہوں...... میرے راستے کا کانٹا جو نکلنے والا ہے۔" ان کا لہجہ اتنا سفاک تھا کہ زینی کے دل پہ کسی نے سوئی چبھوئی۔

"شاہ زیان کو کچھ نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ پر یقین ہوا۔

"یہ تم بول رہی ہو؟" عروسہ بیگم ہنسیں۔

"اپنے مجرم سے نفرت الگ لیکن میں آپ کو جیتتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی جس نے ایک عظیم رشتے کو بدنام کر دیا۔" وہ نفرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ شاہ زیان کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکیں گی یہ خیال بھی اپنے دل سے نکال دیں۔" زینی نے دوٹوک لہجے میں کہا، کسی کی آمد پہ عروسہ بیگم رونی صورت بنا کر بیٹھ گئیں۔ ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ آپریشن جاری تھا۔ بالآخر ڈاکٹر اس کی زندگی کی نوید لے کر باہر نکلے تو سب کی جان میں جان آئی۔ عروسہ بیگم کو افسردہ دیکھ کر زینی کو حقیقتاً شاہ زیان کی بدنصیبی کا احساس ہوا۔ اسے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ شیشے کے اس پار سے اسے دیکھتے وہ چپ تھی بالکل چپ۔

"کیا شاہ زیان کی اتنی بڑی غلطی تھی کہ وہ اسے معاف نہیں کر سکتی تھی اگر شاہ زیان ایسی حرکت نہیں کرتا تو وہ کیسے اس کا نصیب بنتی؟" یہ وہ سوال تھے جن کا جواب نہیں تھا۔

"مجرم نے اعتراف کر لیا تھا کہ اسے ارسم نے شاہ زیان کو ٹارگٹ کرنے کے لیے بھیجا تھا، پولیس ارسم کو گرفتار کر چکی ہے۔" احرم نے فردوس کے ساتھ اسے بھی اطلاع دی۔ زینی جیسے فریز ہوگئی تھی۔ وہ اس کی وجہ سے اس وقت اذیت برداشت کر رہا تھا، اسے خود سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ کیا دیا تھا زینی نے اسے جو وہ اس پہ جان تک نچھاور کرنے چلا تھا۔ اگر کوئی اور مارتا تو یہ کام وہ خود کر لیتا تا کہ اسے اذیت نہ ہو۔ اسے وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

"پیشنٹ کو ہوش آچکا ہے آپ لوگ مل سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے پروفیشنل انداز سے کہا۔

"زینی کون ہے پہلے وہ چلی جائیں بے ہوشی میں بھی یہ نام بار بار لے رہے تھے۔" ڈاکٹر کہہ کر چلا گیا۔ سب کی نظریں اس پہ ٹھہر گئیں۔

"زینی...... میرا بیٹا تم سے بہت محبت کرتا ہے۔" واصف گلوگیر لہجے میں کہہ رہے تھے۔ اس نے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔

"بیچارا شاہ زیان جانے کیسا نصیب لکھوا کر لایا ہے کہ اس کے نصیب میں کسی عورت کا پیار نہیں لکھا۔ ماں تین سال کی عمر

میں چلی گئی۔ میں نے ساری زندگی پیار کا دکھاوا کیا اور آخر میں بچی تم تم تو مجھ سے بھی زیادہ نفرت کرنے لگو گی۔" عروسہ بیگم کی بازگشت اس کے اردگرد گونج رہی تھی۔

"زینی اگر کبھی تمہیں میرے بارے میں کوئی ایسی بات پتا لگے جو تمہارے لیے قابل نفرت ہو تو کیا تم مجھ سے نفرت کرو گی۔" شاہ زیان کے سوال نے اس کے گرد چکر کاٹا۔ وہ اس کے نزدیک آ گئی تھی۔ ڈرپ اور مشینوں میں جکڑے اس کے جسم کو اس نے بہت خاموشی سے دیکھا۔ زینی نے بیڈ پہ ہاتھ رکھا، اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"شرمندہ ہوں کہ تمہیں میری شکل دیکھنا پڑی۔" اس نے ڈرپ کی نیڈل نکالنا چاہی تو زینی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہر وقت اپنی کرنا چھوڑ دیں مسٹر شاہ زیان۔" عجیب دھونس بھرا لہجہ تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔

"اب وہ ہوگا جو میں کہوں گی اور میرا حکم یہ ہے کہ شرافت سے ٹھیک ہو جائیں۔ دوبارہ ایسی حرکت نہ ہو۔" اشارہ ہاتھ کی طرف تھا۔

زینی مسلسل ہاسپٹل میں تھی وہ اس کا خیال رکھ رہی تھی۔ اسے عروسہ بیگم سے کوئی اچھی امید نہیں تھی اسے ڈسچارج کیا جا رہا تھا۔

"تم گھر چلو گی ناں؟" اس نے بہت آس سے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔ ازمیر کے ساتھ سہارا دے کر وہ اسے کمرے تک لائی تھی۔

"یہ کون سا ناٹک کر رہی ہو تم؟" عروسہ بیگم کو اس کا وجود برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"میں صرف شاہ زیان کو آپ کے ارادوں سے بچا رہی ہوں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"کب تک بچاؤ گی اپنے مجرم کو؟" عروسہ بیگم اس پہ ہنسیں۔ وہ اس کا مکمل دھیان رکھ رہی تھی مگر وہ جونہی کوئی بات کرنا چاہتا وہ کنی کترا جاتی۔ وہ روبہ صحت تھا۔

"میں واپس جا رہی ہوں۔" وہ اپنا بیگ لیے کھڑی تھی۔ شاہ زیان نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"جب جانا ہی تھا تو آئی کیوں تھیں؟" وہ خفا ہوا۔ جان گیا تھا وہ ابھی تک اسے معاف نہیں کر سکی۔

"آپ کے اردگرد بہت دشمن ہیں ان سے بچانے، اب آپ ماشاء اللہ ٹھیک ہیں تو آپ کو میری ضرورت نہیں رہے گی۔"

"زینی......!" اس کی پکار کو ان سنی کیے وہ کمرے سے نکل گئی۔ اس نے کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔

❀......❀......❀......❀

زینی کے گھر چھوڑ کر چلے جانے کا سن کر واصف نے گھر سر پہ اٹھا لیا تھا، ملازموں کی لائن لگی ہوئی تھی اور سب ان کے سامنے کھڑے تھے۔

"کس کی حرکت ہے یہ...... کس نے زینی کے سامنے منہ کھولا؟" ملازم حیران پریشان تھے۔ انہیں کچھ معلوم ہوتا تو بتاتے بھی۔

"تم بتاؤ وسیم تم اس گھر کے سب سے پرانے ملازم ہو...... اس گھر کے بہت سے راز کے امین بھی ہو، کس نے کی یہ حرکت کی ہے۔" واصف سب سے پرانے ملازم پر برس رہے تھے۔

"سر اس گھر کا نمک کھاتے ہیں اور جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرنا ہمارا شیوہ نہیں، ہم میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔" وسیم کے یقین بھرے لہجے پہ عروسہ بیگم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ اس کا حساب بعد میں بے باق کرنے کے خیال سے چپکی بیٹھی رہیں۔ شاہ زیان اکتا کر اپنے کمرے سے نکل آیا تھا۔

"آپ کو چلتا پھرتا دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے بھائی۔" انا اور ازمیر اس کے گلے لگے۔ اس نے مسکرا کر دونوں کو پیار کیا۔ عروسہ بیگم کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔ وہ ملازموں کی لگی لائن دیکھ کر حیران ہوا۔

"آپ سب جائیں اپنا کام کریں۔" شاہ زیان سمجھ گیا واصف کو مجرم کی تلاش ہے۔

"یہ اچانک کیا ہو گیا؟" واصف اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ تو ہونا ہی تھا ڈیڈ سچ کب تک چھپا رہ سکتا تھا۔" شاہ زیان حقیقت پسندی سے بولا۔

"گڈ نیوز تو یہ ہے کہ آپ گرینڈ پا بننے والے ہیں۔" شاہ زیان نے مسکراتے ہوئے کہا تو عروسہ بیگم کو جھٹکا لگا مگر انہوں نے اپنے تاثرات نارمل رکھے۔

"زینی نے ہمیں بتایا نہیں۔" عروسہ بیگم نے گلہ کیا۔ ازمیر اور انا خوشی کا اظہار کرنے لگے۔

"رئیلی......؟" واصف نے خوشی کا اظہار کیا۔

"ایسے وقت میں زینی کو اور زیادہ توجہ کی ضرورت ہے مگر کتنی بےبسی ہے۔" عروسہ بیگم نے مصنوعی رونا رویا۔

"میں زینی سے بات کرتا ہوں۔" واصف نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ اس وقت بہت غصے میں ہے..... کسی کی بات نہیں سمجھے گی۔" شاہ زیان دلگرفتہ تھا۔

"غلطی ہوگئی جو صرف بلو دینے پہ اکتفا کیا۔" وہ نفرت سے سوچ کے رہ گئیں۔

"اسے تھوڑا ٹائم دیں۔" واصف بھی سر ہلانے لگے۔

"شاہ زیان تم اسٹڈی میں آؤ تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" واصف کے حکم پہ اس نے سر ہلایا، عروسہ بیگم کے کان کھڑے ہوئے۔

"ایسی کیا بات ہے؟" انہیں کھد بد ہوئی۔

"کچھ نہیں..... بزنس ڈیل کی تفصیلات لینی ہیں۔" واصف کے جواب سے انہیں تسلی ہوئی۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اب آگے کیا کرنا ہے وہ پلان کرنا چاہ رہی تھیں۔

"وسیم دو کافی لے کر اسٹڈی میں آؤ۔" واصف نے ملازم سے کہا۔ وسیم کافی کی تیاری کو چل دیا۔

"بھابی کیسے مانیں گی بھائی؟" ازمیر اداس تھا۔ وہ چپ رہا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔" اس کا لہجہ اداسی لیے ہوئے تھا۔

"میں بھابی کو منانے کی کوشش کروں گا۔" ازمیر نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" انا نے بھی خواہش ظاہر کی۔ وہ بہن بھائی کی محبت پہ مسکرایا اور اٹھ کر اسٹڈی روم میں چلا گیا۔ واصف اس سے ڈیل کے متعلق معلومات لے رہے تھے۔ وسیم کافی لے آیا۔ دونوں کے آگے کافی رکھتے وہ سیدھا ہوا۔

"بیٹھو وسیم..... بتاؤ کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" واصف نے ملازم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شاہ زیان چونک کر سیدھا ہوا۔ اسے واصف کے انداز میں کچھ غیر معمولی لگا تھا۔

"زینی بی بی کے گھر چھوڑ کر جانے سے پہلے میم صاحبان سے کافی دیر تک باتیں کرتی رہی تھیں۔ ازمیر اور انا بی بی گھر پہ نہیں تھے۔" وسیم نے بولنا شروع کیا۔

"کیا [illegible]" واصف [illegible]

[illegible]

ان کا پرانا مخبر تھا اور عروسہ بیگم اس بات سے بےخبر تھیں۔ ورنہ وہ اتنی بڑی غلطی کبھی نہ کرتیں۔

"میم نے زینی بی بی کو بتایا کہ شاہ زیان صاحب ان کے سوتیلے بیٹے ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ بزنس کی پاور آف اٹارنی شاہ زیان صاحب کے نام نہیں ازمیر صاحب کے نام ہو...... لیکن جب شاہ زیان بابا نے زینی بی بی سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو یہ بھی ان کا پلان تھا کہ ایک دن وہ زینی بی بی کو سچائی بتا کر ان سے دور کر دیں گی اور سر اپنے مسائل میں کھو کر بزنس کو ٹائم نہیں دیں گے اس کے لیے انہوں نے تین دن شاہ زیان سر کو بھاری مقدار میں بلو دی تھیں۔ وہ انہیں اس کا عادی بنانا چاہتی تھیں لیکن سر کی ول پاور ہی ہے کہ یہ آج اتنے بڑے حادثے کے بعد بھی ایکٹو ہیں۔" وسیم ہر حقیقت سے پردہ اٹھا رہا تھا۔

شاہ زیان جان گیا تھا کہ یہ عروسہ بیگم نے کیا ہے، بچے کی بات پہ انہوں نے جس طرح ری ایکٹ کیا تھا اس پہ اسی لمحے کھل گیا تھا کیونکہ ڈاکٹر منیزہ نے کہا تھا کہ زینی عروسہ بیگم کے ساتھ ہاسپٹل آئی تھی۔ صرف سوتیلے والی بات پہ وہ چونکا تھا۔ واصف کے چہرے پہ غصے کے آثار ابھرنے لگے۔

"میم کو لاؤنج میں بلاؤ۔" واصف نے وسیم کو بھیجا۔

"ڈیڈ پلیز..... آپ مام سے کوئی بات نہ کریں۔ میں پہلے ہی جان گیا تھا۔" اس نے روکنا چاہا۔

"تم چپ رہو شاہ زیان۔" واصف نے اٹھتے ہوئے گرجا۔

"ڈیڈ انا اور ازمیر پہ برا اثر پڑے گا۔" اس نے سمجھانا چاہا۔

"جب عروسہ بیگم نے اکیس سال بعد سوتیلا پن دکھایا ہے تو ان کی اصلیت بھی تو سامنے آنا چاہیے۔" واصف منٹوں میں فیصلہ کرنے والے انسان تھے وہ دونوں لاؤنج میں آ گئے۔ شاہ زیان پریشان ہوا..... وہ کوئی ہنگامہ نہیں چاہتا تھا۔

"ڈیڈی پلیز..... ریکویسٹ....."

"تمہارا گھر اجاڑ دیا اس عورت نے اور تم اس کی سائیڈ لے رہے ہو۔" واصف نے ڈانٹا، ان کے لہجے میں دکھ کا رنگ گہرا تھا۔

"کیا ہوا..... کوئی خاص بات؟" عروسہ بیگم چلی آئیں۔

"تم نے [illegible]

[illegible]

عروسہ بیگم نے چونک کر واصف کے غصے سے لال چہرے کو دیکھا۔ دوسری نظر سر جھکائے بیٹھے شاہ زیان کو، انا اور ازمیر بھی آ گئے تھے۔ ماحول کی گھمبیرتا انہیں بھی محسوس ہوئی۔ شور شرابا اور جاہلوں کی طرح لڑنا ان کے گھر میں نہیں ہوتا تھا، اب جب ایسا ہو رہا تھا تو ان کا حیران ہونا بجا تھا۔ عروسہ بیگم کے چہرے کا رنگ فق ہوا۔

"میں تو اسی دن تمہارے چہرے کے رنگ پہچان گیا تھا جس دن میں نے پاور آف اٹارنی شاہ زیان کے نام کرنے کی تم سے بات کی تھی۔"

"واصف ایسی کوئی بات نہیں۔" انہوں نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"چار سالہ شاہ زیان کو تمہاری گود میں دیتے ہوئے میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ میرا بیٹا میرے لیے کیا ہے لیکن تم نے اپنا سوتیلا پن دکھا ہی دیا آخر۔" انا اور ازمیر حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ یہ خبر بجلی بن کر گری تھی ان پہ۔

"پاور آف اٹارنی میں کب کا منتقل کر چکا ہوتا شاہ زیان کے نام لیکن اس نے مجھے روک کے رکھا کیونکہ یہ جان گیا تھا تمہارا اصل چہرہ سب کے سامنے آ جائے گا اور یہ تمہیں ہی شرمندگی سے بچانے کے لیے بضد تھا کہ میں ازمیر کے نام کر دوں۔" واصف کو کم غصہ آتا تھا لیکن غصہ میں جب بولتے تھے تو کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی انہیں روکنے کی۔

"سوتیلے پن میں تم نے میرے بیٹے کا گھر برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" ان کی آواز گونجنے۔

"اس بڑھاپے میں تماشا چاہتی ہو تو میں......" اس سے پہلے کہ واصف کے منہ سے کوئی خوفناک لفظ نکل کر عروسہ بیگم کو ان پہ حرام کر جاتا......شاہ زیان تیزی سے اٹھ کر ان کا ہاتھ تھام گیا۔

"ڈیڈ پلیز......پلیز ڈیڈ مزید کچھ نہ بولیں.....آپ کو میری قسم۔" شاہ زیان انہیں اس منظر سے لے جانے لگا۔

"چھوڑو مجھے اس عورت نے یہ صلہ دیا مجھے۔" واصف نے اپنا آپ چھڑانا چاہا۔

عروسہ بیگم کا کھیل ختم ہو گیا تھا۔ ان کی عمر بھر کی اداکاری کا پردہ فاش ہو گیا تھا۔ وہ سب کی ملامت بھری نظروں کی زد میں خود کو سر اٹھانے کے قابل نہیں سمجھ رہی تھیں۔ واصف اگر کوئی فیصلہ کر لیتے تو وہ کیا کرتیں......ان کے پیر اکھڑنے لگے تھے وہ بے حد خوف زدہ نظر آ رہی تھیں۔

ازمیر بھی شاہ زیان کے ساتھ واصف کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دونوں انہیں اسٹڈی میں لے آئے تھے۔ ان کی سانس تیز ہو گئی تھی۔

"ڈیڈ ریلیکس پلیز سب ٹھیک ہو جائے گا......زینی لوٹ آئے گی.....آپ ٹینشن نہ لیں۔" شاہ زیان ان کے ہاتھ سہلا رہا تھا انا بھی چلی آئی تھی۔

"اس نے تمہارے لیے اتنا بڑا پلان بنایا میری اولاد کے لیے....." وہ رونے لگے۔ تینوں انہیں سنبھالنے لگے۔

"مام کچھ بھی کہیں، کچھ بھی سوچیں...... یہ دونوں میرے بہن بھائی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ مجھے سگے سوتیلے کا پتا نہیں۔" شاہ زیان نے تسلی دی۔

"بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈ...... مام نے جو کیا غلط کیا.....اس حقیقت کو جاننے کے بعد ہماری محبتوں میں کمی نہیں آئے گی۔" ازمیر کی بات پہ انا نے بھی حمایت کی تو انہیں کچھ سکون محسوس ہوا۔

"آپ ہم سے پرامس کریں کہ آپ مام سے پھر اس موضوع پہ بات نہیں کریں گے۔" اس نے وعدہ چاہا۔

"میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا......" وہ نفرت سے بولے۔

وہ اس وقت غصے میں تھے لیکن کسی قدر حواس میں لوٹ آئے تھے۔ ذرا ریلیکس ہوئے تو انا کو ان کے پاس چھوڑ کر شاہ زیان لاؤنج میں آیا۔ عروسہ بیگم بے حس و حرکت بیٹھی تھیں۔ ان کے ذرا سے لالچ نے انہیں سب کی نظروں میں چھوٹا کر دیا تھا۔

"مام......" شاہ زیان کو انہیں اس حال میں دیکھ کر دکھ ہوا۔ جھوٹا ہی سہی لیکن انہوں نے اس کے لیے پیار دکھایا تو تھا۔ ازمیر دور کھڑا تھا، عروسہ بیگم کا یہ روپ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"آپ نے بھلے مجھے سوتیلا بیٹا سمجھ کر اپنایا ہو مگر میں نے آپ کو کبھی سوتیلا نہیں سمجھا۔" ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے وہ بیٹھا گیا۔ عروسہ بیگم خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"مام آپ کو جو بھی کہنا تھا آپ مجھ سے کہتیں، میں بھی ڈیڈ کو ایسا کوئی کام نہیں کرنے دوں گا جس میں ازمیر کے ساتھ زیادتی ہو، میں نے اسے اپنا چھوٹا سگا بھائی ہی سمجھا ہے۔" عروسہ بیگم کے آنسو بہنے لگے۔

"مجھے معاف کردو شاہ زیان۔"
"مائیں بیٹے سے معافی کب مانگتی ہیں۔" اس نے ان کو ساتھ لگالیا۔ انا بھی آ گئی تھی۔
"بھائی آپ اس حقیقت سے واقف تھے لیکن آپ نے کبھی ہمیں شک بھی نہیں ہونے دیا۔ ہمیں آپ پہ فخر ہے۔" دونوں عروسہ بیگم کی بجائے شاہ زیان کے کندھے سے لگ گئے۔ عروسہ بیگم کو اپنی ہار اور شاہ زیان کی جیت نظر آ گئی تھی۔ جیت تو بہر حال محبت کی ہی ہوتی ہے۔

❁……❁……❁……❁

زینی نے خلع کا نوٹس بھیجا تھا۔ شاہ زیان غصے سے پاگل ہونے لگا۔ پوری اسپیڈ سے گاڑی دوڑا کر وہ اس کے گھر پہنچا اور بغیر کسی سے ملے سیڑھیوں پہ کھڑی زینی کا ہاتھ تھام کر کھینچتا اس کے کمرے میں لے آیا۔
"کیا ہے یہ؟" خلع کے پیپرز پھاڑ کر پھینک دیئے۔ "اب بولو کیا کرنا ہے، ختم کرنا ہے نا مجھ سے تعلق، توڑنا ہے نا ہر رشتہ تو یہ لو۔" جیب سے اس نے تیز دھار چھری نکالی اور سرعت سے کلائی پہ پھیرنے لگا۔ زینی کے بھرپور روکنے کی کوشش میں بھی کلائی پہ چھری چل گئی تھی۔ اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ دوسری، تیسری بار بھی یہ حرکت دہرانا چاہتا تھا مگر اس نے کلائی پہ سختی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ خون بہنے لگا تھا۔
"کیا دیوانگی ہے یہ؟" چلا کر اس نے ہاتھ سے چھری چھین کر دور پھینک دی۔ دوپٹا اس کے ہاتھ میں لپیٹنے لگی۔
"خون بہہ رہا ہے ڈاکٹر کے پاس چلیں۔" دوپٹے پہ خون کے دھبے دیکھ کر وہ بوکھلائی۔
"مجھے نہیں جانا۔" اس نے دوپٹا کھولنا چاہا۔
"پلیز شاہ……" اس کی سسکی نکلی۔
"قابل نفرین شخص کے لیے یہ آنسو کیوں؟" اس نے تمسخر اڑایا۔ "مجھے دیکھ کر تمہیں اذیت ہوتی ہے تو کیوں مرنے نہیں دے رہیں، کیوں بار بار بچانے آ جاتی ہو؟" وہ چلایا۔ "تم جانتی ہو تمہاری جدائی میں، میں پل پل مروں، سکوں تو میں ایسا نہیں کرسکتا…… تمہیں درد دیا، جانتا ہوں لیکن زینی اللہ گواہ ہے وہ حرکت صرف تمہیں ارسم سے بچانے کے لیے کی تھی لیکن تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرتی رہو گی تو کرو…… میں ساری عمر تمہاری نفرت سہہ لوں گا لیکن تم میرے پاس، میرے ساتھ رہو۔" اس کا لہجہ دھیما ہوا۔ وہ بے حس بنی کھڑی رہی جیسے وہ کسی

اور سے بات کر رہا ہو..... شاہ زیان نے شانے سے تھام لیا۔
"تمہیں ترس نہیں آتا مجھ پہ..... اعتبار نہیں میری محبت کا۔"
"بند کریں یہ محبت کا راگ۔" اس کے ہاتھ جھٹک کر وہ چلائی۔
"اندازہ کر سکتے ہیں اس اذیت کا جو میں نے آپ کی وجہ سے جھیلی..... محسوس کر سکتے ہیں میرے دکھوں کو؟ کسی نے نہیں کیا تھا اعتبار، تماشا بنا دیا آپ سب نے میرا، کسی کو میری پروا نہیں تھی تو اب میں کیوں کروں؟" وہ بے دردی کھڑی تھی۔
"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا اک پل بھی..... ایک لمحہ بھی نہیں۔" اس نے اپنی مجبوری بتائی۔ "میرے جینے کی وجہ تم ہو جب تم ہی میری زندگی میں نہیں رہو گی تو میں جی کر کیا کروں گا؟" وہ بہت دلگرفتہ تھا۔ زینی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔
"ایسا کیا کروں کہ تمہارے آنسوؤں کا مداوا ہو سکے، تم جو کہو گی کروں گا، جو مانگو گی ملے گا..... بولو کیا چاہیے۔" جیسے کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کے لفظ زینی کے دل میں نہیں اتر رہے تھے، اس گھڑی اس نے علیحدگی کا فیصلہ بھی کر لیا تھا اگر زینی یہی چاہتی تھی تو وہ اس کی خاطر یہ بھی کر لے گا۔
"بولو کیا چاہیے؟" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرے پہ شکست کا عکس در آیا تھا۔
"آپ کی جان چاہیے۔" زینی کی نفرت اس کی محبت کے آگے ڈھے گئی تھی۔ اس نے کئی ثانیے اسے دیکھا۔ ہولے سے مسکرا کر اسے گلے لگا لیا۔ محبت کے رنگ پا گیا تھا۔
"اور کچھ....." دھیرے سے سرگوشی کی۔ زینی کے آنسو بہنے لگے، یہ مجرم اسے اتنا عزیز تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے دور ہوئی تھی۔ زینی کی خود سپردگی نے شاہ زیان کو اسے سمیٹ لینے پہ مجبور کر دیا۔
"آپ میرے مجرم ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مجھے پھر سے جینا آپ نے سکھایا، ہنسنا مسکرانا سکھایا آپ کی غیر حاضری نے احساس دلایا کہ آپ میرے لیے کتنے ضروری ہو گئے ہیں۔ آپ کے بازو کا تکیہ نہ ہو تو مجھے نیند نہیں آتی آپ میرے ارد گرد نہ ہوں تو بھوک پیاس کا احساس نہیں ہوتا، یہ جان کر کہ آپ میرے مجرم ہیں میں نے بہت کوشش کی کہ آپ سے نفرت کروں مگر میں ناکام رہی۔" وہ اپنی ہار کا اعتراف کر رہی تھی، اس کے شانے سے چہرہ ٹکائے وہ ہولے ہولے کہہ رہی تھی۔ اس کے رخساروں کی حدت سے شاہ زیان کے چہرے پہ حرارت دوڑنے لگی تھی۔
"میں اپنے مجرم کے خدوخال نہیں پہچانتی، میں آپ کی خوشبو پہچانتی ہوں۔ میں یہ یاد نہیں رکھنا چاہتی کہ کس نے مجھے آنسو دیئے میں صرف آپ کے ساتھ گزرے لمحے میں جینا چاہتی ہوں۔ تھک گئی ہوں نفرت کا ڈراما کرتے کرتے۔" وہ روتے ہوئے اعتراف کر رہی تھی۔ شاہ زیان کے بازو اس کے گرد حصار بنا گئے تھے۔
"میں تمہاری ساری تکلیفوں کا ازالہ کروں گا، تمہیں پھر کبھی بیتے دنوں کو یاد کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ میں، تم اور ہمارا بچہ، ہم بہت خوش رہیں گے۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔
"تمہیں کیا لگا تھا تم مجھ سے چھپا لو گی؟" وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔ اس کی نظریں صمیم کے گھر کی دیوار پہ پڑی اسے وہ دن یاد آ گئے۔
"تمہیں بھٹکی روح یاد ہے جو تمہاری فرینڈ لسٹ میں تھا۔" وہ اسے لیے دیوار کے قریب آ گیا۔ زینی نے ذہن پہ زور دیا اسے سب یاد آ گیا۔
"ہاں بہت ایکٹو اکاؤنٹ تھا۔"
"وہ میں تھا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"کیا.....؟" اسے حیرانی ہوئی۔
"اس دیوار کے پار تمہاری آواز سنی تھی پہلی بار اور تمہیں اسی دیوار سے پہلی بار دیکھا بھی تھا۔" وہ خوشگوار موڈ سے بتانے لگا۔
"یہ شریفوں کا وطیرہ تو نہیں۔" وہ مصنوعی خفگی سے اس کو گھورنے لگی۔
"میں نے کب شریف ہونے کا دعویٰ کیا۔" اس نے شرارت سے کہا تو زینی نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پہ مکہ مارا..... وہ واقعی ساحر تھا اور وہ اس کے سحر سے نکلنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ واقعی بجن یہ عشق بڑا بدذات ہے۔

ختم شد

قسط نمبر 6

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہسپتال کی تاریک اور سرد راہداری میں عورت کی چیخیں گونج رہی ہیں جو تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ اس کا شوہر بچی کو لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

لامیہ سڈنی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوتی ہے۔ اذلان اس کا پھوپو زاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی ہوتا ہے۔ دوسری طرف طیبہ حیدر شاہ کو ان دونوں کی دوستی ناپسند ہوتی ہے اور وہ انہیں دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔

سفید حویلی میں احمد علی چٹھہ کا حکم چلتا ہے۔ نور بی بی مزاج کی نرم ہونے کے باعث علاقے کی عورتوں کے مسائل حل کرنے میں مصروف رہتی ہیں اور نورالعین اکثر ان کے ساتھ رہتی ہے۔

عبدالودود علی چٹھہ سفید حویلی کا بگڑا ہوا سپوت ہوتا ہے جو اپنی من مانی کرنے کا قائل ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف تاشفین علی چٹھہ وکالت کے شعبے میں نام پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔

مجتبیٰ شہر سے سفید حویلی آتا ہے اور راستے میں عزت نامی لڑکی سے گاڑی ٹکرا جاتی ہے۔ عزت لاہور کی اندرونی گلیوں میں اپنی ماں رشیدہ بی بی کے ساتھ رہتی ہے اور ان کے تعلقات صرف میمونہ خالہ تک ہی محدود رہتے ہیں۔
حازم شفیق عزت کے لیے نرم جذبات رکھتے ہیں لیکن یہ راز ابھی ان کے سینے میں ہی دفن رہتا ہے۔

اب آگے پڑھئے

✿........✿........✿........✿

شام ہونے میں وقت تھا۔ چوباروں پہ سورج کی کرنیں دوپہر ہونے کا پیام دے رہی تھیں۔ اس کی صبح ہو چکی تھی اور رات کے لیے اہتمام کرنے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ اب سے اس کا روز کا معمول شروع ہونے والا تھا جو کہ اس کو کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ لالی پھرتی سے اس کے ارد گرد گھوم رہا تھا کہ ذرا تا خیر پہ اس کی شامت آنا کوئی عجب بات نہیں تھی۔
''میں کتنے دنوں سے کہہ رہا ہوں خود پہ تھوڑی توجہ دو، نین تارا کی نظر پڑ گئی تو میرے جسم سے کھال اتار دے گی...... تمہیں بھی مجھ غریب کی کوئی فکر نہیں۔'' وہ اس کے لیے رات کا لباس تیار کرتے ہوئے مسلسل بول رہا تھا۔
''لالی...... تمہیں کتنی بار کہا ہے یوں صبح سویرے میرے سر پہ سوار نہ ہو جایا کرو، ابھی نین تارا دماغ کی دہی کرنے آجائے گی۔'' اس کی مدھم آواز کمرے میں ساز کی طرح گونجی۔
اس کا بستر سے اٹھنے کا قطعاً دل نہیں تھا لیکن لالی کی آواز اور کمرے میں اس کی ہلچل اس کو کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔ اس نے مندی آنکھوں سے اس کی حرکات کا جائزہ لیا اور بگڑتے مزاج کے سبب بے نقط سنائی۔
''تمہیں لالی پہ ترس نہیں آتا؟ دیکھو تمہارے پاؤں کی دھول ہوا جاتا ہے، تمہاری آنکھ کے اشارے پہ واری جاتا ہے، ایک قربت کی تو حسرت ہے اس کو بھی ٹھکرا دیتی ہو۔'' اس کمرے سے باہر لالی کی سانسیں اٹکنے لگتی ہیں مگر ذرا جو نازنیں کو خیال آتا ہو۔ وہ فرش پہ اس کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا۔
اس کے دودھیا پاؤں پہ لالی کے کالے، موٹے، بھدے ہاتھ حرکت کرنے لگے۔ اس کے ہاتھوں کی تاثیر تھی کہ بستر پہ دراز وجود راحت محسوس کرنے لگا تھا۔
''لالی...... جا اور نین تارا کو خبر کر کہ آج نازنین کے نام کا چراغاں نہ کرے۔'' لالی کے دبانے کے باعث اسے بہت سکون مل رہا تھا۔ وہ نیم دراز بھی اس کو پیغام دینے کے بعد مکمل دراز ہو گئی۔
''اے جان لاہور...... اس خوب صورت اور محبت کے قابل شہر پہ ظلم نہ کرو، یہ قہر یہاں کے باسی برداشت کریں گے اور نہ تمہارے سامنے موجود غلام...... شہر الفت کے باسی تو نئے دن کی امید پہ پلٹ جائیں گے لیکن لالی کے بدن پہ تمہارے انکار کے نشان کئی دن تک ثبت رہیں گے۔ نین تارا کے خوب صورت ہاتھوں کا بس صرف میرے وجود پہ ہی چلتا ہے اور وہ راشی پان کے سرخ لعاب جیسا میرا بدن سرخ کر دے گا۔'' وہ انداز گریہ میں اس کے قدموں میں لوٹنے لگا۔
''لالی...... تیری یہ پھٹے ڈھول جیسی آواز مجھے کب تک پریشان رکھے گی؟'' اس نے آنکھیں کھولے بغیر تلخ لہجے میں پوچھا۔
''تو اس ڈھول کو پھاڑ دے، یہ نمانا اف بھی نہ کرے گا مگر ان وحشیوں کے سپرد نہ کر جو تیری اور میری جدائی چاہتے ہیں۔'' لالی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
نازنین کی پیشانی پہ بل پڑنے لگے، لالی کی فریاد اس خط کی مانند لوٹ آئی تھی جس کی منزل نامعلوم ہو اور اگر معلوم ہو بھی تو منزل کا باسی خط کھولنا پسند نہ کرے۔ اس نے چند لمحے اس کی سفید و سرخ چہرے پہ نظریں مرکوز

رکھیں اور پھر مرے مرے قدموں سے نین تارا کے کمرے کا رخ کیا۔ دروازے پہ دستک دینے سے پہلے جی بھر کے اپنے بے سبب وجود پہ ترس کھایا اور اندر سے آتی قہقہوں کی آوازوں پہ افسوس کیا کہ جو اس کے داخلے کے ساتھ ہی دم توڑ جائیں گی۔

''اے لالی...... خیر کی خبر لایا ہے ناں؟'' اس کی آمد نین تارا کو پسند نہیں آئی تھی۔

''وہ نازنین......'' اس نے خشک ہونٹوں کو زبان سے تر کیا۔

''اب کیا کر دیا نازنین نے؟ دیکھ لالی کوئی ایسی بات نہ کرنا جو مجھے پسند نہ آئے۔ ویسے ہی بڑے دنوں بعد آج سکون ملا ہے۔'' اس نے پہلو میں رکھی رقم کے ڈھیر کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' وہ نازنین پہ آنچ نہیں آنے دے سکتا تھا۔

''پھر......؟'' نین تارا کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ وہ مطلب سمجھ رہی تھی لیکن اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

''محفل کے لیے معذرت کر رہی ہے۔'' نین تارا کے ایک اشارے پر وہاں موجود اس کے خاص آدمی نے لالی کو گردن سے دبوچ لیا اور ایک جھٹکے سے زمین پر پٹخ کر اس کو لاتوں، گھونسوں کے بعد بیلٹ سے مارنا شروع کر دیا تھا۔

''ناز...... بچالے مجھے...... تیرا لالی مارا جائے گا۔ اے ناز آجا بچالے۔ ہائے لالی مر گیا......'' وہ خود کو بچاتے ہوئے مسلسل اسے آوازیں دے رہا تھا مگر اس نے نہ آنا تھا اور نہ ہی وہ آئی۔ یہ چیخیں بہت سارے لوگوں کے لیے خوشی کا ساماں تھیں۔ یہ اعلان تھا کہ آج نین تارا کی محفل پہ وہ رنگ نہیں جمے گا جس کی دیوانی دنیا تھی۔

لالی کے سر سے بہتا خون چہرے کے نقوش کو دھندلا رہا تھا۔ اس کی پکار اب مدھم پڑ گئی تھی۔ وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پہ موجود نازنین نے شور کے بند ہونے پہ سکون سے نیند کی چادر اوڑھ لی۔ آج کی رات اس کی تھی۔

❁......❁......❁......❁

وہ حیران نگاہوں سے سامنے بیٹھے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ ان کا پیلا پڑتا رنگ ان سارے خیالوں کی تردید کر رہا تھا جو وہ اکثر سوچتا تھا۔ اس نے فوراً سے آگے بڑھ کر ان کو کندھوں سے تھاما، تسلی دینا مقصود تھا لیکن وہ مزید ہراساں ہوئیں، انہیں اب شک یقین میں بدلتا محسوس ہوا تھا۔

''زبیر...... مجھے حویلی جانا ہے۔'' اپنے الفاظ انہیں خود بھی اجنبی محسوس ہوئے۔ زبیر احمد کے لیے ان کا اظہار کسی معجزے سے کم نہیں تھا لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ حامی کس لیے بھری گئی ہے۔ انہوں نے تصدیق کرنے کے لیے مجتبیٰ کی جانب دیکھا۔

''کیا ہوا ہے مجتبیٰ؟ تم کچھ بتاتے کیوں نہیں، دیکھو تمہاری ماما کی حالت خراب ہو رہی ہے۔'' انہیں بیٹے پہ غصہ آیا جو خاموش کھڑا تھا۔

''بابا...... یہی تو میں حیران ہو رہا ہوں کہ ماما اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟'' وہ اپنے خیالوں کو جھٹکتا ہوا ان کی جانب متوجہ ہوا۔

''کیا مطلب...... حویلی میں سب ٹھیک ہیں، بی جان ٹھیک ہیں؟'' وہ سہمی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

''جی ماما...... بی جان ٹھیک ہیں۔ مجھے تو عبدالودود کی کال آئی تھی۔ اس نے آفس جوائن کر لیا ہے، وہ ان دنوں لاہور میں ہے اور بہت جلد آپ سے ملنے کے لیے آئے گا۔'' اس نے بہت محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

''شکر ہے خدایا...... میں ڈر ہی گئی تھی۔'' ان کے چہرے پہ اطمینان ظاہر ہوا۔

”عبدالودود اتنا بڑا ہوگیا کہ خود سے فیصلے کرنے لگا؟“ وہ مدھم آواز میں بولیں، انداز خود سے سوال کرتا ہوا تھا لیکن مجتبیٰ سن چکا تھا۔
”آپ کو اس کے متعلق ابھی کچھ معلوم نہیں، بڑے ابا اسے اپنا گھوڑا کہتے ہیں، سفید حویلی میں ان کے علاوہ وہ کسی کی نہیں سنتا۔“ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے مجتبیٰ کے لہجے میں الگ سی کھنک تھی۔
انہیں اتنا تو اندازہ تھا کہ مجتبیٰ کو وہاں خوب مزا آتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ میں اتنا مخلص پن ہوگا۔ وہ کبھی سفید حویلی والوں کے متعلق کچھ نہیں پوچھتی تھیں۔ مجتبیٰ کی بات نے ان کے وجود میں انتظار کی چنگاری سلگادی۔ دل اس کو دیکھنے کے لیے ہمکنے لگا جسے وہ چند ماہ کا اپنی گود میں کھلاتے ہوئے چھوڑ آئی تھیں۔ ایک دو بار کی مختصر ملاقات میں ان بچوں کو نہیں دیکھ سکیں جن میں ان کی جان بستی تھی۔
”رقیہ...... اپنے چہرے سے چھلکتی وہ محبت دیکھیں جو مجھے نظر آرہی ہے شاید تب آپ کو اندازہ ہو کہ آپ نے ان سالوں میں کیا کیا گنوایا ہے۔ ایک بے نام جنگ میں آپ کتنے قیمتی لمحے جھونک چکی ہیں۔“ وہ اس لمحے کچھ کہہ کر ان کی خوشی غارت نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے ذات کا اکیلا پن آواز بن گیا۔ اپنی بات کہہ کر وہ وہاں رکے نہیں تھے۔
”یہ کبھی مجھے خوش نہیں دیکھ سکتے۔“ رقیہ زبیر احمد نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا۔ مجتبیٰ کے سامنے وہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھیں سو خاموش ہی رہیں۔

❁........❁........❁........❁

ایک نئی خوب صورت شام ان کی منتظر تھی۔ یہ چند دن سڈنی کی رونق تھے اور یہاں کا ہر باسی اس رونق کو دوبالا کرنے میں پیش پیش رہتا تھا۔ دن کی محافل اور رونقیں شام کے ساتھ مزید بڑھنے لگیں۔ ایک محفل سی بی ڈی کی ایک عمارت کے آفس کلب میں سجائی گئی، وہاں کا جوش وخروش کسی طرح بھی سڈنی کی گلیوں سے کم نہیں تھا۔ اس محفل میں ان کے خاص دوستوں کے علاوہ یونی کلاس فیلو بھی شامل تھے۔ انہوں نے واس آف یونیورسٹی کے کچھ ساتھیوں کو بھی مدعو کیا ہوا تھا اور یوں ایک اچھی خاصی تعداد وہاں جمع ہوگئی تھی۔ اذلان ساری تقریب کو بہت اچھے طریقے سے دیکھ رہا تھا۔ پورے ہال کو بہت اچھے طریقے سے سجایا گیا تھا، مشرقی اور مغربی دونوں طرح کے لوازمات رکھے گئے تھے، سوئمنگ ایریا میں بھی بیٹھنے کے لیے مکمل انتظامات تھے، ہال کے ایک کونے میں میوزک سسٹم رکھا گیا تھا جہاں من چلے اپنی مصروفیت میں مگن تھے۔ اب اگر کوئی کمی تھی تو وہ لامیہ خود تھی۔ اتنی بھاگ دوڑ کے بعد اذلان کے لیے لامیہ کو منانا باقی تھا جو آنٹی کی طبیعت کے باعث آنے سے انکاری تھی لیکن بالآخر انکل کی سرزنش کام آگئی تھی۔
سب اپنی باتوں اور مصروفیات میں مگن تھے کہ اچانک ہال کی روشنی بند ہوگئی اور ”اوہ“ کی آواز کی گونج پیدا ہوئی۔ چند لمحوں بعد ڈی جے کی ویلکم کرتی آواز آئی اور وہ مدھم روشنیوں نے لامیہ ابراہیم کا محاصرہ کیا۔ ہال میں ستائشی آوازیں ابھریں، سب کی نگاہیں اس پہ مرکوز تھیں جو سفید گاؤن پہنے کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ وہ ہال کے وسط تک آئی، میوزک کی مدھم آواز اور دھیمی روشنیوں نے عجیب سماں باندھ دیا۔ یہ سارا منظر سب کے لیے حیران کن تھا اور سب سے زیادہ خود اس کے لیے...... اس نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔
”آج کا دن تمہارے نام......“ ایک دم اذلان اس کے سامنے آیا اور سرخ گلابوں کا گلدستہ اس کے سامنے کرتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔ سارا ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ ہال میں آوازیں رقص کرنے لگی جن کا مفہوم اذلان کا والہانہ پن اور لامیہ کی سحرانگیز خوب صورتی تھی۔ کوئی اس کی امارت پہ حیراں اور کوئی اس کی قسمت پہ نازاں تھا۔ وہ شاید اذلان کے جذبات نہ سمجھتی لیکن وہاں ہر زبان پہ اس کا تذکرہ لامیہ کی نگاہوں کا زاویہ بدلنے لگا تھا۔ وہ آج کچھ انوکھا

محسوس کر رہی تھی، کچھ الگ سا احساس دامن گیر ہو رہا تھا، کوئی نیا جذبہ وجود میں سر اٹھا رہا تھا۔
''لامیہ...... میری اس سے دشمنی ہے لیکن کبھی کبھی مجھے اچھا لگتی ہے۔'' سبین اس کے کان میں بولی تو اس نے چونک کر اذلان کی سمت دیکھا۔
وہاں واقعی کچھ الگ تھا...... کچھ ایسا جو اس سے پہلے وہ محسوس نہیں کر پائی تھی۔ ایک نیا احساس اس کی سوچوں میں سرایت کرنے لگا تھا، وہ نئے جذبات سے روشناس ہو رہی تھی، کچھ لمحے انمول ہوتے ہیں اور وہ شاید ان ہی لمحوں کے حصار میں تھی۔
''لامیہ...... آؤ کیک کاٹتے ہیں۔'' وہ جوزف اور رادھا کے ساتھ اس کی سمت آیا۔
اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے پیچھے اس سمت آگئی جہاں چھوٹا سا کیک رکھا تھا۔ اس پل اس کی بات ماننا، اس کو سننا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی پیروی کرنے میں سکون مل رہا تھا۔ وہ کیک کاٹنے ہی لگی تھی کہ ایک آواز نے اس کے ہاتھ ساکت کر دیے۔

تمہاری ذات کے ہجے
ہماری انگلیوں سے ہی نہیں جاتے
کسی کا نام لکھنا ہو تمہارا نام لکھتے ہیں
کسی کی بات کرنی ہو تمہاری بات کرتے ہیں
کہیں کوئی بادل برس جائے
تمہارے شہر کی برسات لکھتے ہیں

اس کے خاموش ہوتے ہی سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ آواز کی لو جذبات کی آنچ پہ ایسی دہکی کہ سارے دم بخود رہ گئے۔ لامیہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں ایسی کھوئی کہ ارد گرد کو بھول گئی۔ یہ بے خودی پہلی بار تھی۔ اذلان کا والہانہ پن نیا تھا۔ سب اس کے گرد اکھٹے ہو گئے۔ وہ منتظر نگاہوں سے اس کے ہاتھ کی سمت دیکھ رہے تھے۔
اس نے نظریں چرا کر کیک کو دیکھا اور پھر چھری تھام کر کیک کاٹ دیا اس پل لامیہ کو محسوس ہوا اس کا دل بھی کاٹا گیا ہے، اس کا وجود دو حصوں میں بٹ گیا، کوئی دوسرا آنکھوں سے دل میں اتر گیا ہے۔ دھڑکنوں کی لے بدل رہی تھی، محبت تھی شاید جو اس کے وجود کے ارد گرد رقص پا تھی کہ اسے مدہوش کرتے ہوئے اس کی سانسوں میں سرایت کر جائے، اس کو ہر چیز سے بے نیاز کر دے، وہ اس نئے جذبے کی نرم بانہوں میں گرنے والی تھی کہ نگاہوں نے بہت ہی ناپسندیدہ منظر دیکھا۔
ہال کے دوسری طرف، سوئمنگ پول کے پار دو آنکھیں انگارہ بنی اس کو ہی دیکھ رہی تھیں، ان نگاہوں کی شدت اسے اپنا سانس روکتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی، اس پل اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ ابھی تک مقابل کے ہاتھ میں ہیں، ایک نرم سی خوشبو اب بھی اس کے وجود کے گرد چکرا رہی ہے، کسی کا مضبوط کندھا اس کی پشت پہ اپنی موجودگی کا یقین دلا رہا ہے۔
''کیا ہوا لامیہ؟'' وہ اس کی لاتعلقی پہ حیران ہوا۔ وہ خاموش رہی۔ اس کا سوال سن ہی نہیں سکی، وہ بس نگاہوں کی زبان سے خود کو محفوظ کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے اس کا وجود چھلنی کر دیا تھا۔
''لامیہ......'' اس نے پھر پکارا۔ اس لمحے وہ اس کا ارتکاز محسوس کر گیا۔ چند لمحے قبل اپنی خوش قسمتی پہ نازاں ہونے کا یقین پل بھر میں بہت تیزی سے مٹی میں ملتا محسوس ہوا۔

"ممی......!" اس کے ہونٹوں نے بنا آواز حرکت کی اور کئی فٹ دور کھڑی طیبہ حیدر شاہ نے یہ حرکت محسوس کرنے کے بعد وہاں ایک پل رکنا گوارا نہیں کیا۔ وہ جس تیزی سے نکلیں وہاں کی رونق بھی ساتھ لے گئی تھیں۔

❁.......❁.......❁.......❁

یونیورسٹی کے بڑے گیٹ سے آگے طویل ذیلی سڑکیں مختلف حصوں کی طرف جا رہی تھیں۔ ان سڑکوں پہ آج خلاف معمول رش تھا، بہت سے نئے چہرے اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لیے یہاں موجود تھے، کچھ چہروں پہ بلا کا اعتماد نظر آرہا تھا جیسے کچھ کر کے دکھانے کی لگن کے سامنے ہر چیز عام تھی، کچھ چہروں پہ عجیب گھبراہٹ نظر آرہی تھی جیسے یہ نیا ماحول، نئی جگہ، نئے لوگوں کا سامنا مشکل ہو۔ سڑکوں کے اردگرد لگے گھنے درخت اپنی چھاؤں میں کھڑے لوگوں کی گفتگو ہمہ تن گوش سن رہے تھے، ہوا کے دوش پہ جھومتے، مدھم سرسراہٹ لیے ان سے ہم کلام ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

وہ بزنس ڈیپارٹمنٹ کی طرف جاتے ہوئے بہت پر اعتماد تھا۔ ایک تو وہ پہلے بہت بار یہاں آچکا تھا اور دوسرا اس کے بہت جاننے والے یہاں موجود تھے۔ اس کی دوستانہ طبیعت کے سبب راستے میں ہی دو تین دوست بن چکے تھے۔ آج پہلا دن ہونے کی وجہ سے اکثریت پیدل مارچ پہ تھی شاید یہ دن یادگار کے طور پہ یاد رکھنا مقصود تھا۔

"یار...... یہ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ ابھی کتنا دور ہے؟" اس کے ساتھ چلتے ایک لڑکے نے رکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو معلوم نہیں لیکن دور دور تک ابھی کوئی عمارت نظر نہیں آرہی۔" اس نے عبدالحنان نامی لڑکے کو پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا، ابھی سے تھک گئے؟ آج تو پہلا دن ہے تھوڑی ہمت دکھاؤ۔" ایک اور لڑکا جوان کا ہم قدم تھا مسکراتے ہوئے بولا۔

"بھائی...... میری تو بس ہوگئی ہے، میں چند قدم مزید آگے نہیں چل سکتا۔" وہ فٹ پاتھ پہ گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا۔

"ہمت نہیں تھی تو پیدل چلنا شروع کیوں کیا؟" وہ دونوں اب عجیب مشکل میں پھنس گئے تھے۔ بے شک کوئی لمبی چوڑی جان پہچان نہیں تھی۔ چند لمحوں کی بات تھی لیکن اب یوں اسے اس حال میں چھوڑنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"میری ہمت کی بات تو نہ ہی کرو جی، سویرے تڑکے پنڈ سے نکلا تھا اور وہ بھی پیدل پھر بس کے پیچھے لٹک کے شہر پہنچا اور اب یوں پیدل چلا چلا کے مار رہے ہو۔" وہ عجب دہائی دیتے انداز میں بولا۔

"ہم نے کہا تھا پیدل چلو جواب ہمیں باتیں سنا رہے ہو۔" اس کے مقابل کھڑا لڑکا جس کا تعارف اویس نام سے ہوا تھا، اس کی ٹھیک سے کلاس لی۔

مجتبیٰ وہاں خاموش کھڑا تھا۔ اسے زندگی کے اس رنگ سے کہاں واقفیت تھی۔ اس کے دل میں سامنے بیٹھے دہائی دیتے لڑکے کے لیے ترحم بھرے جذبات ابھر رہے تھے۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تھوڑا دور ہی ڈیپارٹمنٹ ہوگا، اب کسی بس میں لٹکنے کی بجائے گیارہ نمبر کا سہارا لے لوں۔" اس نے اپنی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"حد ہے یار۔" اویس جی بھر کے کوفت زدہ ہوا جب کہ مجتبیٰ اس کے گیارہ نمبر پہ ہی پھنسا گیا تھا۔

"اچھا کوئی مشکل نہیں، ابھی کوئی بس آتی ہے تو اس میں سوار ہو جاتے ہیں۔" مجتبیٰ نے اسے تسلی دی۔

ان کے درمیان ابھی بات ہو رہی تھی کہ بس آتی دکھائی دی۔ ان تینوں نے سوار ہونے میں عجلت کی کہ مبادا یہ نعمت

بھی نہ چھن جائے۔ اویس نے سب سے پہلے جگہ تلاش کرتے ہوئے عبدالحنان کو بٹھایا اور اس کے بیٹھتے ہی ان دونوں نے سکون کا سانس لیا ورنہ اس کی مسکین سی شکل ان دونوں کو پریشان کر رہی تھی۔

”چلو یار...... ہم بھی پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں شاید کوئی جگہ مل جائے۔“ اویس نے اسے آگے بڑھنے کا کہا۔ وہ شدید ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔ اسے کہاں عادت تھی یوں بسوں میں دھکے کھانے کی، وہ تو شوق میں گاڑی باہر کھڑی کر آیا اور اب پچھتاوے میں مبتلا ہو رہا تھا۔ اویس کے بار بار ٹہوکا دینے پہ وہ رش سے بچتا ہوا آگے بڑھا، ابھی بریک لگے اور وہ بے قابو ہوتا ہوا اگلے وجود سے جا ٹکرایا۔ ابھی شرمندگی اور ندامت سے سر اٹھا بھی نہیں پایا تھا کہ خشمگیں نگاہوں کا احساس ہوا۔ اس نے جی بھر کے بدمزہ ہوتے ہوئے معذرت کرنے کا سوچا لیکن چہرہ اٹھاتے ہی سیٹی گم ہوگئی۔ مقابل کوئی لڑکی نہیں تھی۔ شعلہ تھی اور شعلہ بھی وہ جو جلا کے راکھ کردے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا آنکھیں بند کرے اور یہ سارا منظر ختم ہوجائے۔ وہ پارکنگ میں ہو اور دوبارہ پیدل چلنے کی غلطی زندگی بھر نہ دہرائے۔ شومئی قسمت کہ مقابل کی آنکھوں میں گزرے واقعے کا عکس بھرپور نمایاں تھا۔

”آپ کو گرنے، مارنے، ٹکرانے کے علاوہ کوئی کام آتا بھی ہے؟“ وہ جتنی محسوس کرسکا مقابل کے لہجے میں اس سے زیادہ تلخی تھی۔

”دیکھیے...... وہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اچانک سے بریک لگ جائے گا۔“ اسے وضاحت دیتے ہوئے نہایت برا محسوس ہو رہا تھا اس پہ مستزاد سب کی نظریں اس پہ مرکوز تھیں۔

”آپ کو کسی بات کا بھی اندازہ نہیں ہوتا، نہایت ہی بدحواس انسان ہیں۔“ اس نے صرف کہنے پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ نگاہوں کا غصہ بھی انڈیلنے کی پوری کوشش کی۔

”کیا ہوا...... کوئی مسئلہ ہے؟“ ان کے درمیان تلخی دیکھ کر ایک لڑکا آگے بڑھا اور تب ہی اس نے محسوس کیا اویس بھی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

”کیوں آپ تھانیدار ہیں یا صلح کمیٹی میں کام کرتے ہیں؟ میں مسئلہ آپ کو کیوں بتاؤں اور بتا بھی دوں تو آپ کیا یہاں ہی کچہری لگا لیں گے۔“ وہ دنیا جہان کی تلخی لہجے میں سموئے اس لڑکے سے مخاطب ہوئی۔

وہ لڑکا اپنا سا منہ لے کر پیچھے ہٹ گیا جب کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجتبیٰ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ ٹھہری۔

”عزت...... ہمارا کیمپس آگیا۔“ اس کے ساتھ کھڑی لڑکی نے اس کا کندھا زور سے ہلاتے ہوئے متوجہ کیا۔ وہ اسے گھورتے ہوئے دوسری لڑکی کے پیچھے اتر گئی جبکہ مجتبیٰ نے سکون کا سانس لیا۔

”توبہ...... نام عزت ہے جب کہ بے عزتی کرنے میں ماسٹر لگتی ہے۔“ اویس نے ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے ہاتھ سے آہنی سہارا لے رکھا تھا ورنہ وہ دونوں ہاتھ کان کو لگا کر توبہ کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے انداز نے مجتبیٰ کو مسکرانے پہ مجبور کردیا۔ اس نے نامحسوس طریقے سے سر کو جھکاتے ہوئے شیشے کے پار کیمپس دیکھنا چاہا۔ وہ خود بھی اس خواہش کو سمجھ نہیں پایا۔

”مجھے سمجھ میں نہیں آتی ایسی مرد مار لڑکی جرنلزم کر کے کیا کرے گی؟ اس کی رپورٹنگ سن کر جو نہ مرے وہ بھی مر جائیں گے۔“ اویس اس کی چوری پکڑ گیا بلکہ سنا بھی گیا۔ مجتبیٰ نے فوراً نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔

”ویسے اچھا کیا کیمپس دیکھ لیا کیونکہ سننے میں آتا ہے یوں پہلے دن کے حسین اتفاقات کوئی نا کوئی رنگ ضرور دکھاتے ہیں۔“ اویس نے جلتی پہ مزید تیل ڈالا۔

”اچھا اچھا بس کر...... اپنے تجربے بعد کے لیے بھی بچا رکھو۔“ مجتبیٰ نے جان چھڑانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس

نے مکمل ارادہ کیا کہ کیمپس پہنچ کر دوبارہ اولیس کے نزدیک سے بھی نہیں گزرے گا۔

❁.......❁.......❁.......❁

وہ عجیب بے چینی سے لاؤنج میں ٹہل رہی تھیں یوں جیسے وجود میں ببول اگ آئے ہوں۔ چہرہ غصے کی شدت سے سرخ تھا۔ ایک عجیب بے چینی ان کے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔

''طیبہ...... کیا ہو گیا ہے آپ کو، اتنی بے چین کیوں ہیں؟'' حیدر شاہ انہیں کب سے یوں ٹہلتے دیکھ رہے تھے۔

''آپ پلیز اس وقت مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔'' ان کے وجود میں اس وقت ایک آگ جل رہی تھی جس کے قریب جو بھی آتا وہ جل جاتا۔

''آپ ہوش میں تو ہیں؟'' انہیں اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

''بالکل نہیں ہوں ہوش میں...... میں آپ کو سب کچھ بتاتی رہی لیکن آپ نے میری باتوں کا یقین نہیں کیا، آپ کو وہ سب نظر نہیں آ رہا تھا جو میں دیکھ رہی تھی اور اب وہ سب حقیقت کا آسیب بن کر میرے سر پہ منڈلا رہا ہے۔'' ان کے قدم اب بھی ایک پل کے لیے نہیں رکے تھے۔

''طیبہ...... ادھر آئیں، یہاں بیٹھیں۔'' ان کی یہ حالت انہیں بے سکون کر رہی تھی۔ ان کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں لیکن جسم کی حرکات وجود میں برپا طوفان کی خبر دے رہی تھیں۔

''اب آرام سے بتائیں کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے طیبہ حیدر شاہ کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں اپنی فرینڈز کے ساتھ آفس کلب میں پارٹی کرنا چاہ رہی تھی۔ کلب منیجر کو کال کی کہ شیڈول پتا کروا سکوں، آپ جانتے ہیں اس نے مجھے کیا بتایا؟''

''نہیں...... آپ بتائیں گی تو معلوم ہوگا ناں۔''

''وہاں اس وقت بہت بڑی پارٹی چل رہی ہے۔'' ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سنگینی تھی۔

''طیبہ...... ذرا جلدی بتائیں، آپ کا انداز مجھے پریشان کر رہا ہے۔'' وہ ان کے بار بار رکنے پہ کوفت زدہ ہوئے۔

''آپ کا بیٹا اس پارٹی کا روحِ رواں بنا ہوا ہے اور مہمانِ خصوصی وہ لامیہ ہے۔ اس کی شان میں قصیدے پڑھ رہا ہے، کہہ رہا تھا کسی کا نام بھی لکھوں تو تمہارا نام لکھتا ہوں، اس کا ہاتھ پکڑ کر کیک کاٹا جا رہا تھا۔'' ان کا غصہ اس حد تک بڑھ رہا تھا کہ حیدر شاہ کو ان کی طبیعت کی فکر لاحق ہونے لگی۔

''اچھا...... یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں، وہ آتا ہے تو میں اس سے پوچھوں گا۔'' انہوں نے غصہ کم کرنے کی کوشش کرنا چاہی جو ناکام رہی۔

''یہ بڑی بات نہیں، آپ کو عام بات لگ رہی ہے؟'' انہیں شدید دکھ محسوس ہوا۔ ''ایک تو وہ اپنے مستقبل سے کھیل رہا ہے، دوسرا اتنی بڑی پارٹی ہو رہی ہے اور اس نے ہمیں بتانا گوارا نہیں کیا اور ڈھٹائی تو دیکھیں اس لڑکی کی کہ اس نے مجھے وہاں دیکھ بھی لیا اور پھر بھی اذلان کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔'' ان کا سر شدید بھاری ہونے لگا تھا۔

''میں آپ سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ آپ نے بلاوجہ کی ٹینشن مول لے رکھی ہے، وہ دونوں دوست ہیں اور اگر اس سے بڑھ کر کچھ ہوتا بھی ہے تو کیا مسئلہ ہے؟ وہ آپ کی بھتیجی ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے بیٹے کی خوشی بھی، آپ کے اس رویے کے باعث میں اسے بارہا منع کر چکا ہوں کہ لامیہ سے دور رہے، اس کے باوجود وہ نہیں مان رہا تو آپ کو اس کی زندگی میں لامیہ کی اہمیت سمجھ لینی چاہیے۔'' وہ روز روز کی بحث سے تنگ آنے لگے تھے۔ ان کی طبیعت کی خرابی پریشانی بڑھا رہی تھی۔

''ہاں آپ تو ایسے کہیں گے، آپ کو اس میں کوئی دوسرا نظر آتا ہوگا ناں...... ابھی حقیقت کا نہیں پتا تو اس کی طرف داری کررہے ہیں جب سب معلوم ہوگیا ناں تب آپ سے پوچھوں گی۔'' وہ ان کی عجیب بہکی بہکی باتیں سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں، کون نظر آتا ہے، کون سی حقیقت ہے جو مجھے معلوم نہیں؟'' وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئے۔

''کچھ نہیں ہے، آپ اس معاملے سے اب دور رہیں میں خود سب دیکھ لوں گی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے آنکھیں موند گئیں۔

حیدر شاہ ان کا سپاٹ چہرہ دیکھتے ہوئے سوچ میں مبتلا ہوگئے۔ وہ کون سی باتیں چھپا کر بیٹھی ہوئی تھیں جن کے متعلق انہیں معلوم نہیں تھا۔ کون دوسرا ایسا تھا جس کو ان کے حوالے سے سوچا جارہا تھا؟ انہیں دور دور تک طیبہ حیدر کے سوا اپنی زندگی میں کوئی دوسرا نظر نہیں آیا، اب ان سے کچھ پوچھا نہیں جاسکتا تھا سو انہوں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔

طیبہ حیدر شاہ بند آنکھوں سے کسی اور جہاں میں پہنچی ہوئی تھیں۔ گزرے وقت کی اذیتوں میں ایک خوشگوار جھونکا حیدر شاہ کا وجود تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کی سب سے بڑی خوشی کسی دوسرے کے ساتھ منسوب کردی گئی ہے انہیں اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ان کی محبت، طلب اور چاہ بچی تھی جو قسمت نے جدائیوں کا رخ موڑ دیا تھا۔ وہ دوسرے دیس میں ایک نئی زندگی شروع کرچکی تھیں۔ جب اذلان کے روپ میں انہیں دنیا کی سب سے بڑی خوشی ملی تھی، اس کے ساتھ ایک انجانا سا خوف بھی ان کی زندگی میں شامل ہوگیا تھا۔ ابراہیم کی زندگی میں آنے والی عورت ان کا سب سے بڑا خوف بن کر رہ گیا تھا۔ وہ کسی صورت یہ نہیں چاہتی تھیں کہ حیدر کو گزرے وقت کی کوئی یاد ستائے، کوئی ایک گزرا لمحہ انہیں ماضی کی بھول بھلیوں میں گم کردے لیکن ہر تدبیر ان کے بیٹے نے ان پہ الٹ دی تھی۔ اذلان نے ہر رکاوٹ ہٹانے کے ٹھان لی تھی لیکن اب انہوں نے بھی سوچ لیا تھا کہ اس موڑ پہ آکر وہ ہار نہیں مانیں گی۔ ان بڑھتی ہوئی ڈوروں کو زیادہ ڈھیل دینا انہیں خطرناک محسوس ہونے لگا تھا، اب فیصلے کا وقت آن پہنچا تھا۔ انہیں احساس ہوگیا تھا کہ اب اس ڈور کو کاٹ دینے میں ان کے خاندان کی بقا ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے وجود میں چلتی جنگ کا اندازہ حیدر شاہ ان کے چہرے سے لگالیں سو وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ مستقبل کے فیصلوں کے لیے انہیں خود کو پرسکون کرنا تھا۔

❁......❁......❁......❁

آج پہلا دن تھا۔ یونیورسٹی میں ایک ہجوم تھا اور کلاسز بہت کم ہورہی تھیں۔ سب کا زیادہ وقت گھومنے اور ایک دوسرے سے ملنے ملانے میں صرف رہا تھا۔ وہ دونوں بھی سارے کلاس فیلو سے مل چکی تھیں اور کافی معلومات حاصل کرلی تھی۔ وقت گزاری کے لیے وہ دونوں دوسری منزل کی راہداری میں کھڑی نیچے لان کی طرف دیکھتے ہوئے باتوں میں مگن تھیں۔

''مجھے تو بھوک لگنے لگی ہے۔'' عزت نے منہ لٹکائے ہوئے کہا۔

''ابھی تو ناشتہ کیے وقت ہی کتنا گزرا ہے؟'' وہ جی بھر کے حیران ہوئی۔

''آج شاید باتیں بہت کرلی ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے پیٹ میں کرکٹ کا مقابلہ ہورہا ہے۔'' اس نے پیٹ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا جیسے بات کا یقین دلانا چاہتی ہو۔

''عزت...... وہ دیکھو بھائی جان۔'' کنزی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

اس نے کنزی کے ہاتھ کی سمت دیکھا۔ حازم شفیق ایک گروپ کی شکل میں نیچے لان سے گزر رہے تھے۔ انہیں

دیکھ کر اس کے دل میں فخریہ جذبات پیدا ہوئے لیکن ایک دم ساری کیفیت بدل گئی۔ ان کے قریب اس وقت کوئی لڑکی تھی جس سے وہ ہنستے ہوئے کوئی بات کررہے تھے۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکی۔

"کوئی کولیگ ہوگی یار۔" کنزی نے شاید اس کے لہجے کی سنگینی محسوس نہیں کی تھی۔

"ہمارے سامنے تو سڑی مرچ بنے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ دیکھو کیسے قہقہے لگارہے ہیں۔" وہ اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکی سو اپنا رخ بدل لیا۔

"توبہ ہے..... آج ویسے ہی تمہارا مزاج خراب لگ رہا ہے۔ پہلے بس میں اس لڑکے کو اچھی خاصی سنائی اور اب بھائی جان پہ غصہ آنے لگا ہے۔" کنزی اس کی کیفیت نہیں سمجھ پائی تھی۔

"تمہیں وہ لڑکا بڑا بیچارہ لگ رہا ہے، اس کی حرکت نہیں دیکھی تھی؟ یوں پنڈولم کی طرح بس میں گھوم رہا تھا جیسے پہلی بار سفر کیا ہو اور اتنا ہی ترس آرہا ہے ناں تو اگلی بار اسے کہوں گی تمہارے اوپر ہی گرے۔" اس نے سارا غصہ کنزی پہ اتارا۔

"معاف کردو، مجھ سے غلطی ہوگئی۔" اس نے باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔ وہ دونوں یہ بھول بیٹھی تھیں کہ وہ گھر میں نہیں ہیں۔

"اب کہاں جارہی ہو؟" کنزی کو آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"کچھ کھانے کے لیے اس سے پہلے کہ تمہیں کھا جاؤں۔" اس کا بگڑا مزاج دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے کیفے ٹیریا کی طرف آگئیں۔ اس طرف بھی اچھا خاصا رش تھا۔

"یہ سب پڑھنے آئیں ہیں یا کھانے؟" عزت اتنا رش دیکھ کر چپ نہیں رہ سکی۔

"ہوسکتا ہے ان سب کا مزاج بھی خراب ہو اور ان کے مجھ جیسے معصوم دوست اپنی جان بچانے کو انہیں یہاں لے آئے ہوں۔" کنزی نے موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

"تمہیں میں بعد میں پوچھوں گی۔" اسے تنبیہہ کرتے وہ آگے بڑھی اور چند قدم چلنے کے بعد رک گئی۔

"اب کیا ہوا؟" کنزی نے پوچھتے ہوئے اسی سمت دیکھا جہاں اس کا رخ تھا۔

حازم شفیق ایک میز پہ اسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے تھے جو کچھ دیر پہلے ان سے ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھی۔ اب ان کے ساتھ دیگر ساتھی نہیں تھے۔ اس سے پہلے کہ کنزی کچھ کہتی عزت نے ان کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"عزت رکو، جاؤ، کیا کررہی ہو؟ دیکھو وہ یہاں لیکچرار ہیں، ہمیں ان سے دور رہنا چاہیے۔" کنزی اس کے ارادے بھانپ گئی تھی تب ہی اس کے ساتھ تیز قدموں سے چلتے ہوئے منع کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس نے کنزی کی ایک نا سنی اور قدم مطلوبہ میز کے سامنے جا روکے تھے۔ اس کو روکنے کے چکر میں وہ بھی اس کے ساتھ وہاں تک پہنچ گئی تھی۔ ابھی وہ ان دونوں کو دیکھ بھی نہیں پائے تھے کہ عزت ایک کرسی گھسیٹتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کنزی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آنکھیں بند کرے اور یہ منظر اس کے سامنے نہ ہو۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟" وہ لڑکی حد درجہ تلخ انداز میں بولی۔ حازم شفیق تو کچھ بول ہی نہیں پائے بلکہ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ ہوا کیا، عزت کے چہرے پہ غصے کی واضح جھلک تھی اور اس کے پیچھے ہراساں سی کنزی کھڑی تھی۔

"آپ کون ہیں؟" عزت نے جواب دیے بنا اس سے ہی سوال کیا۔ "ارے کنزی، آؤ ناں تم بھی بیٹھو۔" اس نے ساتھ اسے بھی پکڑ کر بٹھالیا۔ کنزی اس پل شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"آپ کو مینرز نہیں ہیں؟ ایک تو منہ اٹھا کر بیٹھ گئی ہیں اور دوسرا مجھ سے ہی پوچھ رہی ہیں کہ میں کون ہوں۔" اس لڑکی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عزت کے ساتھ کچھ برا کردے۔ وہ ابھی مزید بھی کچھ بولنے لگی تھی کہ اسے مقابل کی خاموشی کا خیال آیا۔ وہ اتنے چپ کیوں تھے؟ یہ ہی دیکھنے کے لیے ان کی طرف دیکھا تو وہاں عجب لاپروائی کا عالم تھا۔

"افشین...... یہ میری فیملی سے ہے۔" انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہاں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔

"اوکے...... میں چلتی ہوں۔" وہ بنا کچھ کہے چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر چلی دی۔ اس کے جاتے ہی عزت نے سکون کا سانس لیا۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"بھائی...... میرا قصور نہیں، میں نے اسے بہت منع کیا لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔" کنزی نے اپنی صفائی پیش کی۔

"اب آپ بتائیں گی آپ کو کیا مسئلہ تھا؟" انہوں نے حد درجہ سنجیدہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"مجھے بھوک لگی تھی، یہاں آئی آپ کو دیکھا تو سیدھا اسی طرف چلی آئی۔" اس کے لہجے میں مکمل بے نیازی تھی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی بے وقوف ہو، یہ یونیورسٹی ہے، یہاں مجھے دیگر ہزاروں کام ہوتے ہیں، تمہیں بھوک لگی ہے، تمہیں چوٹ لگی ہے، تمہیں کچھ بھی ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم یوں میرے سر پہ سوار ہو جاؤ گی۔" وہ دھیمی آواز مگر کرخت لہجے میں بول رہے تھے۔

"حازم بھائی......" وہ منہ کھولے ان کا لہجہ اور انداز دیکھ رہی تھی۔

"کیا حازم بھائی؟ وہ میری کولیگ تھی اور تم نے بدتمیزی کی حد کردی۔ تم یہاں پڑھنے آئی ہو میری چوکیداری کرنے نہیں۔" وہ حتمی لہجے میں بات کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد وہ وہاں رکے نہیں تھے۔

وہ وہیں ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔ کنزی کو اس وقت خاموشی ہی بہتر لگی۔ عزت کے تاثرات سے اسے محسوس ہوا کہ اسے دکھ ہوا ہے لیکن وہ کچھ کہہ کر اپنی شامت نہیں بلانا چاہتی تھی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر کچھ کھانے کے لیے لینے چل دی۔ وہ واپس آئی تو عزت اسی طرح بیٹھی تھی جیسا چھوڑ کر گئی تھی۔

"یہ لو...... کھالو۔" کنزی نے سموسے کی پلیٹ اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے کنزی کی لائی چیزوں کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔

❁......❁......❁......❁

آج خلاف معمول وہ حویلی میں موجود تھے۔ رات دیر سے واپسی ہوئی تھی، آج آرام کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، اسی سبب تاخیر سے بیدار ہوئے۔ رات کا لباس تبدیل کرتے ہوئے نچلے حصے کی طرف آئے تو وہاں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ انہوں نے حیرانی سے سب کی مصروفیات دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا کہ شاید آج بڑے ابا بھی حویلی میں ہی تھے۔ وہ ان ہی سوچوں میں گم چند قدم آگے بڑھے تو بڑی امی لاؤنج میں بیٹھی نظر آئیں۔ انہوں نے اسی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"ارے ماشاء اللہ...... آج تو چاند بھی زمین پہ اتر آیا ہے۔" بڑی امی نے سر پہ پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ان کی بات سن کر وہ مسکرا دیئے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لطیف سا طنز ان کی مصروفیات کے باعث کیا گیا ہے۔

"مصروف رہنا تو اچھی بات ہے ناں...... آپ ہی تو کہتی تھیں خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے اور آپ کی اسی بات نے مجھ معصوم کو اتنا مصروف کر رکھا ہے۔ میں یہ ساری جدوجہد شیطان کو خود سے دور رکھنے کے لیے کرتا ہوں۔" ان کے پاس بیٹھے ہلکے پھلکے لہجے میں باتیں کرتے ہوئے شخص کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ انسان اپنے

دلائل سے دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا دیتے ہیں۔
"تمہیں بھی عبدالودود کی طرح باتیں کرنا آ گئی ہیں۔" انہوں نے اس کے کندھے پہ ہلکی سی چپت لگائی تو وہ کھل کے مسکرائے۔
"وکیلوں کی چرب زبانی تو مشہور زمانہ ہے اس لیے آپ یہ کہیے کہ عبدالودود میری طرح باتیں کرنے لگا ہے۔" انہوں نے ایک نیا نقطہ نکالا۔
"یہاں تو بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں۔" ان کا مکمل دھیان بڑی امی کی طرف تھا اس لیے امی کے آنے کا اندازہ نہیں ہوا۔
"امی آپ بھی؟ ٹھیک ہے میں تھوڑا مصروف رہتا ہوں، وقت نہیں دے پاتا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ناں کہ آپ لوگ مجھے ہی کٹہرے میں کھڑا کر دیں۔" وہ اپنی مصروفیت پہ پے در پے ملنے والے شکوؤں کی وضاحت دینے لگے۔
"بیٹا...... ہمیں تمہاری مصروفیت سے کوئی مسئلہ نہیں، بس تمہارے متعلق فکر مند رہتے ہیں، اپنا خیال رکھا کرو، اپنے متعلق سوچا کرو تو تمہاری ماں بھی مطمئن رہے گی۔" بڑی امی نے انہیں سمجھایا تو کچھ کہنے کی بجائے وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔
"شیماء...... ایسا کرو گل کے ہاتھ تیل بھجوا دو۔ آج بچہ فارغ ہے تو اس کے سر میں مساج ہو جائے، دیکھو بال کیسے روکھے ہو رہے ہیں۔" بڑی امی نے ایک دم انہیں پکڑ کر اپنے قدموں میں بٹھا لیا۔
"بڑی امی...... میں اب بچہ نہیں رہا۔" انہوں نے شدید احتجاج کیا جو کسی کھاتے میں نہیں گیا۔
"بس...... خاموش ہو کر بیٹھے رہو۔" شہر کے مشہور وکیل کو سر پہ چپت مار کے چپ کروا دیا گیا اور وہ اس وقت کو کوس رہے تھے جب چھٹی کا ارادہ کیا تھا۔ اسی وقت ان کے موبائل پہ میسج ٹون بجی، دیکھا تو نبیل کا میسج تھا۔ وہ ان کی مصروفیت کے متعلق پوچھ رہا تھا۔
انہوں نے بیچارگی والا منہ بناتے ہوئے تصویر لی اور "وکیل کی جج کے سامنے پیشی" لکھ کر بھیج دی۔ چند لمحوں کے توقف سے آنے والے جواب سے اندازہ ہوا کہ انہوں نے نبیل درانی کو تصویر بھیج کر غلطی کی تھی۔
"یہ نورالعین کدھر ہے؟" انہیں ایک دم اس کا خیال آیا تو پوچھا۔
"یہیں کہیں ہوگی۔" جواب امی کی طرف سے ملا، وہ ذرا حیران ہوئے کیونکہ بڑی امی کی خاموشی پراسرار تھی۔ انہوں نے سر پہ چلتے ہاتھ روک کر رخ ان کی طرف کیا اور ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معاملہ جاننے کی کوشش کی۔
"کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں ہوا اور یہ تم نے ہاتھ کیوں روک دیے۔" وہ اس پہ کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔
"آپ جانتی ہیں ناں کہ آپ مجھ سے کچھ چھپا نہیں سکیں گی۔ آپ نہیں بتائیں گی تو میں خود معلوم کر لوں گا۔"
"کچھ نہیں بیٹا، بس اس کی طرف سے پریشان رہتی ہوں۔" وہ جانتی تھیں کہ اب وہ کچھ سنے بنا یہاں سے نہیں ہلے گا سو بتانا ہی بہتر لگا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، منتظر نگاہوں سے انہیں ہی دیکھ رہے تھے جیسے مکمل بات سننا چاہتے ہوں۔
"تم جانتے ہو وہ بہت نازک ہے، حالات کی تبدیلی برداشت نہیں کر پائے گی، میری زندگی کا کیا بھروسا لیکن اس کی فکر مجھے سکون سے مرنے نہیں دے گی۔" وہ حد درجہ رنجیدہ ہوئیں۔

"بڑی امی...... یہ کیسی باتیں کررہی ہیں۔" وہ اٹھ کران کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ ان کا ٹوٹا ہوا انداز دل کو سخت دکھی کر گیا تھا۔

"اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پہ قائم رکھیں، میں آئندہ آپ کے منہ سے ایسی کوئی بات نہ سنوں۔" انہوں نے پیار سے بڑی امی کو اپنے ساتھ لگایا۔

"آپ اس کے متعلق بالکل فکر مند نہ ہوا کریں۔ آپ جانتی ہیں کہ وہ مجھے اپنی بہنوں کی طرح عزیز ہے، میں ہمیشہ اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑا رہوں گا۔" ان کا چہرہ اور الفاظ خلوص کی گواہی دے رہے تھے۔

"جیتے رہو بیٹا، مجھے تم پر یقین ہے اور اسی باعث دل کو تھوڑی تسلی رہتی ہے۔" دل میں پنپتے اندیشے پھر سے سونے لگے، ان کے دل سے اس پوتے کے لیے ڈھیروں دعائیں نکلی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

سڈنی کا حسن رات کے اندھیرے میں مزید نکھرنے لگتا تھا۔ سڈنی کے دیوانے ان راتوں کا حسن محسوس کرنے سے کتراتے نہیں تھے۔ اس وقت بھی سڑکوں پہ اچھا خاصا رش تھا۔ جمعہ کا مبارک دن کی چھٹیوں کو رات کے سہانے پن نے مزید خوب صورت بنا دیا تھا۔

وہ دونوں ہاربر برج پہ خاموشی سے کھڑے تھے۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ لامیہ کی نگاہیں اوپرا پہ تھیں لیکن دماغ میں الجھنیں تھیں جن کا حل دور دور تک ملنا ممکن نہیں لگ رہا تھا۔ اذلان سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ایسا کیا کہے جو اس کے مقابل کھڑی نرم دل لڑکی کو بے فکر کردے۔ وہ اس کی سب فکریں لے لینا چاہتا تھا مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔

"آج رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے کیا؟" اس نے بلآخر خاموشی کو توڑا۔

"تمہیں پتا ہے اذلان، یہاں کھڑے ہو کر مجھے اپنے وجود میں بہت مثبت لہریں محسوس ہوتی ہیں، اس برج کی اونچائی کے سامنے اپنی تکلیف بہت چھوٹی لگتی ہے، اس کے نیچے رواں دریا کے پانی میں کسی ماہر طبیب سی مرض شناسی محسوس ہوتی ہے، مجھے یوں لگتا ہے یہ پانی میری نگاہوں کے عکس سے میرا درد چن لیتا ہے، اس پہ رواں کروز اور فیریز یہاں سے گزرتے ہوئے میرا درد اپنے ساتھ بہت دور لے جاتی ہیں...... مجھے یقین دلاتی ہیں کہ اس وقت کی کیفیت دوبارہ مجھ تک لوٹ کے نہیں آئے گی اگر کبھی لوٹ بھی آئے تو میں ان سے شکوہ نہیں کرتی بلکہ دوبارہ ان کے سپرد کردیتی ہوں۔ ایک نئی کوشش کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ناں جیسے اب کررہی ہوں۔" وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی کہ پانی کے شور میں وہ بہ مشکل اس کی آواز سن پا رہا تھا۔

"لامیہ، میں تمہارے ساتھ ہوں اور......"

"پتا ہے اذلان، میں نے کہیں سنا تھا کہ آپ کا سب سے بڑا ساتھ آپ خود ہوتے ہیں، ہم دوسروں کو اپنا ہمدرد بناتے ہیں تو درد ملتے رہتے ہیں جب ہمدردی کا دائرہ خود تک محدود کرلیں گے تو درد ناسور نہیں بنے گا بلکہ آپ کا وجود ہی اس کا زہر چن لے گا۔ ہماری بے وقوفی دیکھو کہ ہم کسی دوسرے کے لگائے زخم کا مرہم بھی کسی تیسرے کے پاس تلاش کرتے ہیں اور تیسرا زخم دیتا ہے تو مرہم کے لیے چوتھے کے پاس جاتے ہیں لیکن دوا ہمارے اپنے پاس ہوتی ہے، جب ہم اپنے طبیب بن جاتے ہیں ناں تو کسی درد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ اپنی رو میں بول رہی تھی۔

اس کی باتوں سے اذلان کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ اس سے دوستی کے سارے حق چھین رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا آج خود کو اس کے وجود سے باندھ لے گا، اپنی ڈور اس کے ہاتھ میں پکڑا دے گا کہ لو اپنے سنگ ہر دیس لے جاؤ

لیکن یہاں تو پرانی ڈور کاٹی جارہی تھی۔ وہ نیا سبق پڑھا نہیں پایا بلکہ پرانا بھی بھولنے کے لمحے میں داخل ہو رہا تھا۔

''میں ماما کی طرف سے سوری کرتا ہوں۔''

''کس بات کے لیے؟ اب کی بار تو انہوں نے کچھ نہیں کہا۔''

''کبھی کبھی کچھ نہ کہنا بھی بہت کچھ کہہ دیتا ہے۔'' وہ سارے قصور اپنے حصے میں لکھ لینا چاہتا تھا۔

''اگر ایسی بات ہے تو تم وہ بات بھی سمجھ جاؤ جو میں کہہ نہیں پا رہی۔'' اس نے بہت ہمت سے آنکھوں کا پانی پیچھے دھکیلا۔

''وہ میں سمجھنا نہیں چاہتا، میں سارے الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار ہوں، ہر اس جرم کی معافی مانگنے پہ آمادہ ہوں جو میں نے کیا نہیں لیکن تم سے فاصلہ قائم نہیں رکھ سکتا۔'' وہ ہر ان کہی سے منکر ہوا۔

''ہمیں چلنا چاہیے۔'' اس نے بات ختم کرنا چاہی۔

''اگر میں کہوں رکنا چاہیے؟'' وہ سراپا سوال بنا۔

''تمہاری خواہشوں کی سزا بہت بڑی ملتی ہے۔'' اس نے جواب مکمل ہونے سے پہلے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

تم مجھے چھوڑ کے جاؤ گے تو مر جاؤں گا
یوں کرو جانے سے پہلے مجھے پاگل کر دو

اس نے دل میں آئے خیال کو زبان تک آنے سے روکا اور خاموشی سے اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

میٹنگ روم میں مکمل خاموشی تھی۔ سارے نفوس مکمل انہماک سے دیوار گیر اسکرین کی جانب متوجہ تھے۔ وہ بڑے ابا کے پہلو میں بیٹھا مسلسل کچھ نوٹ کرنے میں معروف تھا۔ چٹھہ کمپنیز کی جانب سے بیرون ملک کپاس اور چاول برآمد کرنے کا نیا پروجیکٹ شروع کیا جارہا تھا اور یہ میٹنگ اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ پروجیکٹ پہ مکمل معلومات فراہم کی جا چکی تھیں اور اب چند لمحے کی خاموشی قائم ہوگئی تھی۔

''آپ سب کے سامنے مکمل منصوبہ پیش کیا گیا ہے، کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہے تو پوچھ سکتا ہے۔'' احمد علی کی دبنگ آواز کمرے میں گونجی۔

''اس پروجیکٹ کا ہیڈ کون ہوگا؟'' سعد علی کے انداز میں عجیب رعونت اور عجلت تھی۔ اپنی مہارت اور تجربے کے بل بوتے پہ وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ وہاں موجود باقی لوگوں نے انہیں حیرت سے دیکھا۔ عبدالودود کے وجود میں عجیب بے چینی نے جنم لیا۔

''مجھے چند باتیں پوچھنی ہیں؟'' عبدالودود نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں بلا کی پر اعتمادی تھی اور یہی چیز وہاں موجود لوگوں کو متوجہ کر رہی تھی۔

''ہم پہلے بھی دیگر ممالک کو اشیاء بھیج رہے تھے لیکن یہ دائرہ ایشیاء تک محدود تھا۔ اب ہم اس کو مزید وسعت دے رہے ہیں لیکن میں نے پچھلے چند سالوں کا ریکارڈ چیک کیا ہے۔ اس ریکارڈ کے مطابق ہمارے پاس اسٹاک ذخیرہ برآمد کیے گئے ذخیرے سے دو فیصد ہی زیادہ بچتا ہے تو کیا اتنی تعداد ہمیں اتنا بڑا منصوبہ شروع کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ اس کے علاوہ پچھلے دو سال کے ذخیرہ زر کے ریکارڈ دیکھتے ہوئے ہمارا سارا سرمایہ گردش میں ہے اور جتنا موجود ہے اس کو لگا دینے کے بعد ہماری بچت منفی حد میں چلی جائے گی۔'' وہ بہت تفصیل سے [illegible] کرتے ہوئے وہاں اپنی دھاک بٹھا رہا تھا۔ وہ جب اپنی بات مکمل کرتے ہوئے واپس بیٹھا تو وہاں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

”میرے خیال میں اس سلسلے کے لیے ہمیں مزید منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ میٹنگ رکھی جائے گی۔“ احمد علی فیصلہ کن انداز میں کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالودود حیران سا اپنی جگہ پہ بیٹھا رہا۔ اسے جب اس نئے پروجیکٹ کا معلوم ہوا تب سے وہ مسلسل ریکارڈ چیک کرنے میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس موقع پہ اپنی ذہانت کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا لیکن سب کچھ خلاف توقع ہوا۔ بڑے ابا بنا کچھ کہے میٹنگ روم چھوڑ گئے تھے۔

”عبدالودود صاحب، آپ کو سر نے اپنے آفس میں بلایا ہے۔“ وہ جو نا امیدی کی ناؤ میں سوار تھا اس پیغام کو سن کر دوبارہ پر جوش ہوا اور عجلت میں اپنا سامان سمیٹتا ہوا بڑے ابا کے آفس میں چلا آیا۔ بڑے ابا اپنے آفس میں اکیلے نہیں تھے۔ بابا اور چچا بھی ان کے آفس میں موجود تھے۔ اس کی زیرک نگاہیں اتنا تو جان چکی تھیں کہ حالات ساز گار نہیں ہیں۔

”ہاں عبدالودود، تم کیا کہہ رہے تھے؟ مکمل تفصیل سے بتاؤ۔“ وہ ابھی بیٹھا بھی نہیں تھا کہ بڑے ابا سخت لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے۔ اس نے دوبارہ ساری بات تفصیل سے بتائی، نہ جانے کیوں اسے یہ سارا معاملہ خود پہ الٹا پڑتا محسوس ہو رہا تھا اور اگر ایسا ہوتا تو یہ اس کے لیے بہت بڑی شکست ہوتی۔

”اتنی بڑی بات تمہاری نظر میں کیوں نہیں آئی؟“ احمد علی کرخت لہجے میں سعد علی سے مخاطب ہوئے۔

”ابا جان...... ابھی تو آغاز تھا، آہستہ آہستہ سارے معاملات دیکھ لیے جاتے۔“ انہوں نے ایک بودی سی وضاحت دی۔ سعید علی خاموشی سے دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

”تم جانتے ہو آج آفس کے چند لوگوں کے سامنے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی؟ اتنا بڑا پروجیکٹ اور اس پہ تمہاری یہ نااہلی اس کاروبار کو ڈبو سکتی تھی۔ میں نے ساری ذمہ داری تم پہ ڈالی تھی اور تم نے چند لوگوں میں ہی سبکی کروادی۔ ابھی تو میں شکر کر رہا ہوں معاملہ میٹنگ روم سے باہر نہیں نکلا۔“ بڑے ابا کو اتنا غصہ کم ہی آتا تھا۔

”ابا جان...... اس سے پہلے بہت سے پروجیکٹ میں شروع کر چکا ہوں اور کامیابی سے ہمکنار بھی کروا چکا ہوں۔ یہ کمپنی اتنے سالوں سے بلندی کے گراف کو چھو رہی ہے تو اس میں میری بہترین منصوبہ بندی بھی شامل ہے۔ آج آپ ایک چھوٹے سے بچے کے پیچھے میری یوں توہین نہیں کر سکتے۔“ سعد علی اپنے دفاع میں کھل کر بولے۔

”مجھے تمہاری لمبی لمبی وضاحتیں نہیں چاہیے، مجھے بس یہ بتاؤ سرمائے کا اندازہ لگائے بغیر تم اتنا بڑا مشورہ اور اس پہ بنا سوچے سمجھے پیش رفت کیسے کر سکتے ہو؟“ بڑے ابا کا لہجہ جوں کا توں رہا۔

”مجھے اندازہ تھا لیکن یقین بھی تھا کہ میں سب کرلوں گا، جب ہم نے پاکستان سے باہر کاروبار کو وسعت دی تب ہمارے پاس پہلے ہی بچت منفی شرح میں تھی لیکن میں نے سب کر دکھایا۔ اب آپ کو نہ جانے کیوں میری صلاحیتوں پہ یقین نہیں رہا۔“ وہ حد درجہ رنجیدہ ہوئے۔ انہیں اپنے تجربے پہ اس حد تک یقین تھا کہ وہ کوئی بھی منصوبہ کامیاب کرنا جانتے تھے۔ اس بار بھی ایسا ہو سکتا تھا لیکن ان کے مقابل وہ آ کھڑا ہوا تھا۔ اس حد تک اپنی بے عزتی کا انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا اور نہ وہ برداشت کر پا رہے تھے۔ اگر اس وقت ابا جان موجود نہ ہوتے تو وہ اس لڑکے کو اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔

”اس سے پہلے جو بھی کرتے رہے وہ ہمارے انفرادی منصوبے تھے، اب کی بار ملک کی دو بڑی کمپنیاں ہمارے ساتھ شامل ہیں، تم ان کے سامنے ہماری ساکھ ختم کر دینا چاہتے تھے؟“ وہ کسی طرح مطمئن نہیں ہو پا رہے تھے۔

”عبدالودود...... یہ منصوبہ تمہارے سپرد ہے، مجھے میٹنگ سے پہلے تمہاری طرف سے مکمل تیاری کی خبر ملنی چاہیے، ایسا نہ کر سکو تو وقت سے پہلے خبر کر دینا۔“ ان کے فیصلے نے کمرے میں خاموشی طاری کر دی تھی۔

سعد علی نے چند لمحے ناقابل یقین نگاہوں سے انہیں دیکھا اور ایک دم سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔ عبدالودود کے دل میں مسرت بھرے جذبات بیدار ہوئے، اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے بابا کی طرف دیکھا لیکن وہاں کے منجمد تاثرات اسے بتانے دینے کو کافی تھے کہ وہ اس کے بھی باپ تھے۔ جس ڈگر وہ چل رہا تھا اس کی منزل تک وہ پہلے پہنچ چکے تھے۔ اس نے بڑے ابا سے اجازت لینے اور ان کے آفس سے نکلنے میں بالکل تاخیر نہیں کی تھی۔

وہ بڑا مسرور سا اپنے آفس کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے خوشی سے مغلوب ہوتے ہوئے پہلی کال تاشفین علی کو کی تھی۔ دوسری طرف سے فون نہیں اٹھایا گیا تو اس نے نجمی کو کال ملائی۔ وہاں سے بھی کوئی جواب موصول نہ ہوا تو خوشی کو دل میں دباتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ سامنے موجود شخص کو دیکھ کر رکنا پڑا۔

"تمہارے چہرے پہ خوشی کی چمک ایسے ہی قائم رہے لیکن اس کے لیے تمہیں مجھ سے دور رہنا ہوگا، میرے کام میں ٹانگ اڑانے سے پرہیز کرنا ہوگا، میں تمہاری ساری چالاکیاں سمجھ رہا ہوں، اس بزنس میں تمہارا بھی حصہ ہے، تم نے بھی یہاں ہی کام کرنا ہے لیکن میرے معاملات سے دور رہو گے تو یہاں رہ سکو گے ورنہ تمہارا ٹکنا محال ہو جائے گا۔" وہ اس کے مقابل کھڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھمکی آمیز انداز میں مخاطب تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا وہ وہاں سے چلے گئے۔

بڑے ابا کے آفس میں ان کی حالت نے اسے وقتی طور پہ خوشی دی تھی، اس کی خوشی آہستہ آہستہ پشیمانی میں ڈھل رہی تھی لیکن اب وہ پشیمانی پھر کہیں دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جو ان کے راستے میں مزید نہ آنے کا سوچ رہا تھا اس پل اس سوچ کو جھٹک کر اپنے گزشتہ ارادے مزید پختہ کرنے کا عزم کر بیٹھا۔

❁......❁......❁......❁

وہ عجیب بے خودی کی کیفیت میں گھر تک پہنچی تھی۔ اذلان اس کا ہم قدم ضرور تھا لیکن ہمسفر بننے کی خواہش اس کے ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی۔ رات کی خوب صورتی بھی ان دونوں کے وجود پہ چھائے جمود کو نہیں توڑ سکی تھی۔ دروازے کے پاس وہ کئی پل رکی رہی جیسے اسے بلانے یا نہ بلانے کی کشمکش میں مبتلا ہو...... ایک دم اتنا کٹھور ہونا بھی مشکل لگ رہا تھا۔

"پھر ملیں گے۔" اس کا یوں سوچنا اسے سخت تکلیف دے رہا تھا۔ آج پھر ماما کے رویے نے ان کی دوستی کو نشانہ بنا لیا تھا۔

"او کے......" وہ چاہتے ہوئے بھی مروت نہیں دکھا سکی۔

اس نے لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہوئے خود کو نارمل کیا اور ایک لمبی سانس لیتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ اس کی توقع کے مطابق ماما پاپا دونوں لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ وہ اپنے چہرے پہ بشاشت پیدا کرتے ہوئے ان کے قریب آ گئی۔

"ارے تم آ بھی گئی؟ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی آؤ گی۔" ماما نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"آپ کی فکر تھی مجھے اس لیے جلدی آ گئی اور ویسے بھی سب اپنی اپنی مصروفیات چھوڑ کر آئے تھے۔ مجھے ان کی چھٹیاں خراب کرنا اچھا نہیں لگا۔" وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور محبت سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال لیں۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ میں ہوں تمہاری ماما پاس، تم بالکل بے فکر ہو جاؤ پھر یوں پریشان رہنا اچھی بات نہیں تھی۔" انہیں اس کی پریشانی کا سن کر اچھا نہیں لگا۔

"پاپا بتا یا تو ہے کہ سب نے اپنا شیڈول فکس کر رکھا تھا۔ میرے کچھ فرینڈز تو اپنی اپنی کنٹریز جا رہے تھے سو انہیں

مزید تنگ کرنا اچھا نہیں لگا۔" اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"اچھا یہ بتاؤ پارٹی تو اچھی رہی ناں؟"

"ہاں ماما، بہت زیادہ مزہ آیا لیکن آپ دونوں کو بہت مس کیا۔ آپ بھی وہاں ساتھ ہوتے تو خوشی دوبالا ہو جاتی۔" اس نے محبت بھری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔

"بچوں میں ہم بوڑھوں کا کیا کام...... کیوں فاطمہ؟" انہوں نے مسکراتے ان کی طرف دیکھا۔

"ویسے آپ اتنے بھی بوڑھے نہیں ہیں، آج بھی شادی کی کوشش کریں تو دس بارہ لڑکیاں مل جائیں۔" انہوں نے سامنے بیٹھے شخص کی خوب صورتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ان کے جواب پہ وہ کھل کر مسکرائے اور وہ اسی مسکراہٹ میں کھونے لگی تھیں۔ اسی مسکراہٹ کے پیچھے تو وہ پاگل ہوئی تھیں۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ آپ غلط بیانی کر رہی ہیں۔" انہوں نے شدت سے انکار کیا۔

"کیوں لامیہ؟ تم بتاؤ...... میں سچ کہہ رہی ہوں ناں؟" انہوں نے اپنی بحث میں لامیہ کو گھسیٹا۔

"بالکل...... آپ کی پرسنالٹی کی تو میری یونی فیلو دیوانی ہیں لیکن مجھے آپ ماما کے ساتھ ہی اچھے لگتے ہیں۔" وہ ان دونوں کو الگ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی سو اپنے دل میں آئے خیالات کا اظہار کرنے میں ذرا نہیں جھجکی۔

"اسی بات پہ مزے کی کافی ہو جائے؟" وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ دونوں نے ایک ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"لامیہ...... تم فریش ہو کر آؤ میں کچن میں تمہارے پاپا کے ساتھ ہوں۔" انہوں نے اس کے گال پہ پیار سے چپکی دیتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

ان کے جانے کے بعد اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ کچھ بھی ظاہر ہونے سے بچا گئی تھی۔ وہ کمرے میں جانے کے لیے اٹھی تو موبائل پہ میسج ٹون بجی۔

بہتی ہوئی آنکھوں کی روانی میں مرے ہیں
کچھ خواب مرے عین جوانی میں مرے ہیں
کچھ تجھ سے یہ دوری بھی مجھے مار گئی
کچھ جذبے میرے نقل مکانی میں مرے ہیں
قبروں میں نہیں ہم کو کتابوں میں اتارو
ہم لوگ محبت کی کہانی میں مرے ہیں
اس عشق نے آخر ہمیں برباد کیا ہے
ہم لوگ اسی کھولتے پانی میں مرے ہیں
کچھ حد سے زیادہ تھا ہمیں شوق محبت
اور ہم ہی محبت کی گرانی میں مرے ہیں

اذلان کی طرف سے چند اشعار تھے لیکن دل پہ نیزے کی طرح لگے تھے۔ اس نے نم آنکھوں سے میسج ڈلیٹ کیا اور کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

وہ ابھی نیند کی بے رحم وادی میں نہیں اتری تھیں جب انہیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ آنے والا یقیناً ازلان تھا۔ وہ اس حد تک جذبات کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھیں کہ دل چاہ رہا تھا منہ زور لہروں کی طرح اس کے وجود کو لے ڈوبیں لیکن خود پہ قابو رکھنے میں ہی بہتری تھی۔ ان کے پہلو میں مکمل سکون تھا سو آرام سے اٹھتے ہوئے کمرے سے باہر آئیں۔

"میں تمہارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ تمہیں یقیناً کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن اگر پھر بھی کچھ چاہیے تو بتا دو۔" ان کا لہجہ اچھا نہیں تو برا بھی نہیں تھا۔ وہ نافہم نگاہوں سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا گھر میں ایک طوفان اس کا منتظر ہوگا لیکن یہاں خوفناک خاموشی کا راج تھا۔

"آپ وہاں کیوں آئی تھیں؟" وہ کسی سیاق وسباق میں نہیں الجھا۔

"میرا نہیں خیال کہ میں تمہاری کسی بھی بات کے لیے جوابدہ ہوں۔" ان کے انداز میں حد درجہ سرد مہری تھی۔

"یقیناً...... لیکن مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ آپ میرے تعاقب میں رہتی ہیں، ایک چھوٹی سی بات کو آپ اتنا ہائی لائیٹ کیوں کررہی ہیں، اس سب کو بڑھاوا دینا مجھے تکلیف دے رہا ہے۔" وہ شاید آج ان سے دوٹوک بات کرنے کا ارادہ کرکے آیا تھا۔

"واہ...... بہت خوب، بجائے اس کے کہ تم میری تکلیف کا خیال کرو، میری پسند ناپسند کو اہمیت دو، تم مجھ سے اس کی توقع رکھ رہے ہو۔ یہ سب سوال مجھے کرنے چاہیے لیکن کٹہرے میں مجھے کھڑا کیا جارہا ہے۔" ان کی آواز بلند ہوئی۔

"ماما...... آپ بات سمجھ نہیں رہیں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں ازلان لیکن اس سلسلے میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ اب اس معاملے کو میں خود دیکھ لوں گی۔" انہوں نے اس کی بات سننا پسند نہیں کی۔

"آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟"

"کیا تمہیں بتانے کی پابند ہوں؟" وہ جاتے ہوئے رک کر اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"ماما...... لامیہ اور میری دوستی میں کیا مسئلہ ہے؟" وہ اب کے زچ ہوا۔ یہ شاید پہلی بار تھا کہ وہ یوں کھل کر ان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ ان سے جواب طلب کررہا تھا ورنہ اس سے پہلے معاملات لحاظ کے لبادے میں ملفوف رہے تھے۔

"مجھے مجبور نہ کرو ازلان ورنہ میں سارا ابال تم پہ گرا دوں گی جو میرے وجود میں پک رہا ہے۔ جو حقیقت میری زبان کی نوک پہ ٹکی ہے اسے ہونٹوں کی قید میں رہنے دو۔ جس عمارت کے تم دیوانے ہو رہے ہو اس کے ٹوٹنے پہ ملبے کا ڈھیر اٹھانے کی سکت تم میں نہیں رہے گی۔" ان کے لہجے میں تلخی کے ساتھ کوئی اور جذبہ بھی تھا جسے وہ سمجھ نہیں پایا۔ وہ ان سے مزید سوال کرنا چاہتا تھا لیکن وہ وہاں رکی نہیں تھیں۔ لامتناہی سوچوں کا سلسلہ تھا جس کے حصار میں وہ تھا۔

❁......❁......❁......❁

کمرے میں بے پناہ روشنی تھی۔ وہ اپنے وجود کے اندھیرے کو ان روشنیوں سے مٹانا چاہتی تھی۔ آج ایک عرصے بعد وہ خود کی چاہ محسوس کررہی تھیں۔ اس تبدیلی کے محسوس ہوتے ہی انہوں نے بہترین لباس پہنا اور آرائش کے لیے قدآور شیشے کے سامنے جا بیٹھیں۔ اپنا عکس انہیں اجنبی محسوس ہوا تھا۔ ایک وقت تھا جب ان پہ پڑنے والی ہر نگاہ ستائش سے بھرپور ہوتی اور آج وہ خود کو ہی پہچان نہیں پائی تھیں۔ انہوں نے کئی خلوص سے بڑھے ہاتھ ٹھکرائے کہ دل میں کسی کے لیے کوئی جذبہ نہیں تھا اور جس کے نام پہ دل دھڑکا اب اس کا زندگی میں کوئی درجہ نہیں تھا۔ انہوں نے کبھی

ماضی کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا کہ خسارے کا پہاڑ دیکھ کر پشیمانی سے پیشانی عرق آلود ہو جاتی تھی۔ کیا پایا کیا کھویا کا حساب سانس بند کرتا محسوس ہوتا تھا۔

وہ خود کو تھوڑا سنوار چکی تو احساس ہوا کہ محنت کس کے لیے، یہ اجڑا حسن کس نگاہ کے لیے، یہ بکھرا وجود کن بانہوں کے لیے؟ اس سے پہلے کہ وہ خود کو نوچ ڈالتیں ایک چہرہ نگاہوں کے پردے پہ نمودار ہوا۔

"ہاں...... "ان کی آنکھوں کا نور تھا جو ان کی زندگی کو واپس ڈگر پہ لا سکتا تھا۔ انہوں نے ناامیدی کو پرے دھکیلا اور سلیقے سے چادر وجود کے گرد لپیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ قدموں کا رخ موڑتیں کوئی کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"تم......؟" ایک لمحہ لگا اور مسکراتے چہرے پہ زہر کا نیلا رنگ چھانے لگا تھا۔ ان کی نگاہ میں جتنی حقارت تھی مقابل کی طرف بھی معاملہ ویسا ہی تھا۔ وہ چند قدم بڑھتے ہوئے ان کی سمت آئے تھے۔

"تمہیں پتا ہے، کبھی کبھی میں سوچتا ہوں یہ حسن مجھے باندھ کیوں نہیں سکا، یہ نگاہیں میرے پاؤں کی زنجیر کیوں نہیں بنی، یہ لمبی زلفیں میرے جذبوں کو اپنا مقید کیوں نہیں کر سکیں؟" وہ ان کے حد درجہ قریب آ گئے تھے۔

آج ایک عرصے بعد ستم گر کا یہ روپ مقابل کے لیے حیران کن تھا۔ اب تو یہ تیور، انداز بھولے ہوئے بھی زمانہ گزر چکا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ یہ سب دوبارہ کیوں، اب ایک عرصے بعد یہ قربت کیوں، ان کے ذات بے معنی بنانے کے بعد واپسی کیوں؟...... دونوں طرف سوال ہی سوال تھے۔

"اب لگتا ہے یہ سب ظاہری ہے۔ تمہارے حسن میں وہ بات ہی نہیں جو کسی مرد کو باندھ دے، یہ نگاہیں اس قابل ہی نہیں کہ کوئی عکس ان پہ ٹھہر سکے، یہ زلفیں اب بہت ہلکی ہیں، ان کے بل وزن اٹھانے کے قابل نہیں ہیں۔" ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ زوردار تھپڑ ان کے منہ پر پڑا تھا۔

وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھیں تب ہی توازن قائم نہ رکھتے ہوئے پیچھے دیوار کے ساتھ جا لگیں۔ کچھ پل لگے تھے انہیں سنبھلنے میں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا اور پھر ایک دم سے مسکرانے لگیں۔ مسکراہٹ بڑھتے بڑھتے تلخ قہقہوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ حیرانی سے اب ان کا جنونی انداز دیکھ رہے تھے۔

"میں بھی اکثر سوچتی ہوں کہ میری زندگی میں یہ بے سکونی کیوں، سہاگن ہوتے ہوئے بیوہ سی زندگی کیوں، جانتے ہو کیوں؟" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے دوبارہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"کیونکہ میں نے ہیروں کو چھوڑ کر کوئلہ چن لیا تھا، اس کوئلے نے میرے ہاتھ ہی نہیں زندگی تک کو کالک سے بھر دیا۔ میری سانسوں میں دھواں بھر دیا، میرے سر پہ راکھ ڈال دی، میرے اجلے پن کو داغ دار کر دیا۔" وہ ان کو دھکا تو نہیں دے سکتی تھیں لیکن لفظوں کا تمانچہ خوب مارا تھا۔

"تم میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو۔" مقابل کی باتیں برداشت سے باہر تھیں۔

"یہی معاملہ ان طرف بھی ہے۔" دوبدو جواب دینے میں ان دونوں کا ثانی کوئی نہیں تھا۔

"یہ منحوس شکل لے کر میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔" وہ انہیں سامنے سے ہٹاتے ہوئے واش روم میں گھس گئے۔

وہ چند لمحے وہیں ساکت کھڑی رہیں۔ چند لمحے پہلے وہ زندگی دوبارہ جینے کی کوشش کرنا چاہ رہی تھیں، ایک مشکل [illegible] قدم اٹھانا چاہ رہی تھیں لیکن وہ یہ کیوں بھول گئی تھیں کہ ان کی زندگی میں ایک کالا دھبہ بھی تھا جو ان کے وجود [illegible] والی ہر نئی کرن کو نگل لیتا تھا۔ آج کی کوشش پھر ناکام رہی تھی۔

''رکھنے والوں نے نہ جانے کیا سوچ کر میرا نام حورالعین رکھا تھا؟'' وہ خود اور اپنی قسمت پہ مسکرائیں۔
''جب آپ تماشا بن جاؤ تو خود پہ ہنسنے کے لیے پہل کرلو کیونکہ اس طرح تکلیف کم ہوتی ہے۔'' وہ مرے قدموں سے واپس پلٹیں اور خود کو سجانے والا سارا آرائشی سامان نوچ کر سامنے رکھے میز پہ پٹخ دیا۔ بالوں کو لپیٹ کر دوبارہ سے سر کے اوپر ٹکا لیے، ہونٹوں پہ لگی سرخی ہاتھوں سے ہی صاف کرلی جو چہرہ مزید گندہ کرگئی تھی۔ وہ عجب کم مائیگی کا احساس لیے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھیں۔
وہ وہیں کھڑی تھیں کہ واش روم کا دروازہ کھول کر وہ کمرے میں آئے۔ ان کی طرف ایک نگاہ غلط ڈالنا گوارا نہیں کی اور بستر پہ بیٹھ گئے۔ وہی روزمرہ کا معمول شروع ہو چکا تھا۔ وہ مکمل نظرانداز کردیتیں اگر بات چونکانے والی نہ ہوتی۔
''پہلے اس آفس میں صرف میں تھا لیکن اب تمہیں خیال رکھنا ہوگا۔ اب وہاں وہ انسان بھی ہے اور آج جتنی بے عزتی مجھے اس کی وجہ سے اٹھانی پڑی ہے میں کبھی نہیں بھولوں گا۔'' وہ اپنے سیکرٹری سے محو گفتگو تھے۔ وہ ایک پل میں موضوع گفتگو جان گئی تھیں اور نہ جانے کیوں سکون محسوس ہوا تھا۔ کوئی تو تھا جو اس شخص کو کمزور کرسکتا تھا۔ یہ احساس ہی اتنا اطمینان بخش تھا کہ لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔
''اتنی منحوس عورت ہے کہ میرے برے دن کو مزید برا بنانے کی کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔'' ان کی مسکراہٹ دوسری طرف آگ لگا گئی تھی۔
وہ مسلسل بول رہے تھے لیکن وہاں کسے اثر تھا۔ ان کے ذہن میں نئے خیال جنم لے رہے تھے اور وہ اس وقت بھول چکی تھیں کہ نورالعین کچھ دیر پہلے انہیں چراغ محسوس ہو رہی تھی اور اب اسی چراغ پہ اپنے بدلے کی آگ کو مزید حرارت دینے کا سوچ رہی تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

وہ عقبی باغ میں اپنی ہی سوچوں میں مگن بیٹھی تھی، درختوں پہ چہکتے پرندے اس کی توجہ کا مرکز تھے، تھوڑی دیر پہلے اس نے مٹی کے بڑے کٹورے پانی سے بھر کر مختلف گوشوں میں رکھ دیے کہ پرندے اپنی پیاس بجھا سکیں۔ عقبی باغ کے ایک کونے میں پانی کا فوارہ بنا ہوا تھا جس کے بالائی حصوں پہ اکثر پرندوں کا جمگھٹا ہوتا تھا۔
''نوری بی بی..... آپ یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟'' نہ جانے کب گل اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔
''اکیلے بیٹھ کر سکون مل رہا تھا۔'' اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔
''آپ اب بہت خاموش رہنے لگی ہیں، مجھے ایسے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ کچھ عرصہ پہلے اس حویلی میں آپ کا شور گونجتا تھا لیکن اب بی جان بھی آپ کی خاموشی سے خائف رہنے لگی ہیں۔'' وہ اس سے کچھ فاصلے پہ پاس ہی بیٹھ گئی۔
''پتا نہیں ایسی کیوں ہوگئی ہوں؟ میں بولنا چاہتی ہوں گل لیکن زبان ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ ایک گہرا خاموشی کا حصار اپنے گرد محسوس کرتی ہوں۔'' وہ اس وقت ایک بہن اور دوست کی کمی شدت سے محسوس کررہی تھی۔
''آپ بہت بہادر ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ کوشش کریں گی تو اس حصار کو توڑ دیں گی۔'' گل کو یہ من موہنی صورت والی لڑکی بہت عزیز تھی۔
نورالعین کو دیکھتے ہوئے اسے ماضی کی ایک حسین یاد بہت شدت سے آتی تھی لیکن اس یاد کا انجام بھی بہت خطرناک ہوا تھا۔ وہ ماضی کو حال میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ کہنے کو اس حویلی کے نسل در نسل سے ملازم تھے لیکن اس حویلی کے مکیں اسے بہت عزیز تھے۔ اس کا بہت دل چاہتا تھا گزرے وقت کی یادیں اس سے بانٹے لیکن ایک تو وقت

کی کمی اور دوسرا حویلی میں ان یادوں کو دہرانا اک گناہ سمجھا جاتا تھا۔
"میں بالکل بہادر نہیں ہوں اور اب تو مجھے یوں لگنے لگا ہے جیسے یہ خاموشی، اداسی میرے وجود میں بسنے لگی ہے۔" وہ کافی دیر بعد بولی تو گل اپنی سوچوں سے چونکی۔
"آپ پریشان نہ ہوں بس تھوڑا عرصہ باقی ہے۔ اس کے بعد آپ کے لیے خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔" وہ صدق دل سے اس کے لیے دعا گو ہوئی۔
"کیوں...... کچھ عرصے بعد کیا بدل جائے گا؟" وہ تلخ سا مسکراتے ہوئے بولی۔
"مجتبیٰ صاحب کی تعلیم مکمل ہو جائے گی اور آپ یہاں سے دور چلی جائیں گی۔ وہاں خوشیاں ہی خوشیاں آپ کی منتظر ہوں گی۔" گل اپنی رو میں وہ انکشاف کر گئی جو ابھی دلوں کے نہاں خانوں میں قید تھی۔
"کیا مطلب...... ایسا کس نے کہا تم سے؟" وہ مجتبیٰ کے ذکر پہ چونکی۔
"وہ چھوڑیں جی آپ...... بس ایسے ہی کہہ دیا۔" وہ اب گڑبڑائی۔
"گل...... مجھے بتاؤ۔" اس نے اصرار کیا۔
"میں نے بی جان سے سنا تھا۔ وہ چاہتی ہیں آپ کو مجتبیٰ احمد کے ساتھ ایک پائیدار رشتے میں باندھ دیا جائے۔" اس نے اردگرد دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں جواب دیا جیسے کسی کے سن لینے کا خطرہ ہو۔
"ایسا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔ اس اکیلے کے آنے سے بڑی امی یہ خوش فہمی پالنے لگی ہیں۔ مجھے ان کی توقعات ٹوٹنے کا دکھ ہوگا۔" وہ صاف گو لہجے میں بولی جس سے صاف ظاہر تھا کہ اس کے دل میں مجتبیٰ کے لیے کوئی جذبات نہیں اور یہ بات گل کو ایک انہونی لگی۔
"وہ بہت جلد بڑے صاحب سے بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ آپ کی حالت پہ کڑھتی رہتی ہیں اس لیے بہت جلد آپ کے لیے کوئی نا کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہیں۔" وہ نہ جانے اس سے کیا سننا چاہتی تھی۔
"تم اور بی جان دونوں بہت بھولی ہو، مجتبیٰ کے خاندان کا ہمارے خاندان سے تعلق بہت انہونی بات ہے اور ویسے بھی مجھے خوشیاں راس نہیں آتیں۔ میرا مقدر مجھے اس حویلی کی اونچی دیواریں ہی لگتی ہیں۔" اس نے فوارے کے عقب کی جانب دیکھا جہاں ایک کتبے پہ کندہ نام اس حویلی کی بنیادوں کو درد سے بھر گیا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں لگتا تھا کہ اسی کتبے کے بالکل ساتھ اس کے نام کا کتبہ بھی لگ جاتا تھا۔
"نوری بی بی...... اللہ کا نام لیں، یہ خطرناک باتیں آپ نہ کیا کریں۔ بی جان اور حور بی بی جیتے جی مر جائیں گی۔" وہ اس کی نظروں کا زاویہ دیکھتے ہوئے دہل گئی۔ اس کے ہاتھ نجانے میں دل پہ جا پڑے تھے۔
اسے آج بھی وہ خوفناک رات یاد تھی جب بادل ٹوٹ کر برسا تھا۔ دو دلوں پہ بجلی اس شدت سے ٹوٹی کہ ایک وجود رات کے اندھیرے میں اس مٹی کا مکین بن گیا۔ خوب صورتی منوں مٹی تلے جا سوئی کہ رونے والے روتے رہ گئے تھے۔
"کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا گل...... دیکھو اتنے سال پہلے ایک وجود یہاں خاموشی سے آن بسا لیکن کوئی تبدیلی نہیں آئی، اس حویلی کی دیواریں جوانی نگل گئیں لیکن آج وہ دیواریں پہلے سے مزید اونچی ہیں۔" وہ حد درجہ سنجیدہ ہوئی۔
"ایسی بات نہیں ہے، تم نے پہلا وقت دیکھا نہیں ہے، تب بڑے صاحب بہت سخت ہوتے تھے۔ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں...... اب تو ان میں نرمی آگئی ہے۔" وہ نہ جانے کیوں اسے وضاحت دینے لگی، شاید

گزرا وقت اس کے لیے امتحان تھا۔
"ایسا بالکل نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو مجھ سے منسلک دو رشتے میری وجہ سے عذاب زندگی نہیں گزار رہے ہوتے۔ میرے وجود کی پاداش میں اپنی زندگیاں ضائع نہ کرتے بلکہ بہت پہلے میرے بوجھ سے جان چھڑا کر اپنی زندگیوں میں مگن ہوجاتے۔" اس کا لہجہ بھیگنے لگا۔
"سعد صاحب کا تو کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن حور بی بی آپ سے بہت پیار کرتی ہیں۔" اس کی نگاہوں میں کل کا منظر آن سمایا جب وہ اس کے لیے تڑپ رہی تھیں۔
"گل......" وہ آپس میں اس درجہ محو تھیں کہ یوسف کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ دونوں نے چونک کر اس جانب دیکھا تو یوسف کسی مرد کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اس بات سے انجان تھا کہ نور العین وہاں موجود ہے تب ہی ایک دم گھبرا گیا۔ وہاں عجب سا ماحول بن گیا کہ سب اپنی اپنی جگہ شرمندہ ہونے لگے۔ نور العین کی ایک نگاہ آنے والے پہ پڑی اور اس لمحے اس نے کندھے پہ ٹکے ڈوپٹے کو کھینچتے ہوئے چہرے کو ڈھمپ لیا تھا۔ وہ فوراً اٹھی اور وہاں سے پیچھے کی طرف چلتی ہوئی حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئی۔
"یوسف تمہارا دھیان آج کل کہاں ہوتا ہے؟" گل نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔
"مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ چھوٹی بی بی یہاں ہوں گی۔ وہ اس پودے کی اوڑھ میں تھیں تو نظر نہیں آئیں، میں تمہیں اکیلا سمجھتا ہوا اس طرف چلا آیا۔" وہ مکمل وضاحت دے رہا تھا۔
"آپ یہاں آئے۔ خیریت ہے؟" وہ آنے والے کو جانتی تھی۔ ضیغم عباس کا اس حویلی میں کبھی کبھار آنا ہوتا تھا لیکن وہ آمد مردانہ مجلس تک محدود ہوتی ہے۔ اس طرف آنا اچنبھے کا باعث تھا۔
"انہیں بڑے صاحب نے ہی بھیجا ہے۔" یوسف نے جلدی سے وضاحت دی۔
"کیوں؟" وہ پھر سراپا سوال ہوئی۔
"حویلی میں لگے درخت اور پودے مرجھانے لگے ہیں۔ ان کی رنگت مرنے لگی ہے تو بڑے صاحب نے مجھے جائزہ لینے کے لیے بھیجا ہے۔" وہ جان چکا تھا ویسے جان چھوٹنے والی نہیں سو مکمل جواب دیا۔ وہ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تو گل یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔
"یہ کیوں جائزہ لے گا، حویلی کا مالی تو ہے پھر اس کے آنے کی وجہ؟" گل کسی طرح مطمئن نہیں ہو پارہی تھی۔
"گل...... مجھے تو بلاوجہ ڈانٹ پڑتی ہے جب کہ زبان تمہاری نہیں رکتی۔ بی جان نہ جانے کیسے تمہیں برداشت کرتی ہیں۔" وہ حد درجہ زچ آیا ہوا تھا۔
"باتیں نہ بگھارو...... سیدھی طرح بتاؤ۔" وہ کن انکھیوں سے اسے باغ میں گھومتے دیکھ رہی تھی۔
"ضیغم صاحب کی تعلیم یہ ہی ہے، انہوں نے یہ درختوں، پودوں کے متعلق ہی پڑھا ہے۔ پورا علاقہ ان کی ذہانت کی تعریفیں کرتا ہے، اسی وجہ سے بڑے صاحب نے انہیں یہاں بھیجا ہے۔" اس نے جان چھڑانے کی غرض سے سب کچھ بتا دیا۔
"تو اتنے بل ڈالنے ضروری تھے؟ پہلے ہی آرام سے بتا دیتے۔" گل اسے گھورتے ہوئے اندر کی جانب چلی گئی۔
"یہ کون ہے؟" وہ راہداری میں ہی کھڑی تھی اور اس بات پہ پریشان کہ اندرونی حصے میں کون آ گیا۔
"ضیغم صاحب ہیں۔ عبدالودود صاحب کے دوست ہیں۔ بڑے صاحب نے حویلی کے پودوں، درختوں کو دیکھنے کے لیے بھیجا ہے۔ انہوں نے شہر سے اسی کی تعلیم حاصل کی ہے۔" وہ اسے یوسف سے ملی ساری معلومات

دینے لگی۔
یہ نام اس نے کئی بار سنا تھا سو حیرانی بالکل نہیں ہوئی لیکن اس شخص کی دیدہ دلیری عجیب تھی۔ آج تک حویلی میں آیا کوئی انسان انہیں دیکھ نہ سکا اور اگر سامنا ہوا بھی تو نگاہیں نہ اٹھا سکا لیکن اس میں ذرا برابر خوف نور العین کو دکھائی نہ دیا تھا۔ وہ پورے اعتماد سے سر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کی نگاہوں کے ٹکراؤ نے بھی اسے نگاہیں چرانے پہ مجبور نہیں کیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

وہ لاؤنج میں رکھے صوفے پہ نیم دراز تھا۔ کچن سے مسلسل آوازیں آرہی تھیں جو ماما کی مصروفیت کی غماز تھیں۔ پاپا شاید گھر نہیں تھے تب ہی گھر میں خاموشی تھی۔ یونیورسٹی کا آغاز تھا سو دن کافی تیز رفتار تھے۔ وہ اکثر چاہتے ہوئے بھی گھر والوں کے ساتھ وقت نہیں گزار پا رہا تھا۔ آج وقت ملا تو لاؤنج میں ہی لیٹ گیا کہ ماما کے آس پاس رہے۔
''صبیحہ...... تم ذرا کچن دیکھ لو۔'' اس نے پاس سے گزرتی صبیحہ کو کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی۔
''ایک تو تم بھی نا ذرا سکون نہیں لیتے، میں نے کہا بھی تھا تھوڑی دیر میں آتی ہوں، تمہارے پاپا کو کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آتا۔'' وہ کچن سے بولتی ہوئی آئیں اور اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔
''اتنے دن ہوگئے آپ کی گود میں سر نہیں رکھا اس لیے آج کا دن میرے نام......'' وہ ان کے بیٹھتے ہی ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ اس کی اس عادت سے واقف تھیں تو فقط مسکرا کے رہ گئیں۔
''تم سناؤ...... کیسی گزر رہی ہے یونی لائف؟''
''بہت مصروف۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔
''اتنا چھوٹا جواب؟ تم تو اپنے دن کی ساری روداد سنا لینے کے بعد سکون سے بیٹھتے تھے۔'' انہیں حیرانی ہوئی۔
''ماما...... تب ساتھ پرانے دوست تھے، آپ سب کے متعلق جانتی تھیں تو باتیں سناتا رہتا تھا۔ میرے سارے دوست ہائر ایجوکیشن کے لیے باہر چلے گئے، اب کوئی ساتھ رہا ہی نہیں۔'' اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا لیکن وہ مزید پریشان ہوگئیں۔
''مجتبیٰ...... میرے لیے سب سے قیمتی انسان تم ہو، میں تمہیں خود سے دور کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ تمہارا کسی دوسرے ملک پڑھنے کے لیے جانے کا ذکر ہی میرے لیے تکلیف دہ تھا لیکن شاید اپنی ضرورت کے لیے میں تمہارے ساتھ زیادتی کرگئی۔ تمہاری مارکس شیٹ کے باعث تمہیں کسی بھی اچھی سے اچھی ادارے میں داخلہ مل سکتا تھا میری ضد نے تمہاری خواہشوں کا راستہ روک لیا۔'' انہیں احساس ہوا کہ شاید وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ زیادتی کرگئی ہیں۔
''ماما...... آپ ایسی باتیں کرکے مجھے کیوں تکلیف دیتی ہیں؟ میں خود آپ کے بنا نہیں رہ سکتا۔ اس لیے دوبارہ آپ کبھی ایسی بات نہیں کیجیے گا۔'' وہ ان سے ناراض ہوا۔
''اچھا بابا...... نہیں کروں گی۔'' انہیں اس پہ بے حد پیار آیا۔
''اچھا آپ کو ایک مزے کی بات بتاتا ہوں۔ آپ کو یاد ہے جب حویلی گیا تو بتایا تھا کہ میرا چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
''وہ دو لڑکیاں تھیں، میں نے ان سے اتنی معذرت کی لیکن ایک لڑکی اتنی غصیلی تھی کہ مجھے لگا کہیں یہاں ہی عوام کے ہاتھوں ادھیڑا نہ جاؤں۔ اللہ اللہ کرکے جان چھڑائی اور کبھی دوبارہ سامنا نہ ہونے کی دعا مانگی لیکن پتا ہے کیا ہوا؟''

اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔
''کیا ہوا؟'' وہ اس کی جانب مکمل متوجہ تھیں۔
''وہ مجھے یونی کے پہلے دن ہی بس میں مل گئی، میری قسمت خراب کہ میں بس میں اس سے جاٹکرایا۔''
''ارے واہ...... یہ تو بڑا خوشگوار حادثہ تھا۔'' وہ بڑے دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔
''ماما...... آپ کے بیٹے کی جان پہ بن گئی اور آپ کو خوشگوار حادثہ لگ رہا ہے؟'' وہ شکوہ کناں ہوا۔
''آپ کو پتا ہے اس نے مجھے کیا کہا؟ آپ ایک نہایت بدحواس انسان ہیں۔'' اتنے دنوں بعد بھی اس کے الفاظ مجتبیٰ کے دل پہ نقش تھے۔
''ہیں...... کیسے تمہیں بدحواس کہہ گئی؟'' انہیں وہ لڑکی پٹاخہ ہی محسوس ہوئی۔
''یہاں بس نہیں کی بلکہ کہا آپ کو گرنے، مارنے ٹکرانے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔'' وہ اسی کے انداز کی نقل کرتے ہوئے بولا تو وہ ہنسنے لگیں۔
''ایک لڑکا ہمدرد بنتا ہوا آگے آیا تو اسے کہتی ہے تم تھانیدار ہو یا صلح کمیٹی میں کام کرتے ہو؟'' وہ منہ کے زاویے بدل بدل کر بول رہا تھا اور وہ ہنس رہی تھیں۔
''اس لڑکی کا نام عزت ہی، میرے ساتھ جو لڑکا تھا کہتا ہے نام عزت ہے لیکن بے عزتی کرنے میں ماسٹر لگتی ہے۔'' اب کہ وہ بھی ان کی ہنسی میں شریک ہوا۔
''توبہ ہے مجتبیٰ...... کیا پٹاخہ لڑکی ہی، تم نے بھی اس کی نقل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' وہ ہنس رہی تھیں۔ آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔
انہیں اس لڑکی میں کچھ خاص لگا تب ہی تو وہ اس کا ایک ایک لفظ یاد رکھے ہوئے تھا بلکہ اس کے چہرے کا انداز بھی نہیں بھولا تھا۔
''سب سے مزے کی بات تو ابھی باقی ہے؟''
''کیا......؟'' وہ مکمل توجہ سے اسے سن رہی تھیں۔
''وہ پہلے دن کسی اور ڈیپارٹمنٹ کے سامنے اتری تھی لیکن اگلے دن اندازہ ہوا وہ آفت ہمارے ہی ڈیپارٹمنٹ کا حصہ ہے، آپ یقین کریں سب لڑکوں کو ڈرا کے رکھا ہوا ہے۔'' مجتبیٰ کا انداز انہیں ہنسائے جا رہا تھا۔
اسی وقت لاؤنج کا دروازہ کھلا۔ ان دونوں کی نگاہیں بیک وقت اٹھیں۔ مجتبیٰ نے پریشان نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا کیونکہ وہاں نگاہوں کے ساتھ ساتھ مسکراہٹ بھی ساکت ہوگئی تھی۔
(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

میری مٹھی میں گلاب

نزہت جبین ضیاء

پرانے طرز کی حویلی نما بڑے سے گھر میں آج خوب چہل پہل اور رونق ہو رہی تھی۔ اس حویلی کو "قصر وسیم" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

آج پارسہ کی رسم مایوں تھی۔ اس حوالے سے روایتی جوش و خروش عروج پر تھا۔ بڑے سے برآمدے کے کونے میں لال، ہرا اور پیلے جھالر والا گوٹے کناری اور کرن سے بنا ہوا خوب صورت جھلملاتا منڈپ بنایا گیا تھا۔ جہاں پارسہ کو مایوں کے لیے بیٹھا کر رسم ادا کی جانے والی تھی۔ برآمدے سے ملحق بڑے سے صحن میں عقبی اونچی اونچی دیواروں پر رنگین جھالروں والی لائٹیں لگائی گئی تھیں جبکہ چمکتی دمکتی جھنڈیوں اور جھالروں سے پورے آنگن کو سجایا گیا تھا۔ برآمدے سے لے کر صحن میں دریاں بچھا کر ان پر پیلی اور ہری چادریں بچھا کر بروکیڈ کے سرخ، سبز اور زرد رنگ کے گاؤ تکیے لگا دیے گئے تھے، ایک طرف عقبی دیوار اور کیاریوں کے ساتھ چند کرسیاں ترتیب سے رکھی تھیں۔ بزرگ خواتین کرسیوں پر بیٹھ کر محفل کا حصہ بن سکیں......

برآمدے سے ملحق وسیع و عریض باورچی خانے میں موتی چور کے لڈو، بالوشاہی اور رات کے کھانے کے حوالے سے روایتی پکوان تیار ہو رہے تھے، باورچی خانے میں خواتین مصروف تھیں تو لڑکیاں اندر کمروں میں مایوں کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ لڑکے بے چارے اس وقت خاصے مظلوم نظر آ رہے تھے جن کے حصے میں اس وقت بازار کے چکر

بھی تھے۔ کسی کا دوپٹہ پیکو کروا کر لانا تھا تو کسی کے کپڑے
درزی کی دکان سے لانے تھے ساتھ پھول، مٹھائی اور
گجرے ہار کے ذمے داریاں بھی ان ہی کے سر تھیں۔ وہ
بیچارے بھاگم بھاگ سارے کام نپٹا رہے تھے۔ انہیں
بھی تیار ہونا تھا مگر گھر والوں کے دھندے ختم ہی نہیں
ہورہے تھے۔

منیرہ بیگم بڑے سے تسلے میں ابٹن گھول رہی تھیں،
رات کو ابٹن بھی تو کھیلنا تھا جبکہ کاظمہ بیگم کے ذمے رات
کے کھانے کی ذمے داری تھی، اسما بیگم کبھی اس کمرے تو
کبھی اس کمرے میں تو کبھی کچن میں چکر لگا رہی تھیں،
کہیں بھی ضرورت ہوتی فوراً وہ حاضر ہو جاتیں، دلہن کی
ماں ہونے کی حیثیت سے وہ بہت پریشان تھیں کہ کہیں
کوئی کمی نہ رہ جائے۔ کوئی بدمزگی نہ ہو تب ہی گھن چکر بنی
ہوئی تھیں۔

"اماں...... پلیز گھڑی بھر کو دم لے لیں آپ......
ابھی سے تھک جائیں گی تو شادی تک کیا حال ہوگا آپ کا،
اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہیں آپ؟" جب تیسری بار دس
منٹ کے دوران کمرے کا چکر لگایا تو انابیہ چپ نہ رہ سکی۔

"ہاں ہاں...... ٹھیک ہوں میں، بس منیرہ بھابی کو
دیکھنے آئی تھی۔" اسما بیگم نے جلدی سے کہا اور کمرے سے
دوبارہ باہر نکل آئیں، اب وہ کیسے بتاتیں کہ نہ جانے کیوں
ان کا دل اس قدر پریشان ہے، ماں تھیں ایک تو بیٹی کی
شادی اوپر سے خاندان سے باہر، غیر لوگ دل خدشات
سے بھرا ہوا تھا حالانکہ بہزاد بذاتِ خود اچھا اور تہذیب یافتہ
لڑکا تھا۔ فیملی بھی پڑھی لکھی تھی، اچھی جاب، اچھا گھر اور
اچھے لوگ تھے۔ پارسہ کی ضد اور پسند کے آگے مجبور ہو کر یہ
رشتہ طے کر دیا گیا تھا لیکن رشتہ طے ہونے کے بعد گھر
والے جو بہزاد اور اس کی فیملی کو لے کر شاکی تھے خاصے
مطمئن ہو چکے تھے کہ لوگ اچھے ہیں، ایک اسماء بیگم نہ
جانے کیوں بہ ظاہر مطمئن نظر آنے کے باوجود عجیب سے
خدشات اور واہمات کا شکار تھیں لیکن پارسہ کا اطمینان اور
اس کے چہرے سے چھلکتی خوشی اور اس کے لہجے کا اعتماد و
بھروسہ ان کو مطمئن بھی کر دیتا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

وسیم احمد اور نسیم احمد دو بھائی اور ایک بہن کاظمہ بیگم
تھیں۔ ان کے ہاں خاندان میں شادی کا رواج تھا تب
ہی وسیم احمد کی شادی منیرہ بیگم سے جوان کی خالہ زاد تھیں
ہوئی تھی جبکہ نسیم احمد کی شادی ان کے چچا کی بیٹی اسماء سے
ہوئی تھی۔ کاظمہ بیگم کی شادی بھی مرحوم پھوپا اور پھوپی
کے بیٹے عبدالمعید سے ہوئی تھی۔ یہ بڑا سا گھر خاندانی
میراث تھا جو وقت اور ضرورت کے مطابق تعمیر ہوتا گیا
لیکن سب کو ہی اس گھر سے بے حد پیار تھا، تب ہی اسے
مکمل طور پر نہیں بدلا گیا۔ آج بھی بڑا صحن اور صحن میں لگا
نیم کا درخت، عقبی بڑے سے دروازے کے آس پاس اور
بیرونی دیواروں کے ساتھ بنی پھولوں کی کیاریاں موجود
تھیں۔ وقت کے ساتھ درخت، پھول پودے بدلے گئے
لیکن کیاریاں ہنوز موجود تھیں۔

کاظمہ بیگم کے شوہر شادی کے کچھ عرصے بعد
ملازمت کے سلسلے میں بیرون ملک گئے تو کاظمہ بیگم اپنے
بڑے سے گھر میں تنہا رہ گئیں تب ہی وسیم احمد اور نسیم احمد
عبدالمعید کی اجازت سے کاظمہ بیگم کو اپنے گھر لے آئے۔
اس طرح شادی کے بعد بھی تینوں بھائی بہن ساتھ ہی
رہے۔ اتنے بڑے گھر میں سب آرام سے رہتے، مزے
کی بات یہ تھی کہ یہاں پر روایتی دیورانی، جٹھانی اور نند والی
کوئی بدمزگی و چپقلش یا سرد جنگ نہیں تھی، بڑا ہی قابل
رشک اور قابل تعریف گھرانہ تھا، جہاں پرانی محبت، خلوص
اور رشتوں کا تقدس پایا جاتا تھا۔ وسیم احمد کے والدین ان کی
شادی سے بہت پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ وسیم احمد گھر
کے بڑے بیٹے تھے۔ چھوٹے بھائی نسیم اور کاظمہ کی ذمہ
داری بھی ان پر آپڑی۔ اپنا کاروبار تھا۔ کاظمہ اس وقت انٹر
کر رہی تھیں جب پہلے والد اور پھر چند ماہ بعد والدہ بھی
داغِ مفارقت دے گئیں۔ والدہ کی اچانک موت سے
کاظمہ تو پاگل سی ہو گئی تھیں، ایسے میں وسیم احمد اور نسیم احمد
کے لیے ان کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ والدہ کا خیال تھا کہ

منیرہ بیگم کو بڑی بہو بنائیں ایسے وقت میں حمیدہ خالہ، فیروزہ چچی اور دیگر رشتے داروں نے بہت ساتھ دیا۔ کاظمہ کی حالت دیکھ کر سب نے یہی مشورہ دیا کہ گھر میں عورت کا ہونا ضروری ہے۔ رشتے دار خواتین بھی بھلا کتنے دن یہاں رہ سکتی تھیں۔ سب کے گھر تھے، ذمے داریاں تھیں تو طے یہ پایا کہ چند ماہ کے اندر ہی وسیم احمد سادگی سے منیرہ کو بیاہ کر لے آئیں گو کہ ان کے خاندان میں شادیوں میں بڑا دھوم دھڑکا ہوتا اور عین روایتی طور طریقوں کی پاسداری کی جاتی لیکن وقت کا تقاضا یہی تھا ابھی دھوم دھڑکا اور شور شرابے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

یوں منیرہ بیگم وسیم احمد کی دلہن بن کر آ گئیں۔

”منیرہ میں بہت شرمندہ ہوں...... جن حالات میں ہماری شادی ہوئی، میری وجہ سے تم نے اور فیروزہ خالہ نے اپنے ارمان بھی پس پشت ڈال دیئے، یوں سادگی سے تم میری دنیا میں چلی آئیں۔“ شادی والی رات وسیم احمد نے کہا تو منیرہ بیگم نے آگے بڑھ کر ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”وسیم...... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں، حلیمہ خالہ آپ کی ماں ہی نہیں میری بھی ماں تھیں، ہمیشہ مجھے اپنی بیٹی کی طرح ہی سمجھا، جتنا دکھی آپ ہیں اتنی ہی میں دکھی ہوں، میرے لیے ارمان، آرزو اور رسومات اتنی اہم نہیں ہیں بلکہ آپ، یہ گھر، کاظمہ اور نسیم ہیں۔“ منیرہ کی بات پر وسیم احمد نے محبت اور پرتشکر نظروں سے منیرہ بیگم کو دیکھا ان کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

”وسیم آپ بالکل فکر مت کریں، نہ ہی کوئی ایسی ویسی بات سوچیں میرے لیے آپ کا ساتھ ہی سب سے اہم ہے...... کاظمہ کی حالت دیکھ کر میں خود بہت پریشان تھی اور میں پوری کوشش کروں گی کہ بہت جلد کاظمہ کو نارمل روٹین پر لے آؤں، ان شاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔“ منیرہ کے پرعزم اور محبت بھرے انداز نے وسیم احمد کے بے جان وجود میں گویا جان بھر دی تھی۔

”ان شاء اللہ......“ ان کے چہرے پر محبت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

منیرہ بیگم نے نہ صرف یہ سب کہا بلکہ اس پر عمل بھی کر کے دیکھادیا...... ننھی بچی کی طرح کاظمہ کا اتنا خیال رکھتیں جیسے ایک ماں اپنی بچی کا خیال رکھتی ہے، سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ لگی رہتیں، اس کی پسند کے کھانے پکاتیں، ادھر ادھر کے قصے کہانیاں اور لطیفے سناتیں، کاظمہ بے دلی کے ساتھ سنتی، کبھی چپ رہتی کبھی بے دلی سے مسکرا دیتی...... پھیکی بے جان ہنسی، آہستہ آہستہ منیرہ نے کاظمہ کو پڑھائی کی طرف بھی راغب کرلیا تھا۔ مسلسل محنت اور لگاتار کوششوں سے آخرکار کاظمہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔

یہ تو ازل سے ہوتا آیا ہے، بھلا مرنے والے کے ساتھ کون مرتا ہے، جینے والوں کو یہی لگتا ہے کہ جیسے وہ جی نہیں پائیں گے اور ایک لمحہ گزارنا ناممکن سا لگتا ہے جیسے سب کچھ ختم ہوگیا ہو، جینے کا کوئی جواز، کوئی مقصد، کوئی ضرورت محسوس نہیں رہتی...... سارے راستے بند نظر آتے ہیں لیکن یہ ہمارے رب کی مہربانی ہی تو ہے کہ بے یقینی، ناامیدی کے باوجود ایک لفظ ”صبر“ بھی تو ہے، جو میرے رب کی عطا ہے۔ وہ ہی رب صبر بھی تو عطا کرتا ہے، جینے کی راہ دکھلاتا ہے، ناامیدی کو امید اور بے یقینی کو یقین میں بدلنے والا...... وہ دیتا بھی اور لیتا بھی ہے...... کچھ اپنے بچھڑ جاتے ہیں تو کچھ زندگی میں آجاتے ہیں۔

کاظمہ نے بھی صبر کے ساتھ جینا سیکھ لیا تھا، نظروں سے اوجھل ہونے والے دل میں تو تھے ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اب اسے ساتھ دینا تھا ان کا جو نظروں کے سامنے تھے، محبت کرنے والے رشتے جو کاظمہ کو ہنستا دیکھنا چاہتے تھے، اسے زندگی کی طرف واپس لانا چاہتے تھے وہ بھی تو اپنے تھے، خون کا رشتہ تھا ان سب سے...... رفتہ رفتہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئی۔ اس نے پڑھائی سے ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ جوڑ لیا۔ منیرہ کے ساتھ مل کر گھر کے کام نپٹاتی، ان سے ایک ایک بات شیئر کرتی، کالج کی باتیں کرتی، بچوں کی طرح معصوم اور بھولی بھالی سی کاظمہ منیرہ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آجاتا، گھر کا ماحول بہت اچھا تھا۔ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

پھر ان سب کی زندگی میں زیان آگیا ”زیان وسیم احمد“ ننھا زیان کیا آیا نسیم احمد اور کاظمہ ہر وقت ہی لڑتے نظر آتے، نسیم کہتا کہ زیان میری طرح ہے جبکہ کاظمہ بضد رہتی کہ زیان کی آنکھیں اور سرخ و سفید رنگت بالکل اس جیسی ہے...... منیرہ اور وسیم احمد ان کی لڑائیوں پر ہنستے رہتے۔

”ارے بھئی تم دونوں کا کمپچر ہے...... تھوڑا بڑا ہوجائے تو خود ہی نظر آجائے گا کہ کس پر گیا ہے۔“ جب لڑائی حد سے بڑھتی تو وسیم احمد صلح کراتے ہوئے ملائمت سے کہتے۔

کاظمہ نے گریجویشن کیا تب زیان بھی تین سال کا ہوگیا تھا، اب منیرہ کو کاظمہ کی شادی کی فکر تھی۔ وہ اس کے فرض کو جلد ادا کرنا چاہ رہی تھیں رشتہ تو طے ہی تھا لیکن کاظمہ نے سنا تو شور مچادیا کہ پہلے نسیم بھائی کی دلہن آئے گی پھر میں جاؤں گی ورنہ منیرہ بھابی اکیلی ہوجائیں گی بات بھی ٹھیک تھی۔

”بھائی یہ سب پلاننگ ہے نند بھاوج کی، میری معصوم بیوی کو ستائیں گی دونوں مل کر۔“ نسیم احمد نے منہ لٹکا کر بھائی کے سامنے فریاد کی۔

”ہاں تو اور کیا...... جٹھانی ہوں تو جٹھانی بن کر بھی تو دکھاؤں گی ناں۔“

”اور نند تو ویسے بھی بھاوجوں کی دشمن ہوتی ہیں، کیوں بھابی؟“ کاظمہ نے درمیان سے منیرہ کی بات اچک لی اور لقمہ دیا۔

”ہاں ہاں بالکل...... ہم دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔“ منیرہ نے جملہ مکمل کیا اور دونوں نے بھرپور قہقہہ لگایا، وسیم احمد بھی ہنس دیے۔

”ہائے ہائے! کیسا ظلم ہے بھائی...... دیکھ رہے ہیں

"آپ؟" نسیم احمد نے سر کھجا کر مسکین سی شکل بنا کر بھائی سے فریاد کی۔

رشتے کی تلاش کا مرحلہ تھا نا کوئی اور مسئلے یوں جھٹ پٹ اسماء اور نسیم احمد کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی اور تیاریاں ہونے لگیں، ادھر شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں تب ہی منیرہ بیگم کو احساس ہوا کہ وہ ایک بار پھر ماں بننے والی ہیں۔

"ہائے اللہ یہ کیا ہو گیا وسیم احمد؟ اب شادی کے انتظامات کیسے سنبھال پاؤں گی میں، کاظمہ ابھی بچی ہے وہ بھلا کیسے سب کر پائے گی؟" وہ سچ مچ بے حد پریشان ہوئیں۔

"اللہ بہتر کرنے والا ہے منیرہ، ان شاء اللہ سب کچھ بہتر طریقے سے ہو جائے گا فکر مت کرو...... اللہ پاک کی نعمت کو لے کر یوں واویلا مت کرو بلکہ اللہ پاک پر مکمل بھروسہ رکھو۔" وسیم احمد نے بڑے پیار اور ملائمت سے ان کو سمجھایا، کاظمہ تو بہت خوش تھی کہ ایک اور مہمان آنے والا ہے۔ منیرہ نے خود کو بہت ہمت سے سنبھالا اور اللہ توکل شادی کی تیاریوں میں لگ گئیں۔ اس بار شادی پر خاندانی رسومات اور سارے ارمان نکالے جا رہے تھے۔ بہت شروع سے ہی ان کے خاندان میں شادی بڑی اہتمام سے کی جاتی، رسومات اور روایات کو برقرار رکھا جاتا سو اس بار بھی خاندان کے کچھ لوگ ادھر سے اور کچھ دلہن کی طرف سے بھرپور انداز میں شریک ہو رہے تھے۔ خوب دھوم دھام سے اسماء بیگم دلہن بن کر آئیں، کاظمہ اور منیرہ نے سارے شوق پورے کیے۔ اسماء بھی بہت اچھی فطرت کی لڑکی تھی سو وہ منیرہ کو بڑی بہن کی طرح عزت دیتی تو کاظمہ کا چھوٹی بہن کی طرح خیال رکھتی۔

منیرہ اور کاظمہ کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اسماء نے جلد ہی کام میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ویسے بھی منیرہ اب جلدی تھکنے لگی تھیں، کسی وقت بھی ہاسپٹل جانے کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ ننھا زیان چاچا اور پھوپو کے ساتھ ساتھ اب چچی کی بھی جان بن گیا تھا پھر ایک خوشگوار شام کو زیان کا ننھا منا سا بھائی آ گیا۔ سارے گھر میں ایک بار پھر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اسماء ہاسپٹل میں منیرہ کے ساتھ تھیں تو کاظمہ نے بڑے احسن طریقے سے گھر کو سنبھالا جبکہ ننھا زیان باپ سے زیادہ چچا کے پاس رہتا۔ ہر ایک اس گھرانے کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ پیار محبت، خلوص، ایثار اور ایک دوسرے پر جان چھڑکنا ان سب کی گھٹی میں تھا۔ لوگ ان کی مثالیں دیتے کہ حالانکہ گھر میں کوئی بزرگ خاتون نہیں تھیں اس کے باوجود بہت احسن طریقے سے گھر کا نظام چلتا۔ دن ماہ و سال میں بدلتے چلے گئے اور گزرتے ماہ و سال میں کاظمہ کی شادی بھی ہوئی وہ دوبارہ سے واپس بھی آ گئی اور شوہر کئی سال سے باہر تھے۔ اچانک انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تو وہ جانبر نہ ہو سکے اور کاظمہ مستقل بنیاد پر یہیں رہنے لگیں۔ منیرہ اور وسیم احمد کے ہاں زیان، ایان اور علوینہ آ گئے تو نسیم اور اسماء احمد پارسہ اور ربانیہ کے والدین بن گئے۔ کاظمہ کا ایک ہی بیٹا حارث تھا، بچے اپنی اپنی مرضی سے تعلیم حاصل کر رہے تھے گھر میں ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کود کے بڑے ہونے والے بچوں میں آپس میں بہت محبت تھی وہ اس طرح پیار سے رہتے۔

گھر کا وہی ماحول تھا جو کئی برس سے چل رہا تھا۔ کبھی بھی کسی نے بچوں میں کوئی تفریق نہیں کی۔ بچوں کی تربیت میں سب سے بڑا ہاتھ والدین کے آپس کے تعلقات اور گھر کے ماحول کا ہوتا ہے ہر بچہ وہی سیکھتا ہے جو وہ آنکھ کھولتے ہی دیکھتا ہے۔ یہاں پر بھی بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں کوئی تفریق نہ تھی، گھر کے بڑے کسی بھی بچے میں کوئی تفریق نہ کرتے تھے۔ یوں بھرپور انداز میں زندگی گزارتے گزارتے سارے بچے بچپن کی حدود سے نکل آئے تھے۔ خاندانی روایات برقرار رکھتے ہوئے رشتے بھی آپس میں ہی طے ہونے تھے۔ یہ بات سب بچوں کے علم میں بھی تھی لیکن باضابطہ اور باقاعدہ کوئی رسم ادا کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ پڑھنے والے بچوں کے ذہن پر کوئی اثر نہ ہو زیان اور پارسہ، ایان اور

انابیہ، حارث اور علوینہ پرفیکٹ جوڑیاں بننے والے تھے۔ زیان پڑھائی کے بعد کاروبار میں ابا اور چچا کا ہاتھ بٹانے لگا تھا ایان ابھی پڑھ رہا تھا پارسہ تھرڈ ایئر میں تھی انابیہ سیکنڈ ایئر میں حارث انجینئرنگ کر رہا تھا جبکہ علوینہ میٹرک میں تھی۔ منیرہ اور اسماء کا خیال تھا کہ گھر میں کوئی چہل پہل کوئی ہلچل ہونی چاہیے۔

"کیوں ناں زیان اور پارسہ کی منگنی کی رسم ادا کردی جائے، کاظمہ بھی بھاوجوں کی ہم خیال تھیں کہ اب ماشاء اللہ زیان کماؤ پوت ہوگیا ہے۔ کم از کم رشتہ ہی فائنل کردیا جائے پارسہ کے گریجویشن کرنے کے بعد شادی کردی جائے۔ پہلے تو تینوں خواتین نے آپس میں یہ بات طے کی ابھی بات چل ہی رہی تھی کہ علوینہ کسی کام سے منیرہ کے کمرہ میں آئی گفتگو سن کر کان کھڑے ہوگئے...... جتنی تیزی سے آئی تھی اسی رفتار سے باہر کی جانب بھاگی ساتھ ہی چلا بھی رہی تھی۔

"ارے...... یہ کیا ہوگیا علوینہ کو؟" منیرہ بیگم بری طرح چونکیں۔

"کچھ نہیں بھابی، دراصل اس نے ہماری باتیں سن لی ہیں خوشی سے چلا رہی ہے وہ۔" کاظمہ نے ہنستے ہوئے بھاوج کی طرف دیکھا۔

"ہائے پاگل کہیں کی، میں تو ڈر ہی گئی۔" منیرہ نے سر پیٹ لیا تو اسماء بھی مسکرادیں۔

"سنو سنو سنو...... قیصر وسیم کے باسیو! ایک اہم خبر سنو۔" تیز گام کی طرح بھاگتی ہوئی سیدھی پارسہ، انابیہ، حارث اور زیان کے درمیان پہنچ کر ہاتھ کا مائیک بنا کر باآواز بلند کہا۔

"خبر ہی نہیں بلکہ خوشی کی اور بہت خوشی کی خبر......" بات میں گرہ لگائی۔

"بول دیں محترمہ۔" چاروں ہمہ تن گوش تھے۔ حارث بول پڑا۔

"منگنی کی خبر ہے۔" علوینہ مسکرائی اور پارسہ کی جانب دیکھا۔

"ہائے اللہ......! اتنی جلدی، ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں، اتنی بھی کیا جلدی ہے...... کیا تم کو جلدی ہو رہی ہے اپنی منگنی کی؟" حارث کی بے اختیاری پر علوینہ بری طرح جھینپ گئی۔

"ہش، یہ کیا بکواس ہے یار...... تم تو ہمیشہ اپنا ہی سوچو، کبھی دوسروں کے لیے بھی اچھا سوچ لیا کرو۔" علوینہ تڑ سے بولی۔

"لو...... اچھا ہی تو سوچ رہا ہوں تمہارے لیے...... اتنا اچھا اور خوبرو لڑکا سرچ لائٹیں لے کر ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملے گا تمہیں تو یہ سوچ رہا ہوں ناں۔" وہ بھی کہاں باز آنے والا تھا۔

"ارے بھئی دونوں چپ کرو علوینہ یار تم بتاؤ کیا سن کر آرہی ہو تم؟" زیان جھنجلا کر بولا۔ انابیہ اور پارسہ بھی منتظر تھے۔

"ہاں، چچی جان اور پھوپو بول کر باتیں کررہی تھیں کہ زیان بھائی اور پارسا آپی کی منگنی کردی جائے شادی پارسہ آپی کی پڑھائی ختم ہونے کے بعد ہوگی...... ہائے سچ سچ کتنا مزا آنے گا ناں انابیہ۔" علوینہ بچوں کی طرح خوش ہو کر تالیاں بجا کر بولی۔

"ارے واہ بھئی زبردست، گڈ نیوز...... واؤ......" حارث، انابیہ اور زیان ایک ساتھ بولے، پارسہ کے چہرے کا رنگ ایک دم ہی پھیکا پڑ گیا تھا، چاروں اتنے خوش تھے کہ وہ پارسہ کے چہرے کی بدلتی رنگت محسوس نہ کرسکے کیونکہ پارسہ نے سر جھکا لیا تھا۔ اپنی کیفیت چھپانے کی کوشش میں وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

"واہ بھئی واہ...... بھائی جی کو شرم بھی آتی ہے یار!" حارث نے اسے جاتے دیکھ کر فقرہ اچھالا، بے اختیار سب ہنس دیئے اور زیان بھی مسکرادیا تھا اسے پارسہ پسند بہت تھی۔

ادھر خواتین آپس میں باتیں کررہی تھیں، ادھر جوان پارٹی پروگرام بنارہی تھی اور پارسہ...... پارسا اپنے کمرہ میں گھس گئی تھی...... یہ خبر جیسے سب "گڈ نیوز" کہہ رہے

تھے۔ پارسہ کے لیے خطرے کی علامت تھی۔ اسے تو پورا یقین تھا کہ گریجویشن کر لینے تک تو وہ محفوظ رہے گی مگر یہ اچانک سے پڑنے والی افتاد سے وہ پریشان ہوگئی تھی۔ وہ تو ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح اسماء بیگم سے بات کرے اور بہزاد کے بارے میں بتائے۔

"ارے بھئی دلہن بیگم، ایسا بھی کیا شرمانا، ہم کون سا غیر ہیں۔" انابیہ نے کمرے میں آ کر شوخ لہجے میں کہا لیکن جیسے ہی اس کی نظر پارسہ کے فق چہرے پر پڑی وہ بری طرح چونکی، اس کی سوچ اور توقع کے بالکل برخلاف پارسہ کے چہرے پر خوشی، شرم اور میٹھی مسکان کی بجائے، بے چینی اور اضطراب کی کیفیت تھی، اس کے ملیح چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ لب بھینچے وہ خالی خالی نظروں سے انابیہ کو دیکھ رہی تھی۔

"آ...... آپا...... کہ...... کیا ہوا ہے؟ یہ آپ کے چہرے پر بارہ کیوں بجنے لگے ہیں؟ کون سا بیاہ کر دوسرے گھر جانا ہے اِدھر سے اُدھر ہی تو موو کرنا ہے۔" انابیہ اب بھی اس کی دلی حالت سے بے خبر تھی۔

"انابیہ...... میں زیان سے شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"آ...... آ...... پا...... پاگل ہوگئی ہو کیا؟ یہ کیا فضول اور بے تکی بات کر رہی ہو آپ، یہ کیسا مذاق ہے؟" انابیہ کو اس کی بات پر بالکل یقین نہیں رہا تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ پارسہ ستانے کے موڈ میں ہے۔

"یہ...... یہ...... مذاق نہیں ہے انابیہ...... میں...... میں...... سچ کہہ رہی ہوں، مجھے...... مجھے کہیں اور شادی کرنی ہے۔" پارسہ کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ اور چہرے کی رنگت دیکھ کر انابیہ چکرا گئی، اس نے بے یقینی کی کیفیت میں آنکھیں پھاڑ کر بہن کو دیکھا۔

"یہ...... یہ...... کیا کہہ رہی ہو آپا؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا، یہ کس طرح ممکن ہے...... ہمارے خاندان میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور...... اور یہ بات مجھ سے پہلے تم اچھی طرح سے جانتی ہو...... تم کو اندازہ بھی ہے کہ تم ایک ناممکن بات کو ممکن اور ایک انہونی کو ہونی میں بدلنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو...... تم کو احساس نہیں تم کیا کہہ رہی ہو، کیا سوچ رہی ہو آپا پلیز...... کہہ دو کہ یہ سب مذاق ہے۔" انابیہ سر سے پیر تک کانپ گئی تھی۔ پارسہ کی بات ہی ایسی تھی وہ تڑپ کر آگے بڑھی۔

"نہیں انابیہ، یہ مذاق نہیں ہے...... پلیز میری کیفیت کو سمجھو تم......" وہ انابیہ کے ہاتھ تھام کر گڑگڑائی۔

"آہا......" انابیہ نے بری طرح اس کے ہاتھ جھٹکا اور بدتمیزی سے بولی۔

"یہ کون آ گیا ہے آپا ہمارے درمیان؟ ہمارے رشتوں میں دراڑ ڈالنے اچانک سے آیا اور...... اور تم اپنی تربیت، گھر، رشتوں اور روایات کو بھول گئی ہو، تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم...... کیا کہہ رہی ہو...... کیا کر رہی ہو؟ اماں، بابا، تایا ابو، تائی امی اور پھوپو کے ساتھ ساتھ زیان بھائی...... زیان بھائی کا کچھ احساس نہیں تم کو۔" انابیہ غصے سے بل کھا رہی تھی، اس کے لیے یہ بات بہت بڑا دھچکا ثابت ہوئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ پارسہ اتنی چھپی رستم نکلے گی، اتنی دیدہ دلیری دکھا سکتی ہے۔

"سنو تو انابیہ وہ بہزاد اریشہ کا کزن ہے، بہت اچھے لوگ ہیں، اریشہ کے گھر بھی کئی بار ان سے ملاقات ہوئی...... میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا بس پتا نہیں کیسے، کب یہ سب ہوگیا، انہوں نے مجھ سے بات کی اور وہ مجھے پسند کرنے لگے ہیں اور نہ جانے کیسے اور کب سے میرے دل میں ان کے لیے کچھ تو تھا کہ میں انکار نہیں کر سکی...... انابیہ قسم سے میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا لیکن اب...... اب...... میں بہزاد کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی...... اب میں کیا کروں؟" پارسہ انابیہ کے دونوں ہاتھ تھام کر رو دی۔

"واہ، کمال بات ہے آپا...... چار ملاقاتوں اور ایک دن کی بات اتنا اثر کر گئی تم پر...... تم اتنی بے بس ہوگئی ہو کہ برسہا برس کے ساتھ، خلوص اور زیان بھائی کی محبت بھاڑ میں جھونک دی...... واہ بھئی واہ...... اچھی بے بسی ہے۔"

ایک بار پھر انابیہ اس کا ہاتھ جھٹک کر طنزیہ لہجے میں بولی۔
وہ اسے کیسے بتاتی کہ میں نے کبھی زیان کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا، نہ زیاں نے کبھی پارسہ سے محبت کا اظہار کیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

ابھی وسیم احمد اور نسیم احمد اور زیان کے آفس سے آنے میں کافی وقت تھا۔ تینوں خواتین مل کر ابھی صرف پروگرام ترتیب دے رہی تھیں کہ علوینہ کے عین وقت کے چھاپے اور پھر پارسہ اور انابیہ کی بات چیت اور پھر اسی وقت علوینہ کے ٹیوٹر پر بھی آگئے تھے اور حارث اور ایان بھی اکیڈمی چلے گئے تھے...... تب ہی انابیہ اور پارسہ کی اتنی بات چیت ہوئی...... اسماء بیگم بات ختم کر کے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل دیں منیرہ اور فاطمہ شام کے کھانے کی تیاری کرنے کچن کی سمت آ گئی تھیں۔

''آپا...... میں...... اماں سے سب کہنے جا رہی ہوں وہاں پر وہ تینوں خوشی خوشی پلان بنا رہی ہیں اور یہاں...... یہاں پر یہ سب۔'' انابیہ نے کمرے نکلتے ہوئے پلٹ کر بہن کی طرف دیکھا اور تیکھے لہجے میں کہا، اسماء بیگم جاتے ہوئے ٹھٹک گئیں اور رخ پارسہ کے کمرہ کی طرف موڑا؟ پارسہ اور انابیہ ان کو دروازے میں دیکھ کر چونک گئیں۔

انابیہ کا غصے سے تمتماتا ہوا چہرہ پارسہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں...... وہ بوکھلائی کہ کیا ہوگا۔

''انابیہ کیا کہنا ہے مجھ سے؟'' انہوں نے باری باری دونوں بیٹیوں کو دیکھا پھر انابیہ سے مخاطب ہوئیں وہ خود بھی اس وقت تذبذب کا شکار تھی ان کے چہرے پر بھی سوال تھے۔

''وہ...... وہ......'' انابیہ ہکلانے لگی...... اتنی بڑی بات کہتے ہوئے وہ خود ہچکچا رہی تھی۔

''پوچھیں آپ اپنی اس بیٹی سے۔'' انابیہ زہر آلود نظریں پارسہ پر ڈالتے ہوئے بدتمیزی سے بولی۔

''انابیہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ یہ کون سا انداز ہے، کس لہجے میں بات کر رہی ہو، ہوش میں تو ہو تم...... میری بیٹی، تمہاری کچھ نہیں لگتی کیا؟'' اسماء بیگم انابیہ کے منہ سے پہلی بار اتنی بدتمیزی سے کہے گئے الفاظ سن کر غصے سے بولیں۔

''اماں سوری مگر......'' انابیہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو ماں کے گلے سے لگ کر سسک پڑی۔

''ارے ارے...... کیا ہو گیا ہے؟ انابیہ کیوں تماشہ بنا رہی ہو، پارسہ تم کیوں ایسے خاموش کھڑی ہو...... بولو ہوا کیا ہے؟''

''اماں...... اماں...... آپا...... زیان بھائی سے شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔'' انابیہ نے ہی پارسہ کی مشکل آسان کر دی۔

''ہیں...... ہائیں...... یہ کیا...... پاگل پن ہے؟ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا...... یہ کیا بکواس کر رہی ہے پارسہ تم بولو، یہ کیا بے غیرتی ہے؟'' انابیہ کو دھکا دے کر خود سے الگ کر کے اسماء بیگم پارسہ کی جانب پلٹیں۔

''جی اماں...... انابیہ سچ کہہ رہی ہے۔'' پارسہ نے سر جھکا کر کانپتے ہوئے لہجے میں دھیرے سے کہا اس کا سارا وجود لرز رہا تھا، وہ پسینے سے شرابور ہو رہی تھی۔

''کہ...... کیا......؟'' اسماء بیگم کی آنکھیں پھیل گئیں، ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ غصے سے بے قابو ہو کر تیزی سے آگے بڑھیں، ان کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا...... انہیں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ بھیانک اور ڈراؤنا خواب۔

''پارسہ'' وہ پوری قوت سے چلائیں۔ اس گھر میں تو کبھی کوئی ذرا سی اونچی آواز میں نہ بولا تھا مگر اسماء بیگم کا ضبط دم توڑ گیا تھا۔

''ذلیل، بے غیرت، بے شرم، اتنی ہمت کیسے ہوئی تمہاری...... اتنی بے شرم کب سے ہو گئی ہو تم، کیا سوچ کر یہ بکواس کر رہی ہو...... تم ایسا نیچ اور گھٹیا فیصلہ کرنے والی کون ہوتی ہو...... اتنی گری ہوئی حرکت کرنے سے پہلے مر کیوں نہیں گئیں تم، نہ جانے کس خاندان سے ہے، جس کے لیے تم میرے سامنے کھڑی ہو۔''

"کماں وہ اچھے خاندان کا ہے......"

"بکواس بند کرو بے شرم لڑکی۔" اسماء نے درمیان سے بات کاٹ کر چلا کر کہا۔

"تمہارے خاندان سے اچھا خاندان ہوسکتا ہے کیا...... اس گھر جیسے لوگ کہیں مل سکتے ہیں کیا، تمہیں کیا پہچان ہے اچھے اور برے کی اگر پہچان ہوتی تو یہ گری ہوئی حرکت نہیں کرتی منحوس لڑکی...... تمہیں پتا نہیں کیا کہ ہمارے یہاں شادیاں خاندان میں ہوتی ہیں، بچپن سے آج تک بچہ بچہ یہ بات جانتا ہے...... اپنے اپنے رشتے اور رشتوں کے احترام سے واقف ہے، ہماری روایات، ہماری رسم سب کچھ کیسے بھول سکتی ہو تم؟"

"کماں کون سا مذہب کہتا ہے کہ رشتہ خاندان میں ہی ہو؟" پارسہ کی بات پر اسماء بیگم کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی، وہ بجلی سی کی تیزی سے آگے بڑھیں اور بھرپور طمانچہ پارسہ کے منہ کو لال کر گیا تھا۔

"کماں......" انابیہ زور سے چلائی مگر اسماء بیگم غصہ سے کہہ رہی تھیں۔

"مذہب...... مذہب کی پروا ہے تمہیں، ماں باپ کا کوئی حق نہیں جانتی...... ڈھیر سارے دل توڑنے کا مذہب میں کوئی گناہ نہیں ہے کیا؟"

"کماں پلیز۔" پارسہ کے لہجے میں انکساری، عاجزی نہیں بلکہ اچھی خاصی تلخی تھی اور آنکھوں میں بھی ندامت کی جگہ ڈھٹائی تھی، اسماء بیگم اس کے اس انداز پر آپے سے باہر ہوئیں اور تڑاتڑ اس کے چہرے پر تھپڑ برسانے لگیں۔

"کماں......" انابیہ پہلے ہی حواس باختہ ہو رہی تھی کہ شور کچن تک پہنچ گیا تھا تب ہی منزہ بیگم اور کاظمہ دوڑی چلی آئی تھیں۔

"اسماء! پاگل ہوگئی ہو...... یہ...... کیا کر رہی ہو تم؟" منیرہ بیگم اور کاظمہ کے اس منظر کو دیکھ کر اوسان خطا ہوگئے، ان دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا کچھ ہوسکتا ہے تب ہی منیرہ نے اسماء بیگم کو گھسیٹتے ہوئے خاصی برہمی سے کہا۔

"مار ڈالو گی کیا؟"

"ہاں...... ہاں...... بھابی مار ہی ڈالوں گی...... اس کا مر جانا ہی بہتر ہے، اس سے پہلے کہ اس کی حرکت، اس کی بات سے ہم سب جیتے جی مر جائیں اس کا اکیلے مر جانا ہم سب کے لیے باعث سکون ہوگا۔" اسماء بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں، واقعی ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پارسہ کو جان سے مار دیں۔

"آخر ایسا کیا ہوگیا ہے اسماء؟ آج تک کسی لڑکے کو بھی ہم نے ایک تھپڑ تک نہ مارا اور تم...... تم...... اتنی جہالت پر اتر آئی ہو۔" منیرہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بے تحاشہ روتی ہوئی پارسہ کو دیکھتے ہوئے اسماء بیگم کو پکڑ کر باقاعدہ دھکا دیا، کاظمہ بھی ہونق بنی کھڑی تھیں۔

"بھابی...... حیرت تو یہی ہے کہ ہمارے ہاں کے کسی لڑکے نے آج تک اتنی دیدہ دلیری نہ دکھائی۔ کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی اور آج یہ...... یہ لڑکی ہو کر منہ پھاڑ کر بے غیرتی سے کہہ رہی ہے اسے زیان سے شادی نہیں کرنی بلکہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ بھابی...... میں...... کیسے برداشت کروں یہ بات، اس نے ہمیں ذلیل و خوار کرنے کا فیصلہ کیسے کرلیا؟" اسماء بیگم کی بات پر منیرہ بیگم کے ساتھ کاظمہ بھی بھونچکا رہ گئیں۔ جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"ہائیں......!" کاظمہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے غیر یقینی انداز میں پہلے اسماء بیگم کو اور پھر پارسہ کو دیکھا، منیرہ بیگم سے کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا...... وہ تو منہ پر ہاتھ رکھے بیڈ پہ ڈھے سی گئیں، پارسہ بدستور منہ چھپائے سر جھکا کر کھڑی سسک رہی تھی۔ انابیہ اور اسماء بیگم بھی رونے لگیں، چند لمحوں بعد ہی منیرہ بیگم سنبھل گئیں انہوں نے اسماء بیگم کو دیکھا جو بدستور غصے سے لال بھبوکا کھا جانے والی نظروں سے پارسہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"اسماء...... اس طرح نہیں کرتے، تم یوں واویلا نہ کرو کچھ سوچتے ہیں، ابھی سے تماشہ نہ بناؤ اور یہ کوئی اتنی

خطرناک بات بھی نہیں ہے کہ تم جان سے مار دو۔“ ٹھہرے ہوئے لہجے میں منیرہ بیگم نے بات کی۔

”بھابی..... آپ کیسی باتیں کررہی ہیں؟ یہ کل کی لڑکی خاندانی رسم ورواج کی روایات کی مٹی پلید کرنے چلی ہے اور اپنے خاندان کو تتر بتر کررہی ہے..... اسے اندازہ نہیں ہے کہ اس کی اس بات سے ہم سب پر کیا اثر پڑے گا۔ شیرازہ بکھر جائے گا ہمارے اس گلشن کا، جسے ہم سب نے مل کر بہت پیار سے سجایا ہے، اس کو آگ لگا رہی ہے یہ..... دراڑیں ڈال رہی ہے اور میں..... میں ایسا نہیں ہونے دوں گی..... میں اپنے ہاتھوں سے اس کو جان سے ماردوں گی..... ماردوں گی اس کو اور اپنے گھر کو بچالوں گی۔“ اسماء بیگم جذبات میں آکر جنونی انداز میں بولیں، منیرہ بیگم نے اشارہ کیا تو کاظمہ نے آگے بڑھ کر اسماء بیگم کا کاندھا تھاما۔

”بھابی پلیز..... آپ کا بی پی شوٹ کرجائے گا، چلیں ادھر آئیں میرے ساتھ۔“ اسماء بیگم نے خونخوار نظریں پارسہ پر ڈالیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی کاظمہ کے ساتھ کمرے سے باہر آگئیں۔ اس وقت اسماء بیگم کی حالت بہت خراب تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ پارسہ ایسا بھی کرسکتی ہے۔

”کاظمہ تم خود سوچو یہ بات سن کر میں کیسے برداشت کرسکتی ہوں۔“ اسماء بیگم بے چارگی سے کاظمہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

”جی بھابی وہ بے شک ہم سب کے لیے یہ بات غیر یقینی اور شاکڈ کردینے والی ہے مگر ذرا سا حوصلہ رکھیں۔“ کاظمہ نے بھاوج کے ہاتھ تھام کر پرمحبت لہجے میں کہا۔ تب ہی منیرہ بیگم آگئیں، اسماء بیگم سر جھکائے بیٹھی تھیں، اپنے ہاتھوں کو آپس میں ملتے ہوئے ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ان کی اندرونی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ وہ کس اذیت اور ذہنی دباؤ کا شکار ہیں، اس کیفیت سے جٹھانی اور نند دونوں واقف تھیں۔ وہ گھر جس میں خوشگوار فضا قائم رہتی تھی، بچوں کی آپس میں چھیڑ چھاڑ، تکرار، محبت، فقرے بازیاں تو کبھی کھیل کی بازیاں لگتیں، کبھی لڑکیاں فیشن کو لے کر مختلف میگزین کھولے عید، بقرعید کے کپڑوں کا انتخاب کررہی ہوتیں تو لڑکے بیچ بیچ میں نت نئے شوشے چھوڑ رہے ہوتے۔ کبھی کبھی تو کیرم اور لوڈو کی بازیاں لگتی تو گھر کے بڑے بھی شامل ہوجاتے تھے۔ یونہی ہمیشہ سے ہنستا، مسکراتا اور زندگی سے بھرپور، زندگی کو انجوائے کرنے والا یہ گھرانہ..... یوں ہی اچانک ہی اس قدر سوگوار ہوگیا..... نہ جانے کیسا طوفان آنے والا تھا۔

”بھابی..... ہم لوگ بکھر جائیں گے..... دیکھ لینا۔“ اسماء بیگم کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔ وہ خوف زدہ تھیں۔ آنے والے حالات کو لے کر خدشات انہیں پل پل ڈس رہے تھے۔

یہ بات معمولی نہ تھی..... نہ ہی چھپانے والی..... رات ہوتے ہوتے گھر میں اچھا خاصہ ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ سوائے زیان کے سب لوگ اس بات سے باخبر ہوچکے تھے، زیان تین دن کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا تھا تب ہی تینوں خواتین یہ پلان بنارہی تھیں کہ اس کے واپس لوٹنے پر منگنی کی چھوٹی سی رسم ادا کریں گے تاکہ گھر میں کچھ ہلا گلا ہوجائے مگر..... رات کے کھانے کے دوران ہی گھر کے مکدر ماحول، اسماء بیگم کا ستا ہوا چہرہ، پارسہ، انابیہ اور دوسرے سب کے چہرے کے رنگ فق تھے۔ آیان، علوینہ، حارث کو بھی علم ہوچکا تھا اور انابیہ کی طرح وہ تینوں بھی پارسہ سے سخت خفا تھے، شام سے اب تک کسی نے پارسہ سے بات نہیں کی سوائے منیرہ بیگم اور کاظمہ کے..... صرف یہ دونوں نے ہی پارسہ کو تسلی بھی دی اور اس سے نارمل بات بھی کی..... پارسہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھانے کے لیے باہر آئی، ایسا محسوس کررہی تھی جیسے اس نے کوئی بہت بڑا گناہ کردیا ہو، منیرہ بیگم نے اسماء بیگم کو سختی سے تنبیہہ کی کہ پہلے کھانا ہوجائے پھر کوئی بات کرنا، وسیم احمد اور نسیم احمد کو بھی سب کی خاموشی کھل رہی تھی۔

”کیا ہوا بھئی..... سب خیریت تو ہے؟ آج اس قدر

خاموشی اور سب سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟" آخر کار کھانے سے فارغ ہوکر نسیم احمد نے چائے لے کر آتی ہوئی اسماء بیگم کی طرف دیکھ کر قدرے حیرانی سے پوچھا۔

"بالکل...... میں بھی ابھی یہی بات کرنے والا تھا...... سب نے مل کر کوئی پلان تو نہیں بنا رکھا یا ہفتہ خاموشی منایا جارہا ہے جو کہ نہایت کٹھن اور غیر یقینی کام ہے۔" وسیم احمد نے بھائی کی تائید کرتے ہوئے بات کو مزاح کا رنگ دے کر لقمہ دیا، اسماء بیگم نے گھبرا کر چور نظروں سے جٹھانی کی طرف دیکھا، بچے بھی چونکے، منیرہ بیگم نے آنکھ کے اشارے سے اسماء بیگم کی ہمت بندھائی لیکن طوفان تو آنا ہی تھا "قصر وسیم" میں جہاں کبھی کسی نے اونچی آواز میں بات نہ کی تھی...... وہاں نسیم احمد کی چنگھاڑتی آواز سے سارے مکین تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اپنے کمرہ میں پارسہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔

"نسیم...... ہوش کرو، اتنی اونچی آواز مت نکالو کہ تمہاری آواز اس گھر کی دیواریں پار کرکے باہر تک سنائی دے، جو بات ہے دھیرج سے اور آرام سے کرو...... غصہ تمہیں ہی نہیں سب کو ہے، وہ تمہاری اولاد سہی مگر بیٹی ہم سب کی ہے، اس لیے اس کے لیے بولنے کا حق صرف تمہارا ہی نہیں ہم سب کا بھی ہے۔ میں نے اس گھر میں کبھی نہ خود اونچی آواز سے بات کی نہ ہی کسی کو اجازت دوں گا، بات جذبات سے نہیں عقل سے سلجھائی جاتی ہے۔" وسیم احمد کی آواز حالانکہ ہلکی تھی مگر انداز خاصا تیکھا تھا۔

"بھائی...... آپ کو اندازہ ہے کہ یہ دو فٹ کی لڑکی نے کتنی بڑی بات کہہ دی۔" نسیم بھائی کی طرف پلٹ کر بولے۔

"میں...... میں...... اسے گولی مار دوں گا لیکن اس گھر پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا...... دراڑ نہیں آسکتی میرے ہوتے ہوئے کبھی بھی ہمارے دلوں میں...... ہمارے درمیان اور ہمارے گھروں میں۔" نسیم احمد حد درجہ جذباتی ہو رہے تھے۔

"نسیم یہ لو پانی پیو۔" منیرہ بیگم نے آدھا گلاس پانی ان کی طرف بڑھایا، اسماء بیگم کانپ رہی تھیں جبکہ اس وقت کوئی بچہ وہاں موجود نہ تھا۔

"بھابی......" نسیم احمد نے بھاوج کو دیکھا اور گلاس تھام لیا۔

"اسماء بیگم جاکر اس سے کہہ دو کہ میں گھر سے اس کی لاش نکال دوں گا لیکن کسی اور کے ساتھ تو نہیں بیاہوں گا۔" نسیم احمد بیوی کی طرف پلٹے۔ منیرہ بیگم اور وسیم احمد دھیرے دھیرے آپس میں کچھ بات کررہے تھے۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں...... نسیم میں آپ کا ساتھ دوں گی۔" اسماء بیگم گمبھیر لہجے میں بولیں، کاظمہ بیگم بھی آگئی تھیں، منیرہ اور وسیم احمد کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"نسیم...... ابھی تم یہیں بیٹھو ہم آتے ہیں، تب تک کہیں نہ جانا۔" منیرہ بیگم نے جاتے ہوئے کہا۔

"کاظمہ...... جاؤ اس ناہنجار کو بلا کر لاؤ...... میں خود چل کر اس کے کمرے میں بھی نہیں جانا چاہتا۔" نسیم احمد کا لہجہ زہر خند تھا۔

"بھائی...... پلیز دس منٹ انتظار کرلیں، ابھی بڑے بھائی، بھابی آجاتے ہیں پھر پارسہ سے ہم مل کر بات کریں گے، اسے سمجھائیں گے، یوں جذبات سے کام نہیں چلتا بھائی، ایسے موقعوں پر برداشت سے کام لینا پڑتا ہے۔"

"کاظمہ...... ہمارے ساتھ ہی یہ منحوس وقت آنا تھا، ہمارے گھر کی بیٹی کو بھی ایسی غلیظ حرکت کرنی تھی، ہمارے نصیب میں ہی یہ ذلت لکھی تھی۔" نسیم احمد کاظمہ کی بات کاٹ کر غصے سے بولے، تب ہی وسیم احمد اور منیرہ بیگم بھی آگئے۔

"کاظمہ میں نے کہا تھا ناں کہ پارسہ کو بلاؤ میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ کر اس بات کو یہیں پر دفن کرنا چاہتا ہوں۔" نسیم احمد کی آواز قدرے دھیمی تھی مگر لہجے میں

انگارے بول رہے تھے۔

"ایک منٹ رکو نسیم۔" وسیم احمد نے نسیم احمد کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے کہا۔

"دیکھو نسیم، اسماء، ہم اچھی طرح سے تمہاری حالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اس وقت تم لوگ جس اذیت کا شکار ہو اس کو محسوس کر سکتے ہیں لیکن ٹھنڈے دل سے میری، منیرہ اور کاظمہ کی بات سن لو اسماء تم بھی آرام سے بیٹھ جاؤ۔" اسماء جو ابھی تک کھڑی تھیں منیرہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا تو اسماء کرسی پر ٹک گئیں۔ کاظمہ، منیرہ بیگم اور اسماء بیگم کے پاس کرسیوں پر بیٹھ گئیں جبکہ وسیم احمد، نسم احمد کے قریب بیٹھ گئے۔ کچھ دیر وسیم احمد کو الفاظ ترتیب دینے میں لگے۔ نسیم احمد بہ غور بھائی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"جی بھائی۔" نسیم احمد نے کہا۔

"نسیم...... جذبات سے بالاتر ہو کر کوئی بھی فیصلہ کرنا چاہیے، صرف اپنا مرتبہ، اپنا رشتہ نظر میں مت رکھنا بلکہ دوسروں کے جذبات، احساسات کے بارے میں بھی ضرور سوچنا، جذبات میں آ کر کیے جانے والے فیصلے ہمیشہ غلط ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم جو سوچتے اور سمجھتے ہیں وہ غلط بھی ہو سکتا ہے ضروری نہیں کہ عمر اور رتبے کے حوالے سے کیے جانے والے فیصلے بھی درست ثابت ہوں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جو بات بھی ہو وہ سمجھداری سے، صبر اور تسلی سے ہی ہو، جذبات سے قطعی ہٹ کر ہو۔"

"لیکن وہ لڑکی......"

"نسیم۔" وسیم احمد نے ان کی بات کاٹی اور تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔ "وہ لڑکی نہیں...... وہ ہماری بیٹی...... تمہاری بیٹی "پارسہ" ہے، اس لیے اس کا نام لے کر بات کرو۔"

"اف......" نسیم احمد نے سر تھام لیا۔ "بھائی کس قدر برداشت اور نرمی ہے آپ کے اندر اس کے لیے آپ کو میرا کوئی احساس نہیں، اسماء اور منیرہ بھابی کے جذبات کی پروا نہیں آپ کو، اپنا بھی خیال نہیں بھائی...... یہ رشتہ، یہ محبت، یہ تعلقات، یہ نزدیکیاں، احترام، یہ...... یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا بھائی۔" نسیم احمد شدت جذبات سے رو پڑے۔

"ارے ارے......" وسیم احمد تھوڑا سا آگے بڑھے اور نسیم احمد کو گلے سے لگا لیا۔ "یہ کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہا ہے یار...... بھلا کیوں ختم ہو گا یہ سب کچھ...... کیسے رشتوں میں دراڑیں آئیں گی یار تو بھی بچوں کی طرح سوچنے لگا۔ ارے یار ہم مجبور ہو کر ایسی باتیں کیسے سوچ سکتے ہیں...... پگلے...... نسیم چلو میری بات سنو اب۔" اسی لمحے منیرہ قریب آ کر بولیں۔

"اگر پارسہ ایسا چاہتی ہے تو یہ اس کا حق ہے میرے بھائی...... ہم زبردستی نہیں کر سکتے، رشتے کبھی بھی زور زبردستی سے طے نہیں کیے جاتے، جبراً طے کیے جانے والے رشتے ہمیشہ بودے اور کھوکھلے ثابت ہوتے ہیں، جس طرح کمزور بنیادوں پر کھڑی عمارت بہ ظاہر خوب صورت اور دیدہ زیب نظر آتی ہے مگر اندر سے کمزور سیلن زدہ اور ناپائیدار ہوتی ہے۔ پھر وہ عمارت زیادہ دن تک اپنی دلکشی، خوب صورتی اور اپنا وجود برقرار نہیں رکھ پاتی اور ڈھے جاتی ہے۔ وہ عمارت جب زمیں بوس ہوتی ہے تو اپنے ساتھ نہ جانے کتنے پیاروں کا، کتنے خوب صورت رشتوں کا...... محبتوں کا، خلوص کا خون کر دیتی ہے۔ تب سوائے پچھتاوے اور افسوس کے کچھ نہیں رہتا، بہتر یہی ہے اور عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ عمارت کی بنیاد ٹھوس اور مضبوط ہو، پائیدار ہو اس طرح کے زبردستی کے رشتے ناپائیدار اور کمزور ہوتے ہیں، تم سمجھ رہے ہو ناں میری بات؟" بات کرتے ہوئے منیرہ بیگم ایک لمحے کو رکیں اور جھک کر دیور کی جانب دیکھا جو بڑی توجہ سے بھاوج کی بات سن رہے تھے۔

"جی جی بھابی۔" نسیم احمد دھیرے سے بولے۔

"اچھی بات ہے کہ تم سمجھ رہے ہو۔" منیرہ بیگم نے کہا۔ اسماء بیگم کی نظروں میں جیٹھ اور جٹھانی کے لیے بہت احترام تھا۔ کتنے اچھے سے بات کر رہے تھے دونوں۔

"بھابھی...... لیکن ہم نے کبھی ایسا تصور بھی نہیں کیا

تھا۔" اسماء بیگم بولیں۔ "ہمارے وہم وگمان میں بھی ایسا نہیں تھا کہ ہمارے گھر کی بیٹی گھر سے باہر جائے۔"

"اُفوہ......" منیرہ بیگم نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "اسماء یہ کون سی انہونی اور دنیا سے الگ بات ہے، فرض یا سنت ہے کہ شادی خاندان میں ہو، یہ رواج اور رسم سب ہمارے اپنے بنائے ہوئے ہیں، ہمارے مذہب میں اس کا کوئی تصور نہیں بلکہ مذہب میں تو لڑکی کی مرضی اور پسند کا بھی حکم دیا گیا ہے اور رہی بات رشتوں میں دراڑیں آنے کی، تعلقات میں برائی آنے کی یا ہماری ناراضی کی تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا، ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ پارسا اس گھر کی بیٹی ہے، ہم سب کی بیٹی، اس لیے ہم سب مل کر اسے اس کی پسند کے مطابق رخصت کریں گے۔ تم دونوں اس بات کو دل پر لے کر الٹی سیدھی باتیں بالکل مت سوچو۔" وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہوئیں پھر دونوں کی طرف دیکھ کر بولیں۔ "ہم یہ نہیں کہتے کہ پارسہ نے کوئی بہت اچھا کام کیا ہے اس کو سزا ہو یا اس کی حوصلہ افزائی کرو لیکن فی زمانہ اگر اس نے اپنی پسند کی شادی کرنے کے لیے قدم اٹھایا ہے تو یہ کوئی بری بات بھی تو نہیں...... اس بارے میں سوچا جاسکتا ہے، لڑکے والوں سے مل کر خاندان اور لڑکے کو دیکھ کر تسلی کی جاسکتی ہے اگر سمجھ آجائے تو بسم اللہ اور اگر سب کو مناسب نہ لگے تو پھر پارسہ کو پابند کرنے کے لیے تم دونوں سے پہلے ہم دونوں آگے رہیں گے۔" اتنی محبت، تسلی، نرمی اور پیار بھرے انداز سے منیرہ نے بات کی کہ نسیم احمد اور اسماء بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"بھابی...... اللہ کی قسم آپ لوگ واقعی فرشتہ ہیں، کتنے اچھے ہیں آپ لوگ، کتنے فراخ دل بھی، آپ کی عظمت کے آگے الفاظ نہیں کہ کس طرح سے آپ کی محبتوں کا قرض اتاریں۔" اسماء بیگم جٹھانی سے لپٹ کر رونے لگیں، نسیم احمد بھی بھائی کے گلے لگ کر آبدیدہ ہوئے۔

"بھائی...... بھائی بہت خوش نصیب ہیں ہم لوگ کہ آپ ہمارے بڑے ہیں۔ مجھے آج اپنے چھوٹے ہونے پر فخر ہورہا ہے۔ کس طرح سنبھالا ہے آپ نے بالکل ماں باپ کی طرح۔"

"بس یار اللہ پاک ہمارے گھر کی خوشیوں اور ہمارے آنگن کو آباد رکھے، آمین ثم آمین۔" وسیم احمد نے کہا تو وہ سب بھی باآواز بلند بولے۔

"اچھا...... اب پارسہ اور سب بچوں کو بلواؤ، سب کے سامنے بات کرتے ہیں تاکہ سب کے دلوں سے بوجھ اتر جائے...... سب ہی سوگ کے عالم میں ہیں۔" وسیم احمد نے کہا۔

"بھائی آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر لیکن......" نسیم احمد ایک لمحے کو رکے اور بھائی کی طرف دیکھا۔

"کیا......؟" وسیم احمد نے سوال کیا۔

"میں...... میں...... فی الحال پارسہ سے شاید نارمل انداز میں بات نہ کرسکوں کیونکہ میرے لیے یہ مشکل ہوگا پلیز......" نسیم احمد نے عاجزی سے بھائی کی جانب دیکھا، منیرہ بیگم نے آنکھ کے اشارے سے شوہر کو سمجھایا۔

"ٹھیک ہے...... یہ فطری امر ہے تم باپ ہو اپنی کیفیت سمجھ سکتے ہو۔"

"میں اس معاملے میں فی الحال چپ ہی رہوں گا۔" وسیم احمد نے کہا۔ کاظمہ بڑی محویت سے سب کچھ سن رہی تھیں۔ کتنے پیارے بھائی تھے اور اللہ پاک نے بھاوجیں بھی مثالی دی تھیں...... بیوگی کے اتنے بڑے دکھ کے بعد بھی جس طرح سے ان بھائیوں اور بھاوجوں نے سنبھالا تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی، کسی موقع پر کبھی بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ حارث یتیم ہے یا وہ خود بیوہ ہیں۔ اپنے بچوں سے پہلے حارث کی ضرورت پوری کرتے، کاظمہ پلو اٹھا اٹھا کر بھائیوں، بھاوجوں اور بھتیجا بھتیجیوں کو دعائیں دیتیں کہ کبھی کسی بچے نے بھی کھیل، کھیل میں حارث کو اس بات کا احساس دلایا ہو کہ یہ حارث کا گھر نہیں ہے، اتنا اچھا ماحول، اتنے اچھے لوگ، اتنے پرخلوص رشتوں کے ساتھ رہنا بھی بڑے نصیبوں کی بات ہے ورنہ تو ڈراموں، فلموں سے ہٹ کر بھی حقیقی

زندگیوں میں بھی کہیں اگر کوئی لڑکی بیوہ یا مطلقہ ہوکر میکے آتی ہے تو بھاوجوں کا رویہ ایسی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بہت ہتک آمیز ہوتا، قدم قدم پر ان لوگوں کو یہ احساس دلایا جاتا کہ وہ لوگ گھر والوں پر بوجھ ہیں۔ کاظمہ سجدۂ شکر بجالاتیں کہ وہ ایسے گھر میں تھیں جہاں عزت، تحفظ محبت سب کچھ میسر تھا۔

"وسیم احمد، ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم باقی باتیں کل کرلیں۔ اس وقت نسیم اور اسماء کو آرام کی ضرورت ہے وہ لوگ آرام کرلیں تو بہتر ہوگا۔" منیرہ بیگم نے شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں منیرہ، یہ بات آج اور ابھی ہوجائے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں اس حالت اور اس طرح کے ماحول میں نہ تو نسیم اور اسماء سکون سے رہ پائیں گے اور نہ ہی بچے...... بچے بھی بے چین اور مضطرب رہیں گے پارسہ بھی ذہنی اذیت کا شکار رہی گی مناسب یہی ہے کہ ابھی بات ہوجائے...... مثبت انداز میں اس معاملے کو ختم ہوجانا چاہیے۔ ایک بار پھر کہوں گا نسیم......" پہلے بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے نسیم احمد کی طرف دیکھا نسیم احمد نے کہا۔

"اپنی مرضی اور پسند کا جائز حق پارسہ استعمال کررہی ہے اس لیے اپنا دل بڑا کرکے بات کرنا کیونکہ زمانہ بہت بدل چکا ہے...... یہ ہمارا والا زمانہ نہیں ہے، آج کل کے بچے بہت بدتمیز اور منہ پھٹ ہوگئے ہیں پھر بھی الحمدللہ ہمارے بچے بہت فرماں بردار اور نیک ہیں ورنہ خدانخواستہ غلط راستہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے...... اگر پارسہ کی شادی خاندان سے باہر ہوجائے تو یہ کوئی طوفان کھڑا ہونے کی بات نہیں، کوئی اچنبھا نہیں اور جہاں تک بات ہے زیان کی تو تمہاری بھابی نے زیان سے بھی بات کرلی ہے...... وہ بھی بالکل مطمئن ہے، اسے بھی کوئی اعتراض نہیں، ہمیں بھی کوئی اعتراض، کوئی گلہ یا کسی قسم کی کوئی رنجش نہیں ہے۔ ہمارے رشتے، ہمارے تعلقات پر کوئی فرق نہیں آئے گا...... سب کچھ اسی طرح سے ہوگا جیسے چل رہا ہے۔ اپنے دل میں کوئی وسوسہ اور پریشانی مت رکھنا تم دونوں میاں بیوی بالکل ریلیکس ہوکر سب کچھ کرنا۔" ایک بار پھر وسیم احمد نے نرم خوئی سے اپنا موقف بیان کیا تو نسیم احمد اور اسماء بیگم اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے دونوں کے چہروں پر شکر کا احساس تھا۔

کچھ دیر بعد ہی گھر کے سب سے بڑے کمرے میں جو کہ لاؤنج تھا سارے افراد وہیں جمع تھے۔ لاؤنج میں ایک جانب تخت بچھا تھا جس پر سارے بڑے بیٹھے تھے جبکہ نیچے فل کارپٹ تھا دیواروں سے فلور کشن اور گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ وہاں پر ایک ایک کرکے سارے بچے آکر بیٹھتے گئے۔ پارسہ سب سے آخر میں آئی۔ اس وقت اس کی حالت غیر ہورہی تھی۔ وہ انجان تھی وہ کیا بلکہ گھر کے سارے بچے ہی انجان بے خبر تھے کہ ان لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے، سب ہی کی ایک ہی سوچ تھی کہ آج پارسہ کی خیر نہیں...... اسماء بیگم نے تو اسے بری طرح پیٹا تھا۔ اب یقین تھا کہ نسیم احمد اس کو بے بھاؤ کی سنائیں گے۔ اس کے کالج جانے پر پابندی بھی لگ سکتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی برے قسم کا برتاؤ کیا جاسکتا ہے اور...... اور سب پارسہ سے نالاں اور ناراض بھی تھے۔ اس وقت پارسہ خود کو بے بس ہونے کے ساتھ ساتھ مجرم بھی محسوس کررہی تھی، سر پر دوپٹہ اوڑھے سر جھکائے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملتے ہوئے بے بسی سے ہونٹ کاٹتی ہوئی لرزتی ٹانگوں اور بھیگی آنکھوں سے وہ مجرم کی طرح سب کے سامنے کھڑی تھی...... اس کا ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے، اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سب کی نظروں میں اس کے لیے حقارت اور نفرت ہے، ندامت سے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ خود کو کسی سے نگاہ ملانے کے قابل بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔

"پارسہ بیٹی یہاں آؤ۔" دروازے میں کھڑی پارسہ تایا ابو کی آواز پر تھوڑا سا چونکی، اس نے قدم اٹھانے چاہے لگ رہا تھا آگے بڑھ نہ پائے گی۔ پیروں سے جیسے جان نکل رہی تھی، ٹانگیں لرز رہی تھیں، وسیم احمد کی نرم اور محبت کی

چاشنی میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر بے اختیار اس کا دل بھر آیا، اتنے پیارے لوگوں کے درمیان رہ کر وہ بغاوت کرنے چلی ہے، یہ ساری محبتیں کھودے گی، بہ مشکل نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا تائی امی کا مشفق چہرہ، کاظمہ پھوپو کا محبت اور خلوص میں ڈوبا ہوا وجود، تایا ابو کا شفیق انداز بس...... ابو جی کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی، اس کا دل چاہا دوڑ کر تایا ابو سے لپٹ جائے، اپنی غلطی کی معافی مانگ لے، بے شک بہزاد اس کی محبت ہے، چاہت ہے لیکن یہ گھر اور گھر والے ان کے بغیر کیسے رہے گی وہ...... اس کا دل چاہا کہہ دے کہ تایا ابو...... ابو جی مجھے کہیں نہیں جانا...... یہیں رہنا ہے آپ سب کے ساتھ اسی گھر میں، ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بیاہ کر جانا ہے، دل بری طرح دھڑک رہا تھا، اس کے لب کہہ کیا رہے تھے وہ ان سب کو کھونا نہیں چاہتی تھی وہ دور نہیں جانا چاہتی تھی۔

"پارسہ بیٹی...... گھبراؤ نہیں یہاں اپنے تایا ابو کے پاس بیٹھو اور تسلی سے بات کرو۔" کاظمہ نے آ کر اس کا بازو تھاما، ان کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا، کاظمہ کے ہاتھ کے لمس سے اس کے اندر جیسے توانائی سی آ گئی، دھیما لہجہ، پیار بھرا انداز اسے ہمت دے رہا تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھی اور وسیم احمد کے سامنے رکھی کرسی پر ٹک گئی، کاظمہ نے پانی کا گلاس بڑھایا۔

"یہ لو پانی پی لو۔" ہاتھ آگے بڑھا کر گلاس ہاتھ میں لے کر دو گھونٹ پانی حلق سے اتارے۔

"پارسہ...... جو ہم نے تمہاری تائی امی اور تمہاری امی سے سنا ہے کیا وہ سچ ہے؟ اور اگر سچ ہے تو وہ کون ہے، کس خاندان سے ہے، کہاں رہتا ہے اور یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟ بغیر پریشان ہوئے یا ڈرے سب کچھ سچ سچ اور آرام سے بتاؤ۔" وسیم احمد نے کہا، پارسہ نے سوکھے لبوں پر زبان پھیر کر چاروں طرف دیکھا اور پہلو بدلا، ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھی، اس کے اندر خود اعتمادی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کس طرح سے بات شروع کرے، کیسے اپنے منہ سے ساری بات کہے؟ فطری حیا اور شرم مانع تھی۔

"پارسہ بیٹی، ہم سب تمہارے اپنے ہیں...... تمہارے دشمن نہیں نہ ہی ہمیں زبردستی کرنی ہے لیکن جب تک ہم مطمئن نہیں ہو جاتے ظاہر ہے بات آگے نہیں بڑھ سکتی، تم نے اپنی خواہش ظاہر کی ہے، آگے ہماری مرضی بھی شامل ہوگی، تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی لیکن اس صورت میں بات آگے بڑھ سکتی ہے جب اپنے منہ سے ساری بات کرو...... اس وقت یہاں پر کوئی غیر نہیں، کسی سے کوئی بات چھپانے والی نہیں، ہر بات صاف ہونی چاہیے۔" منیرہ بیگم نے بھی بات آگے بڑھائی جبکہ نسیم احمد، اسماء بیگم اور کاظمہ بدستور چپ تھے۔

"تائی امی، بہزاد میری دوست اریشہ کا کزن ہے، وہیں پر ان سے ملاقات ہوئی...... وہ اکثر وہاں آتے ہیں، کبھی کبھی کالج بھی آ جاتے تھے اریشہ کو لینے کے لیے انہوں نے مجھے پرپوز کیا تب میں بھی آہستہ آہستہ ان کے لیے سنجیدہ ہوگئی۔"

"کیوں...... کیوں، تم سنجیدہ ہوئیں؟ تمہیں پتا نہیں تھا کہ تم منگنی شدہ ہو...... ہمارے ہاں لڑکیاں خاندان سے باہر نہیں جاتیں۔" اسماء بیگم سے رہا نہ گیا تب ہی بیچ میں بول پڑیں ان کے لہجے میں سرزنش اور کڑواہٹ تھی۔

"سوری اماں پتا نہیں کیسے...... میں انکار نہیں کر سکی۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"اسماء بھابی پلیز تھوڑا صبر کرلو۔" اس بار کاظمہ نے اسماء بیگم کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

اریشہ پارسہ کی اچھی دوست تھی، وہ واحد لڑکی تھی جس سے پارسہ بہت قریب تھی۔ فیملی میں بیوہ ماں اور وہ خود تھی، والد کا انتقال اریشہ کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا، سرکاری ملازم تھے اس لیے انتقال کے بعد خاصی رقم ملی تھی کچھ پنشن بھی تھی جس سے ماں بیٹی کا اچھا گزارا ہو جاتا تھا اس کے حالات سن کر پارسہ کو اس سے ہمدردی بھی ہوگئی تھی۔ پارسہ اس کے گھر بھی آتی جاتی تھی۔ بہزاد اریشہ کے دور کا رشتے دار تھا وہ اپنی فیملی کے ساتھ دوسرے شہر میں رہتا تھا۔ کچھ ماہ پہلے اریشہ کی اچانک شادی طے ہوگئی تو اس دوران

گھر والوں کی اجازت سے پارسہ نے کافی وقت اریشہ کے گھر میں گزارا تھا، شادی میں شرکت کے سلسلے میں بہزاد بھی اپنی فیملی کے ساتھ کوئٹہ سے آیا ہوا تھا۔ اسی دوران پارسہ اور بہزاد ایک دوسرے کے کافی قریب آ گئے تھے۔ اس پہلی ملاقات میں بہزاد نے اسے جب گلاب کا پھول پیش کیا تو وہ پیار کا پہلا تحفہ پا کر سرشار ہوگئی۔ شادی خیر سے انجام پائی، ساتھ ہی پارسہ اور بہزاد کی پسند آگے بڑھ کر محبت تک جا پہنچی اریشہ کا شوہر شادی کے بعد دوبئی واپس چلا گیا تو اریشہ نے کالج جانا شروع کردیا۔ بہزاد نے کوشش کرکے اپنا ٹرانسفر کراچی کرالیا تھا بقول بہزاد کے پارسہ سے دور نہیں رہ سکتا، پارسہ پہلے پہل تو گھر اور رشتے کو لے کر تھوڑی سی پریشان رہی پھر بہزاد کے ہمت دلانے اور ساتھ دینے کے وعدے پر اس نے بھی وعدہ کرلیا...... ادھر بہزاد کی والدہ نے پارسہ کو اریشہ کی شادی میں دیکھا تھا، اس لیے بقول بہزاد کے امی شادی کے لیے تیار ہیں جبکہ والد شادی پر آئے نہیں تھے اور دو شادی شدہ بہنیں بھی نہیں آسکیں، ایک بہن کے ہاں اسی دوران بیٹی کی پیدائش ہوئی تھی جبکہ دوسری بہن جو کہ شادی کے آٹھ سال بعد اولاد کی نعمت سے محروم تھیں اس کے سسرال میں بھی کسی کی شادی تھی اس لیے وہ بھی شریک نہ ہوسکی...... چپکے چپکے یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اریشہ کو بھی خبر نہ ہوئی..... اریشہ بھی کچھ عرصے بعد شوہر کے پاس دوبئی چلی گئی بہزاد کبھی کبھی کالج بھی آجاتا مگر مستقل رابطے میں رہتا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا اس دوران اریشہ نے کئی بار بہزاد کی بہنوں نوین اور افشین سے بھی فون پر بات کی پارسہ نے کہہ دیا تھا کہ وہ پہلے اپنی فیملی کو منائے گی اس دوران گریجویشن بھی ہوجائے گا۔ تب شادی کے حوالے سے بات ہوگی، شادی کی جلدی بہزاد کو بھی نہیں تھی شاید معاملہ اسی طرح چلتا رہتا اگر گھر میں پارسہ اور زیان کی منگنی کا شور نہ اٹھتا۔ پارسہ نے بتایا تھا کہ بہزاد کسی میڈیسن کمپنی میں معقول جاب کرتا ہے۔ فی الحال اکیلا فلیٹ میں رہتا ہے لیکن شادی کے وقت اس کی فیملی جس میں صرف والدین ہی تھے کراچی آجائیں گے، باقی دو شادی شدہ بہنیں بھی دوسرے شہروں میں رہتی ہیں، آفس کی طرف سے گاڑی ملی ہوئی تھی، بظاہر اچھی صورت شکل اور پرکشش جاب کا حامل تھا گو کہ ساری باتیں بتاتے ہوئے پارسہ کی گھبراہٹ قدرے کم ہوگئی تھی...... وسیم احمد، منیرہ بیگم اور کاظمہ کا رویہ تو بہت نرم تھا جبکہ نسیم احمد اور اسماء بیگم کے چہروں پر کرختگی صاف ظاہر ہورہی تھی۔

"ٹھیک ہے...... اس لڑکے سے کہو وہ اپنے والدین کو لے کر آئے پھر ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔" وسیم احمد نے پارسہ کے چپ ہوجانے پر کہا۔

"جی تایا ابو۔" پارسہ آہستگی سے بولی۔

"بہتر یہ ہے کہ اب بات آپس کی بجائے بڑوں کے درمیان ہو۔" منیرہ بیگم نے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل، ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بھابی۔" پہلی بار اسماء بیگم نے زبان کھولی لیکن لہجہ سپاٹ ہی رہا تھا۔

"جی۔" پارسہ نے بس اتنا ہی کہا۔

"جتنی جلد ہوسکے یہ بات ہوجانی چاہیے۔" اتنی لمبی چوڑی گفتگو میں پہلی بار نسیم احمد کی بھاری اور تیکھی آواز گونجی۔ پارسہ نے کوشش کی کہ نگاہ اٹھا کر ایک بار والدین کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کرے لیکن وہ ابھی اس کوشش میں ناکام رہی۔

"جی ابو۔" پارسہ نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"پہلے ہم لڑکے اور اس کے والدین سے مل لیں اس کے بعد مزید آگے بات ہوگی...... تب تک آپس کے تعلقات میں کسی قسم کی رنجش یا بدنظمی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ میرا حکم ہے۔" وسیم احمد نے اٹھتے ہوئے گویا آخری جملہ کہا۔

"پارسہ بیٹی، تم اپنے کمرے میں جاؤ اور پہلی فرصت میں ہمارا رابطہ ان لوگوں سے کرواؤ۔" وسیم احمد نے کمرے سے نکلتے ہوئے پارسہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو پارسہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی اور تایا کے پیچھے وہ بھی کمرے

سے نکل گئی۔ پیچھے نسیم احمد اور اسماء بیگم بھی اٹھ کر باہر کی طرف چل دیئے۔ اب کمرے میں انابیہ، علوینہ، ریان اور حارث بچ گئے ساتھ کاظمہ اور منیرہ بیگم بھی۔

"دیکھو بچو، تم لوگوں کی اس وقت کیا کیفیت ہے، ہم اچھی طرح سے سمجھتے ہیں مگر یہ کوئی انہونی نہیں ہے جو پارسہ نے کیا، آج کے دور میں عام سی بات ہے بے شک ہم سب کے لیے عجیب وغریب یقینی ضرور ہے لیکن ایسی بات بھی نہیں کہ یہ بہت ہی غلط یا انوکھی بات ہونے جارہی ہے اس لیے تم لوگ پارسہ کے ساتھ امتیازی سلوک روا مت رکھنا..... آپس کے تعلقات میں کوئی دراڑ نہیں آنی چاہیے، سب لوگ یہ بات کان کھول کر سن لو گھر کا ماحول قطعی مکدر نہ ہو۔" سب کے جانے کے بعد کاظمہ نے بچوں کو مخاطب کرکے تنبیہہ والے انداز میں کہا۔

"جی پھوپھو ٹھیک ہے۔" سب نے کہا۔

"گڈ۔" منیرہ بیگم مسکرائیں اور یہ محفل برخاست ہوئی۔ سوائے نسیم احمد اور اسماء بیگم کے باقی تمام افراد کا رویہ پارسہ سے نارمل ہو گیا تھا شاید کسی کو بھی امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی یہ معاملہ طے پا جائے گا۔

دو دن بعد ہی پارسہ نے انابیہ کو بتایا کہ بہزاد کے والدین دو دن بعد آرہے ہیں، ساتھ ہی بہزاد اور اس کی والدہ کا سیل نمبر بھی انابیہ کو دے دیا کہ آگے اماں، تائی امی خود ہی بات کرلیں گھر میں تھوڑی سی ہلچل ضرور ہوئی تھی یہ ایک فطری بات ہے بلکہ ہمارے معاشرے میں خاص طور پر جب کسی لڑکی کے گھر رشتے کے حوالے سے لڑکے والے آتے ہیں گھر میں خاصی ہلچل مچ جاتی ہے۔ گھر کے کونے کونے کی صفائی ہوتی ہے۔ سلیقہ اور رکھ رکھاؤ کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ اچھے برتن اور پرتکلف لوازمات میں گھر کی تیاری ہوئی اشیاء خاص طور پر قابل توجہ ہوتی ہیں اس سے لڑکی کی گھرداری کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ گو کہ یہ خاندان اس طرح کی رسمی کارروائیوں سے اب تک محفوظ ہی رہا تھا کیونکہ خاندان میں سب ایک دوسرے سے واقف تھے۔ اس بار رشتے والے باہر سے آرہے تھے اس لیے کاظمہ کی نگرانی میں خصوصی صفائیاں اور منیرہ بیگم اور اسماء بیگم کچن میں مصروف عمل تھیں گو کہ اسماء بیگم پارسہ سے ڈھنگ سے بات چیت نہیں کررہی تھیں اور بدستور غصہ تھیں۔

❁.......❁.......❁.......❁

اتوار کے دن وہ لوگ آرہے تھے اچھا تھا کہ آج وسیم احمد، نسیم احمد گھر پر تھے، ریان اور حارث بھی گھر پر ہی تھے۔ زیان کو کام کے سلسلے میں مزید دو دن اور رکنا پڑا تھا۔ شام چھ بجے کا وقت تھا ان لوگوں کو آتے آتے آٹھ بج گئے، بہزاد کے والدین ماڈرن طرز کے حامل اور سنجیدہ تھے۔ کامل صاحب ریٹائر گورنمنٹ آفیسر تھے جبکہ والدہ گھریلو خاتون تھیں۔ بہزاد دیکھنے میں اسمارٹ اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ ویسے تو یہ لوگ قطعی انجانے تھے مگر انسان کی گفتگو، رکھ رکھاؤ خاص طور پر لباس کے سلیقے سے اس کی خاندانی حیثیت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ بہ ظاہر کوئی چیز ناقابل قبول نہ تھی، کامل صاحب نے اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ البتہ بہزاد کی والدہ کی بات چیت سے کہیں کہیں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ صرف بیٹے کی پسند کی وجہ سے یہاں آئی ہیں، یہ بات حقیقت میں تھی یا اسماء بیگم نے یہ محسوس کیا تھا، بہرحال بڑے اچھے انداز سے مردانہ گفتگو ہوئی، مثبت انداز میں یہ ملاقات ختم ہوئی اور بہزاد کی ایک بہن کا سسرال کراچی میں تھا اور دوسری بہن نے بھی آنے کا پروگرام بنالیا تاکہ گھر آکر پارسہ کو دیکھ لیں، جبکہ بہزاد کے والدین کا ارادہ بھی کراچی شفٹ ہونے کا تھا۔ بہزاد کے والدین سے مل کر ان لوگوں کے تمام تر خدشات دور ہو گئے تھے..... وسیم احمد اور منیرہ بیگم خاصے جہاندیدہ تھے انہوں نے بہت نپی تلی اور جامع گفتگو کی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے پارسہ کے سگے ماں باپ ہوں..... وہ لوگ چلے گئے تو آپس میں ایک بار پھر محفل جمی، سب کی ہی مثبت رائے تھی۔ اسی رات بہزاد کی دونوں بہنوں کی کال بھی اسماء بیگم کے پاس آئی بہت اچھی طرح سے بات کی، ساتھ ہی پارسہ سے بھی بات کی

یعنی وہ لوگ بہ ظاہر خوش تھے۔ سب کا یہی اندازہ تھا لیکن اتنا سب کچھ ہونے پر بھی سب کا دل زیان کے لیے بھی دکھی تھا۔ حالانکہ گھر میں دونوں کے درمیان ایسی باتیں نہیں ہوئی تھیں...... آپس میں پیار محبت جتاتے نہیں تھے، جس طرح رشتے طے ہونے کے بعد ایک دوسرے سے حق جمایا جاتا ہے ایسا کچھ نہیں ہوا تھا...... عہد و پیما، وعدہ وعید اور چاندنی کی راتوں میں ایک ساتھ بیٹھ کر مستقبل کے سہانے سپنے نہیں دیکھے تھے، کبھی سمندر کے کنارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چہل قدمی نہیں کی تھی، بس ایک بات سب کے ذہنوں میں تھی جسے باقاعدہ کسی رسم کے ذریعے اعلان کرنا تھا مگر انسیت تو ہو جاتی ہے ایک ساتھ رہتے ہوئے، آپس میں نزدیکیاں بڑھ جاتی ہیں، حالانکہ پارسہ بہت کم بات کرتی تھی اور زیان بھی سنجیدہ اور کم گو تھا۔ بہر حال رشتے زبردستی کی بنیاد پر قائم نہیں کیے جاسکتے۔ باہمی رضامندی اور پسند بھی ضروری ہے۔

انشین جو کہ بڑی بہن تھی شادی کے نو سال بعد اس کے گھر خوش خبری آنے والی تھی اس لیے فی الحال اس کا آنا ناممکن تھا۔ ویسے بھی آج کل تو اتنا ترقی پسند دور ہے کہ انشین نے ویڈیو کال پر بات کرلی تھی، کامل صاحب اور ان کی بیگم واپس چلے گئے تا کہ یہاں شفٹ ہونے کی تیاری شروع کرسکیں۔ یہاں بہزاد کی بہترین نوکری تھی اور ساری سہولیات موجود تھیں، اب کامل صاحب بھی بوڑھے ہو گئے تھے ان کو بھی بہزاد کے ساتھ کی ضرورت تھی۔ شادی کا ابھی کوئی تذکرہ نہ تھا۔

تین دن بعد زیان بھی آ گیا خلاف توقع ہنستا، مسکراتا اور ایک دم فریش، انابیہ نے غور سے اسے دیکھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ تائی امی نے سب کچھ زیان کو بتا دیا ہے، پارسہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔ دل کے کسی گوشے میں ندامت و شرمندگی کا معمولی سہی مگر عنصر موجود تھا۔ شام کا وقت تھا حسب معمول عصر کے بعد سب لوگ بڑے سے صحن میں کھلے آسمان تلے جمع ہو کر شام کی چائے پی رہے تھے، گھر والوں کے مناسب رویئے کی وجہ سے پارسہ بھی کسی حد تک نارمل ہو چکی تھی۔ اماں اور ابو اس سے مکمل راضی نہ تھے، چپ چپ اور لیے دیئے سے تھے، جس بات کا اسے قلق تھا۔

''السلام علیکم!'' اچانک ہی زیان آ گیا تھا۔

''ارے واہ...... وعلیکم السلام! تم کب آئے، اچانک سے تم آ گئے؟'' سب نے مختلف سوال کیے۔

''جی ابو، کام ختم ہوتے ہی آ گیا...... کہاں رہا جاتا ہے گھر کے علاوہ کہیں اور...... آپ سب کیسے ہیں؟'' زیان نے جواب دے کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ پارسہ پر بھی اچٹتی نظر ڈالی۔ پارسہ جو نظریں جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔

''الحمدللہ تم کیسے ہو؟'' منیرہ بیگم نے بہ غور بیٹے کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے نگاہوں سے کھوجنے کی کوشش کی۔

''ایک دم فائن۔'' وہ مسکرایا۔

''زیان بھائی فریش ہو کر آ جائیں تو آپ کے لیے چائے اور کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' انابیہ نے بھی غور سے زیان کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''او کے...... ابھی آیا۔'' وہ اندر کی طرف مڑا تو لیان نے اس کا بیگ اٹھالیا اور اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

اسماء بیگم اور نسیم احمد بھی ایک لمحے کے لیے گڑبڑائے تھے۔ دونوں کو یہی فکر تھی کہ نہ جانے زیان کا کیا ردعمل ہو مگر زیان کو فریش اور مطمئن دیکھ کر قدرے سکون تو ہوا پھر بھی نسیم احمد نے ایک بار زیان سے خود بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے دل میں کھٹکا ضرور تھا کہ شاید زیان کو اس فیصلے سے کوئی دھچکا لگا ہو، ہوسکتا ہے وہ اس وجہ سے اپ سیٹ ہو۔ رات کے کھانے کے بعد حسب معمول چائے پینے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو نسیم احمد زیان کے کمرے کی طرف بڑھے۔

''جی جی آیئے چاچو...... خیریت؟'' دروازے پر ہلکا سا ناک کر کے کھنکارے، زیان جو ابھی واش روم سے نکلا تھا بے وقت نسیم احمد کو دیکھ کر حیرت سے بولا۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی...... سوچا یہی وقت مناسب ہے۔" نسیم احمد نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"جی جی آیئے بیٹھیے۔" زیان نے ایک طرف میں ہو کر بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو نسیم احمد بیڈ پر بیٹھ گئے تب ہی اسماء بیگم بھی آگئیں۔

"آیئے چاچی۔" زیان نے کہا تو وہ بھی آگے بڑھ کر میاں کے برابر میں بیٹھ گئیں، زیان سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا اور بہ غور چاچا اور چچی کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں ہی تذبذب کا شکار تھے کچھ لمحوں کی تاخیر کے بعد نسیم احمد بولے۔

"زیان، تمہیں پتا ہے ناں کہ پارسہ کا پرپوزل آیا ہے اور پارسہ بھی اس میں انٹرسٹڈ ہے۔"

"جی...... اماں نے مجھے سب کچھ بتادیا ہے چاچو۔" زیان کی بات پر اسماء بیگم نے گہری نظر سے اسے دیکھا۔ نارمل چہرہ سادہ انداز۔

"مطلب تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟" نسیم احمد نے پوچھا۔

"دیکھو بیٹا...... یہ بات تو سب کو ہی معلوم ہے کہ ہم نے تمہاری اور پارسہ کی شادی کے بارے میں سوچ رکھا تھا یقیناً اب یہ خبر تمہارے لیے چونکا دینے والی ہوگی، ہو بھی سکتا ہے کہ اس بات سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو۔ ہم نے تو خواب میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ہماری بیٹی اور اس گھر کی بیٹی ایسی حرکت بھی کرسکتی ہے۔ ہمیں اس بات کا دلی افسوس ہے، بہت شرمندہ ہیں ہم لوگ اور شاید مجھ کو اکیلے فیصلہ کرنا ہوتا تو شاید...... شاید میں کبھی بھی پارسہ کی بات نہیں ماننا چاہے وہ ساری عمر اسی دہلیز پر بیٹھی رہتی، کسی اور کے ساتھ رخصت کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا مگر بھائی اور بھابی نے جس طرح سے فراخدلی کا مظاہرہ کیا اللہ کی قسم میں مر کر بھی اس کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔" نسیم احمد شدت جذبات سے مغلوب ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"چاچو پلیز......" زیان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو کرسی سے اٹھ کر قریب ان کے آیا اور کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"زیان...... میں نے ابھی پارسہ کے لیے کوئی فیصلہ ذاتی طور پر نہیں کیا کیونکہ مجھے تم سے خود ہی بات کرنی تھی۔" نسیم احمد نے سوالیہ نظروں سے بھتیجے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"زیان...... ہم میاں بیوی بہت اذیت میں ہیں جیسے کہ کوئی جرم کرنے جارہے ہوں...... نہ جانے کیوں دل بے چین ہے جیسے کوئی فیصلہ نہیں کر پارہے اور ہم اپنی کیفیت شاید الفاظ میں بیان نہیں کرسکتے۔" اس بار اسماء بیگم بھی دلگرفتہ لہجے میں بولیں۔

چاچی جان...... چاچو پلیز...... اس طرح کی باتیں کرکے مجھے شرمندہ نہ کریں، سچ پوچھیں تو پارسہ کے اس قدام سے میں بالکل بھی ہرٹ نہیں ہوا...... انسیت اور لگاؤ اپنی جگہ لیکن ایسا قطعی نہیں کہ اس کے اس فیصلے سے میں دل برداشتہ ہوں یا اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں...... میں سوچ بھی نہیں سکتا...... بیشک ہمارے یہاں رشتے خاندان میں ہوتے ہیں لیکن یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں، ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ زبردستی ہوئی ناں، چاہے آپس میں انڈراسٹینڈنگ ہو نہ ہو، دل میں نرم گوشہ ہو یا نہ ہو محبت ہو یا نہ ہو بس روایات اور رسم نبھانے کے لیے شادی کرلی جائے اور ساری عمر ناپسندیدہ ہستی کے ساتھ زندگی گزار دی جائے۔ صرف خاندانی رشتے نبھانے کے لیے سب کے سامنے ایک دوسرے پر محبتیں نثار کرتے کرتے ساری عمر دوہری زندگی گزار کر مر جانے سے بہتر ہے کہ انسان اپنی مرضی اور پسند سے زندگی گزارے...... بعض اوقات ہم خاندانی روایات اور اپنے رشتے بچانے کے لیے اپنی اولاد پر شاید ظلم کرجاتے ہیں جبکہ اپنی مرضی اور پسند کا حق تو ہمیں شرعاً بھی حاصل ہے پھر یہ سب تو ویسے ہی ناجائز ہوتا ہے چاچو...... آپ یقین کریں مجھے پارسہ کے اس فیصلے پر کوئی اعتراض، کوئی غصہ یا میں اس فیصلے سے قطعی دل برداشتہ نہیں ہوں، اس لیے اپنے دل

میں کسی قسم کی کوئی کسک نہ رکھیں..... شرمندگی کی بات کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں اور بالکل مطمئن ہو جائیں، خوشی خوشی پارسہ کی شادی کی تیاری کریں..... پارسہ میری کزن بھی ہے اور میں اسی بات پر خوش اور مطمئن ہوں کہ میری وجہ سے اسے زبردستی شادی نہیں کرنی بلکہ وہ اپنا حق استعمال کر رہی ہے اور یہ اس کا شرعی حق ہے۔ اپنے دلوں پر آپ دونوں بالکل بوجھ نہ رکھیں جیسے اماں اور ابا کی طرف سے مطمئن ہو گئے اسی طرح میری طرف سے بھی بالکل مطمئن ہو کر باقاعدہ رشتہ پکا کر کے فائنل کر دیں۔" زیان نے دلائل اور دھیمے لہجے میں سمجھایا۔ اس کے ایک ایک لفظ میں خلوص، محبت اور اعتماد تھا۔ نسیم احمد اور اسماء بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"خوش رہو بیٹا، تم نے ہمیں آج بہت ہلکا پھلکا کر دیا۔" نسیم احمد نے آگے بڑھ کر بھتیجے کو گلے لگا لیا اسماء بیگم نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے محبت بھری نظروں سے زیان کو دیکھا۔ نارمل انداز میں مسکراتا ہوا زیان بالکل مطمئن اور فریش لگ رہا تھا۔

بہ ظاہر سب کچھ نارمل ہو گیا تھا۔ انابیہ نے بھی اپنے طور پر زیان کو ٹٹولا تھا..... زیان نے اسے بھی مطمئن کر دیا تھا مگر انابیہ کو پتا تھا کہ زیان پارسہ کو بہت پسند کرتا ہے، جانے کیسے وہ سب کچھ برداشت کر رہا ہے۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی نہ جانے کیوں نسیم احمد اب بھی پارسہ سے کھنچے کھنچے سے ہی تھے، اپنے طور پر زیان سے بھی تسلی بخش گفتگو ہو گئی اور بہزاد کے بارے میں بھی معلومات کیں۔ اریشہ سے بھی بات ہوئی تب اس نے پارسہ کو بتایا کہ بہزاد کی بات پہلے اس کی والدہ نے کہیں اور چلائی تھی لیکن جلد ہی ختم ہو گئی۔ وہ بات باقاعدہ رشتہ طے ہونے تک نہیں پہنچی تھی۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی اس طرح تو لڑکیوں اور لڑکوں کے کئی جگہ رشتے دیکھے جاتے ہیں اور پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتے۔

❁.....❁.....❁.....❁

وقت کا پہیہ کچھ آگے بڑھا اس دوران زیان کی دونوں بہنیں بھی کراچی آ گئیں، والدین کراچی شفٹ ہو چکے تھے، وسیم احمد چاہتے تھے کہ جلد شادی کر دی جائے اس سلسلے میں گھر میں مشاورت ہوئی جس دن بہزاد کے گھر والوں کو بات کرنے کے لیے بلوایا اسی روز افشین باتھ روم میں پیر سلیپ ہونے سے گر گئی..... گری بھی بہت بری طرح سے تھی..... کامل صاحب اور بہزاد کی والدہ ہاسپٹل لے کر بھاگے لیکن اللہ کی طرف سے آزمائش تھی کہ شادی کے نو سال بعد ملنے والی خوش خبری غم میں بدل گئی، وہ لوگ جو اس نعمت پر خوشیاں منا رہے تھے اچانک ہی وہ خوشیاں خاک میں مل گئیں..... ڈاکٹر کے سامنے کوئی آپشن تھا ہی نہیں کیونکہ دواؤں یا احتیاط سے بھی حمل برقرار رہنے کے کوئی امکان نہیں تھا، نورین نے فون کر کے اسماء بیگم کو بتایا کہ وہ لوگ آج نہیں آ سکتے بلکہ جن حالات سے اس وقت وہ لوگ گزر رہے ہیں وہ بہت تکلیف دہ ہے۔ افشین کا رو رو کر صدمے سے برا حال تھا۔ سب لوگ ہی مغموم تھے۔ افشین کے شوہر کو بھی بتا دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے سب کے لیے ہی یہ خبر افسوس ناک تھی۔ اسماء بیگم، منیرہ بیگم اور کاظمہ بھی ہاسپٹل گئی تھیں۔ اپنے طور سے تسلی بھی دی، بہر حال ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ اللہ پاک اپنے ہر فیصلے پر قادر ہے وہ چاہے تو کسی کو اولاد جیسی نعمت سے مالا مال کر دے تو کسی کو تڑپنے، ترسنے کے باوجود بھی اس نعمت سے محروم رکھے تو کسی کو شادی کے کئی سال بعد یہ خوش خبری دے اور پھر واپس لے لے..... یہی تو قدرت اور آزمائش ہے..... یہ رب کے فیصلے ہیں وہی بہتر جانتا ہے۔ ہم انسانوں کے لیے اس کے ہر فیصلے پر سر جھکا کر اسی کی رضا سمجھ کر قبول کر لینا ہی بہتر ہے۔ وقت ایسا تھا کہ اس لمحے تو شادی کے حوالے سے کوئی بات کرنا بھی قطعی ناممکن تھا۔ اس دوران پارسہ، انابیہ اور علوینہ کے امتحانات بھی شروع ہو گئے تھے۔ حارث اور آیان بھی مصروف ہو گئے۔ اللہ اللہ کر کے امتحانات ختم ہوئے۔ ادھر افشین بھی سنبھل گئی۔ طبیعت کی وجہ سے وہ واپس نہیں گئی تھی..... اس دوران منیرہ بیگم، اسماء بیگم اور کاظمہ نے تین چار بار ہاسپٹل اور بہزاد کے گھر

کے چکر لگائے تھے۔ ایک بار پھر سے بچوں کے درمیان وہی ماحول بن گیا تھا۔ زیان تو ایسے بھی کم کم شامل ہوتا کیونکہ آفس کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں لیکن اب اس کی کوشش ہوتی کہ وہ اس ماحول کا حصہ بنے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ الگ رہنا چاہتا ہے۔

ایک بار پھر شادی کے حوالے سے باتیں ہونے لگیں۔ وسیم احمد نے کامل صاحب سے فون پر بات کی کہ وہ شادی کے فرض کی ادائیگی چاہتے ہیں۔ آپ لوگ آجائیں تو مل بیٹھ کر پروگرام طے کرلیں۔ کامل صاحب نے جلد آنے کی ہامی بھرلی دو ماہ پہلے بھی جس دن آنا تھا اس دن افشین کے ساتھ حادثہ ہوا تھا۔ ایک بار پھر تیاریاں ہونے لگیں یہاں پر سب کا مشترکہ ارادہ تھا کہ ربیع الاول کے آغاز کی کوئی تاریخ رکھی جائے اب بہزاد کے گھر والوں سے بات کرکے فائنل کرنا باقی تھا...... اسماء بیگم خاصی فکر مند تھیں کہ خیر سے یہ مرحلہ ہو جائے کوئی بدنظمی نہ ہو پچھلی بار کے تلخ تجربہ کی وجہ سے کافی خوف زدہ تھیں۔ منیرہ بیگم اور کاظمہ سمجھا رہی تھیں کہ خوامخواہ ہر بات کی ٹینشن مت لیا کرو...... اللہ پاک سب بہتر کرے گا، بہزاد کے والدین، والد کے بڑے بھائی بھاوج، والدہ کی ایک بہن بہنوئی، دونوں بیٹیاں، داماد آئے اور شادی کے حوالے سے ساری باتیں طے ہوئیں جس میں مہر، نکاح، جہیز، رسومات اور دیگر ضروری باتیں تھیں سب کچھ خوش اسلوبی سے طے پایا اور تین ماہ بعد کی تاریخ طے ہوگئی...... تیاریوں کے لیے وقت بہت کم تھا۔ سب سے بڑی فکر اسماء بیگم کو یہی تھی کہ رشتہ غیروں میں ہو رہا ہے نا جانے کون سے رواج، رسوم اور مطالبات ہو، پتا نہیں ہمارے رسم و رواج پسند آئیں یا نہیں ان کے خدشوں کو سن کر منیرہ بیگم بولیں۔

"افوہ اسماء تم پاگل ہی رہو گی...... بھلا یہ کون سی بات ہے جس کی ٹینشن لی جائے، ہم وہی کریں گے جو ہماری روایات ہیں، ہمارے گھرانوں میں برسہا برس سے جو چلا آرہا ہے وہی سب کریں گے۔" منیرہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"تو اور کیا چاچی...... ہم اپنے سارے ارمان نکالیں گے، سارا کچھ کریں گے جو ہمارے ہاں ہوتا ہے۔" علوینہ نے بھی اماں کی تائید میں کہا۔

"بالکل۔" انابیہ بھی بولی، اسماء بیگم سر ہلا کر رہ گئیں۔

پارسہ خوش تھی...... حارث، ریان، انابیہ، علوینہ اور زیان بھی بھرپور طریقے سے شادی کے کاموں میں حصہ لے رہے تھے، وقت کے ساتھ ساتھ نسیم احمد کے رویئے میں بھی لچک آگئی تھی۔ باپ تھے پھر بیٹی رخصت ہوکر گھر سے جانے والی تھی۔ گھر کے ماحول، سب کے رویئے نے ان کو بہت ہمت اور حوصلہ دیا تھا۔

"اس شادی میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے نسیم احمد...... یہ ہمارے گھر کی پہلی شادی ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ یادگار شادی ہو، اس شادی میں ہر شخص مشورہ دے سکتا ہے، اپنی خواہش بتا سکتا ہے، جس نے جو کرنا ہے یہ خوشی کرے، میری طرف سے اجازت ہے کہ کسی قسم کی کوئی کمی باقی نہ رہے۔ اپنے خاندانی رسم و رواج کے ساتھ بچیاں اور بچے اپنے طور سے انجوائے کر سکتے ہیں۔" وسیم احمد کی جانب سے کھلی آفر تھی اور سب لڑکے لڑکیاں نئے فیشن کے مطابق لباس کا انتخاب کرنے لگے۔ خواتین کی تیاری دلہن کی تیاری سے کسی طور پر کم نہ تھی گو کہ ابھی شادی میں دو ماہ تھے مگر بقول ان سب کے کہ وقت کے گزرنے کا پتا ہی کب چلتا ہے...... پارسہ کے فرنیچر، ہال، پارلر وغیرہ کی بکنگ ہو چکی تھی۔ سارے جوڑے تیار تھے۔ جہیز کی دیگر خریداری کرنے آج نسیم احمد، پارسہ، اسماء بیگم اور منیرہ بیگم مارکیٹ گئے ہوئے تھے، گھر میں انابیہ اور علوینہ مایوں کے کپڑے پر گوٹا ٹانک رہی تھیں تو کاظمہ مایوں میں مٹھائی دینے کے لیے مٹھائی کے ڈبے خود بنا رہی تھیں، برتن اور دیگر ضروری چیزوں کو بک کرکے نسیم احمد دکان سے مزدور کے ذریعے گاڑی میں رکھوا رہے تھے۔ شام کو کامل صاحب نے بہزاد کی والدہ کو گھر پر بلوایا کہ جہیز کے حوالے سے کچھ بات کرنی تھی اس لیے نسیم احمد جلد ہی گھر پہنچنا چاہ رہے تھے دکان دار نے سامان گاڑی میں رکھا...... اسماء

بیگم، پارسہ اور منیرہ بیگم گاڑی میں بیٹھنے لگے تب ہی اسماء بیگم کا فون بجنے لگا۔

"ہیلو...... السلام علیکم!" دوسری جانب اُشمین تھی۔

"جی بیٹا بولو...... خیریت؟ کب تک آ رہے ہیں بھائی صاحب اور بہنیں؟" اسماء بیگم نے کہا۔

"وہ...... آنٹی ابو کی طبیعت خراب ہے ابھی۔ بہزاد ہاسپٹل لے کر گیا ہے شاید آج نہ آسکیں۔ یہی بتانے کے لیے کال کی تھی۔"

"ارے خیریت...... کیا ہوا...... کون سے ہاسپٹل؟" اسماء بیگم نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

"کارڈک ہاسپٹل لے کر گئے ہیں۔" اُشمین نے عجلت میں جواب دے کر کال کاٹ دی۔ منیرہ بیگم، پارسہ اور نسیم احمد جو کہ اسماء بیگم کے پریشان چہرے اور لفظ "ہاسپٹل" کو سن کر پریشانی کے انداز میں اسماء بیگم کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے پوچھا۔

"بہزاد کے والد صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے اور وہ ہاسپٹل میں ہیں...... آج نہیں آسکتے اُشمین کی کال آئی تھی۔"

"الٰہی رحم، کون سے ہاسپٹل میں ہیں اور کیا طبیعت خراب ہے، زیادہ خراب تو نہیں؟" تینوں نے پریشانی کے عالم میں سوالات کیے۔

"کارڈک ہاسپٹل میں ہیں...... کافی پریشان تھی اُشمین اللہ پاک اپنا رحم و کرم فرمائے...... ہم چل کر سامان اور پارسہ کو چھوڑتے ہیں اور پھر ہاسپٹل چلتے ہیں کیوں بھابی؟" اسماء بیگم نے منیرہ بیگم کی جانب دیکھتے ہوئے نسیم احمد سے کہا۔

"ہاں بالکل، اللہ رحم فرمائے۔" منیرہ بیگم نے بھی پریشان کن لہجے میں کہتے ہوئے دیورانی کی ہاں میں ہاں ملائی، پارسہ بھی پریشان ہوگئی تھی، اسے کامل صاحب بہت اچھے لگے تھے۔ ماڈرن، سوبر اور شفیق بالکل تایا ابو کی طرح بات کرتے تھے۔

کامل صاحب کی طبیعت بہت زیادہ خراب تو نہیں تھی، ڈاکٹر کے مطابق معمولی سا اٹیک تھا جو فوری ہاسپٹل لانے سے کور ہو گیا تھا۔ بروقت ٹریٹمنٹ اور کچھ ہدایات دے کر چار گھنٹوں میں انہیں ہاسپٹل سے چھٹی بھی مل گئی تھی مگر ان کے گھر والوں کے لیے یہ وقت خاصا کٹھن بھی تھا، کامل صاحب کا کبھی کبھی بی پی ہائی ہو جاتا تھا، ویسے کوئی بیماری نہ تھی، بالکل فٹ فاٹ تھے ایسا پہلی بار ہوا تھا، اس لیے سب پریشان ہو گئے تھے جبکہ ڈاکٹر کے مطابق اس عمر میں اس طرح چھوٹے موٹے اثرات ہو ہی جاتے ہیں...... پارسہ نے بھی کال کر کے مزاج پرسی کی تھی ویسے تو شادی کی تاریخ طے تھی اور خدانخواستہ طبیعت ایسی بھی نہیں تھی شادی آگے بڑھائی جاتی...... اس لیے دو تین دن تھوڑی سی گہما گہمی کم رہی مگر پھر دوبارہ سے تیاریاں اسی زور شور سے شروع ہو گئیں...... ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے دن پر لگا کر اڑ رہے ہوں...... شادی کے حوالے سے کام بھی ہو رہے تھے اور پھر لگتا تھا اتنے ہی کام باقی ہیں، ان کے گھرانوں میں تیاریاں بھی ہٹ کر ہوتی تھیں جوں جوں شادی کے دن قریب آئے کامل صاحب کافی بہتر ہو گئے تھے۔

پارسہ کی شادی کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، رسم مایوں کے لیے پارسہ کا بنارسی ہرا فرشی غرارہ بنایا گیا تھا جس پر پیلی جارجٹ کی شرٹ اور بھاری ہرا دوپٹہ تھا، غرارے اور قمیص پر ملٹی کلر کے گوٹے کا کام تھا، دوپٹہ بھی گوٹے سے بھرا ہوا تھا جبکہ کناروں پر گولڈن رنگ کی لمبی کرن لگائی گئی تھی، یہ جوڑا کاظمہ نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا تو اسماء بیگم اور منیرہ بیگم نے انابیہ اور علوینہ کے جوڑے تیار کیے تھے ان دونوں نے بھی غرارے بنائے تھے اورنج اور ییلو امتزاج کے ساتھ بالوں میں میچنگ پراندے ڈالے گوٹے اور پرل کی جیولری کے ساتھ دونوں بچیاں خاصی پیاری لگ رہی تھیں۔

آج مایوں کی رسم تھی اور بہزاد کے گھر والے مہندی لے کر آنے والے تھے۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی خاندانی روایت اور رسم کے مطابق مایوں کی تیاریاں

ہورہی تھیں، سب کچھ گھر میں بھی تیار ہورہا تھا بقول وسیم احمد کے کہ کوئی کمی نہ ہو، دل کھول کر ارمان نکالے جائیں اور وہی ہورہا تھا، مغرب کی نماز کے بعد پارسہ کو پھولوں کے منڈپ پر لاکر بٹھادیا گیا تھا۔

"ماشاء اللہ" بے ساختہ سب کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

پارسہ بہت حسین لگ رہی تھی، منیرہ بیگم نے فوراً ہی اس کی نظر اتار کر صدقہ دیا۔ اسماء بیگم نے بھی اس پر آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کیا، مایوں کی رسم گھر والوں نے ادا کی مہمان بھی آرہے تھے، عشاء کے بعد بہزاد کے گھر والوں نے آنا تھا تب تک مایوں کی رسم ہوجاتی، مووی میکر بڑی پھرتی اور مہارت سے اپنا کام کررہا تھا وسیم احمد، نسیم احمد، منیرہ بیگم، اسماء بیگم، کاظمہ سب ہی رسم کرتے وقت افسردہ ہورہے تھے۔ بیٹی کو پال پوس کے اتنا بڑا کرکے کسی کے حوالے کردینا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہوتا...... ایسے وقت بیٹی کے والدین صبر کے جس امتحان سے گزر رہے ہوتے ہیں یہ صرف وہی جانتے ہیں...... ایک تو بیٹی کی جدائی اوپر سے اس کے اچھے اور نیک نصیب کے لیے دعائیں لحہ لحہ ان کے لبوں پر مچلتی رہتی ہیں۔ ماؤں کے دل میں طرح طرح کے خدشات، واہمات اور فکر ہوتی ہے نا جانے آنے والی زندگی میں بیٹی کو کن حالات سے گزرنا پڑے، سسرال والوں کا رویہ کیسا ہوگا؟ ڈر بیٹیوں سے نہیں لگتا بلکہ ڈر تو ان کے مقدر اور نصیب سے لگتا ہے...... فکر ہوتی ہے تو ان کے مستقبل کی، اللہ پاک ہر بیٹی کا نصیب بلند کرے، آباد رکھے اور ہر ماں کے دل کو ٹھنڈا اور پرسکون رکھے، آمین۔ اسماء بیگم یہی سوچ رہی تھیں۔

پارسہ بھی آج کئی بار چپکے چپکے روئی تھی۔ اسے بھی گھر چھوڑ کر جانے کا غم تھا، اپنوں سے جدائی کا سوچ کر بہت آزردہ تھی...... یہ گھر جہاں ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک امن اور محبت ہی دیکھی تھی۔ اسے اس جنت سے جانے کا دکھ تھا۔ ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوئے ایک ایک پل بیتا تھا۔ گزرے ماہ و سال خوب صورت یاد بن کر اس کے ذہن کے پردے پر براجمان تھے، عشاء کے بعد بہزاد کے گھر والے بھی آگئے، بہت اچھی بری آئی تھی۔ انہوں نے رسم ادا کی پھر پر تکلف کھانے کا اہتمام ہوا۔ ساتھ میں ہر مہمان خاتون کو ایک ایک چاندی کی انگوٹھی اور گھر کی بنی ہوئی مٹھائیاں تقسیم کی گئیں، رات گئے یہ تقریب اختتام کو پہنچی، مہمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹے تو ابٹن کھیلنے کی رسم شروع ہوگئی۔ طوفان بدتمیزی مچانا شروع کردیا، ابٹن ایک دوسرے کو پھینک پھینک کر ماری گئی۔ منہ پر ملی گئی، کپڑوں کے ساتھ ساتھ گھر کا حشر بھی دیکھنے والا تھا۔ زیان نے پارسہ کو ابٹن لگائی، پارسہ اس حملے کے لیے تیار نہ تھی...... اس کی بوکھلاہٹ پر زیان قہقہہ لگا کر ہنس دیا...... زندگی سے بھرپور قہقہہ، ساتھ ہی پارسہ کو بھی جوش آگیا اس نے جوابی کارروائی کی اور زیان کے چہرے پر ابٹن کا گولہ بنا کر دور سے دے مارا ادھر انابیہ اور علوینہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے تھے تو حارث اور ایان بھی پارسہ اور زیان کی طرف آگئے خوب گندگی اور خوب دھما چوکڑی مچی ہوئی تھی۔ گھر کے بڑے ایک طرف بیٹھے بچوں کے شور کو انجوائے کررہے تھے۔

"ارے بھئی اب بس بھی کردو...... چائے پلانے کا پروگرام ہے کہ نہیں؟" آخر کار انتظار کرکے وسیم احمد بول پڑے ساتھ ہی گھڑی پر نظر ڈالی، اس دھما چوکڑی میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا کہ رات کے ساڑھے تین بج چکے تھے۔

"ہاں بھئی، چلو اب قصہ ختم کرو بہت ہوگیا۔" علوینہ نے بھی ہار مان لی۔

"جی تایا ابو ابھی نہا کر چائے بناتی ہوں۔" انابیہ نے جواباً کہا اور سب بچے واش رومز کی طرف چلے گئے۔ پارسہ بھی اپنے کمرے میں آگئی تاکہ نہا کر کپڑے چینج کرلے، پارسہ زیان کو دیکھ کر خاصی مطمئن ہوگئی تھی کیونکہ اسے بھی کہیں نہ کہیں یہ خیال ضرور تھا کہ زیان کہیں اداس تو نہیں، شکر الحمدللہ گھر کی ایک تقریب روایتی جوش و خروش اور اہتمام کے ساتھ اختتام پذیر ہوگئی تھی، درمیان میں دو دن کا وقفہ تھا پھر شادی کا دن آجانا تھا۔

دوسرے دن رت جگے کا اہتمام تھا جس میں کاظمہ اور علوینہ نے مل کر رات کو گلگلے بنائے اور وسیم احمد سے نیگ کے طور پر دونوں کو بہترین تحفے سوٹ کی صورت میں ملے۔

''ارے واہ...... یہ کیا بات ہوئی تایا ابو؟ مجھے پہلے بتا دیتے تو میں بھی ایک دو گلگلے فرائی کر کے شہیدوں میں نام لکھوا کر ایک سوٹ کی حق دار بن جاتی۔'' انابیہ نے علوینہ کے ہاتھ میں خوب صورت سوٹ دیکھا تو مصنوعی خفگی سے بولی۔

''ارے بیٹا...... تم بنا کچھ کیے سوٹ لے لینا شادی کے بعد ادھار رہا۔'' وسیم احمد نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر پیار سے چپت لگائی تو وہ خوش ہوگئی، اسی طرح خوشگوار یادیں لیے یہ رت جگے والی رات بھی ختم ہوئی۔ اس رات کو بھی سب نے بھرپور طریقے سے انجوائے کیا دوسری صبح محلے میں گلگلے بانٹے گئے۔ یہ رسم برسوں سے ان کے ہاں چلی آرہی تھی۔

شادی سے ایک دن پہلے زیان نے اپنی جانب سے سب کو لنچ کروانے کی آفر دی اور یہ بھی کہ ہر ایک اپنی مرضی اور پسند کا لنچ آرڈر کرسکتا ہے۔ سب نے اپنی اپنی پسند کا آرڈر کیا۔ سب مل کر خوشگوار موڈ سے فارغ ہو کر چائے پی رہے تھے۔ اسماء بیگم کا موبائل بجا اور اسکرین پر بہزاد کی والدہ کا نمبر دیکھ کر جلدی سے کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں بہن...... بھائی صاحب کیسے ہیں سب ٹھیک ہیں ناں؟'' عادتاً پہلے سلام کر کے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسماء بیگم نے دو تین سوال بھی کر دیے۔

''ٹھیک رہنے دیں تو ٹھیک رہیں گے ناں کچھ بھی ٹھیک نہیں، ہم تو بیزار ہوگئے ہیں...... پتا نہیں کیسی نحوست لگ گئی ہے ہمیں کہ سکون، چین ہی ختم ہوگیا ہے، مصیبت نے گویا ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔'' وہ سلام کا جواب دیے بغیر تیز و تند لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

''الٰہی خیر...... اب کیا ہوگیا بہن...... خیریت یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں...... اللہ پاک رحم کرے، ایسی باتیں کرنے کا کیا مطلب ہے؟'' اسماء بیگم نے گھبرا کر جواب دیا۔ ساتھ ہی اسپیکر آن کر دیا تاکہ سب سن سکیں۔

''کیا کروں؟ جب سے یہ رشتہ طے ہوا ہے ہم اور ہمارا خاندان مسلسل مسائل سے دوچار ہے۔''

''ایسی باتیں تو نہیں کیجیے بہن، اب آپ اور ہم الگ نہیں، آپ کی پریشانی اور مسائل ہمارے اپنے ہیں پلیز آپ بتائیں تو ہم دو خاندان ایک ہونے جارہے ہیں، رشتہ قائم ہونے والا......''

''بس...... بس...... مجھے نہیں لگتا کہ یہ رشتہ اب برقرار رہ سکتا ہے، ہم یہ رشتہ بنانے سے قاصر ہیں۔'' بہزاد کی والدہ تیز لہجے میں اسماء بیگم کی بات کاٹ کر ایک ایک لفظ چبا کر بولیں تو اسماء بیگم کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ سب لوگ آنکھیں پھاڑے دم بخود بیٹھے سن رہے تھے۔ اسماء بیگم کی حالت غیر ہونے لگی تو آگے بڑھ کر منیرہ بیگم نے موبائل تھام لیا۔ بہزاد کی امی مسلسل بول رہی تھیں۔

''دیکھیں بی بی صاف بات کر رہی ہوں آج بہزاد ٹیلر کے پاس سے اپنی شادی کا ڈریس لارہا تھا اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ ٹانگ اور ہاتھ فریکچر ہوگئے اور بھی خاصی چوٹیں آئی ہیں۔ اس کی حالت دیکھ کر میری جو حالت ہے شاید تم محسوس نہ کرسکو لیکن اتنی ہمت ضرور ہے کہ اپنے منہ سے تم سے کہہ دوں کہ بارات کا انتظار مت کرنا۔''

''اف میرے اللہ......'' منیرہ بیگم نے سر تھام لیا۔

''ٹھیک ہے، بہن بہت افسوس کی بات ہے، اللہ پاک بہزاد کو جلد از جلد ٹھیک کردے کوئی بات نہیں ہم انتظار کرلیں گے۔ بہزاد کے ٹھیک ہونے پر رخصتی کی رسم ہوجائے گی۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں...... آپ خدارا پریشان مت ہوں۔'' ایک لمحے میں سنبھل کر منیرہ بیگم نے ٹھہر ٹھہر کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''نہیں نہیں...... بس رہنے دیں ہمیں اب یہ رشتہ منظور نہیں...... ابھی تک تو بیماریوں پر بلا ٹلی ایسا نہ ہو کہ کل کو کوئی جان بھی گنوا دے۔ روز اول سے ہی یہ سلسلہ چل رہا

ہے، ایک تو نہ چاہتے ہوئے بھی ہم نے بہزاد کی مرضی سے رشتہ طے کیا جس دن میں اور بہزاد کے ابا کراچی آرہے تھے اس روز میرے سسرال میں ایک میت ہوئی۔ جس دن رشتہ فائنل کرنے کے لیے آرہے تھے میری بچی کی گود اجڑ گئی، بہزاد کے پاپا کو اٹیک ہوا اور آج شادی کے کپڑے لاتے ہوئے میرے بچے کا یہ حال ہوگیا لگتا ہے کہ اس لڑکی کا قدم ہی ہمارے لیے منحوس ہے..... ابھی آئی نہیں تو اتنا کچھ ہوگیا آ کر تو تباہ و برباد کردے گی ہمارے ہنستے بستے گھرانے کو، آگ لگادے گی۔ نہ جانے کس کی بدعا لگ گئی ہے..... رشتہ ختم سمجھو بس۔" وہ بے حسی سے کہہ رہی تھیں۔ منیرہ بیگم کو بہت غصہ آیا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا..... یہ کیسی فضول اور جاہلانہ گفتگو کررہی ہیں، اس طرح کیسے کرسکتے ہیں آپ لوگ..... بچوں کا کھیل نہیں ہے یہ شادی ہے جیتی جاگتی دو انسانوں کی باہمی رضامندی سے طے ہوئی ہے۔ آپ اکیلے کس طرح سے کوئی فیصلہ کرسکتی ہیں اور آپ کے خیال میں ہم چپ رہیں گے آپ کی بکواس سن کر۔" منیرہ بیگم کی برداشت ختم ہوگئی تھی۔ انہوں نے بھی بے بھاؤ کی سناڈالی اور کال کاٹ دی۔ ان کا سر گھوم رہا تھا یہی حال وہاں پر موجود تمام لوگوں کا تھا۔ نسیم احمد، زیان اور حارث غصے سے کانپ رہے تھے۔ اسماء بیگم اور کاظمہ آنکھیں پھاڑے حیران و پریشان بیٹھی تھیں۔ انابیہ اور علوینہ منہ پر ہاتھ رکھے سکتے کے عالم میں تھیں۔ پارسہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بے حس و حرکت بیٹھی تھی، اس کی آنکھیں خشک اور چہرہ غصے اور غم کی ملی جلی کیفیت سے سرخ انگارہ تھیں، وسیم احمد نے لمبی سانس لی ایک نظر کمرے میں موجود تمام افراد پر ڈالی سب ہی غم و غصے، بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنا سیل فون نکالا اور کامل صاحب کو کال ملائی۔

"السلام علیکم! بھائی صاحب سنا ہے برخوردار بہزاد میاں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے، بہت افسوس اور پریشانی والی بات ہے، ہم ابھی ہاسپٹل آنا چاہتے ہیں۔ آپ پریشان مت ہوں۔ اللہ پاک بہتر کرنے والا ہے۔" وسیم احمد نے انتہائی معتبر انداز میں اپنے غصے پر مکمل کنٹرول کرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بات کی۔

"بہت شکریہ جناب آپ کا، فی الحال آپ کا نہ آنا ہی بہتر ہے۔" دوسری جانب سے انتہائی روکھے انداز میں جواب آیا۔ وسیم احمد نے جواباً کہا۔

"دراصل ابھی ابھی آپ کی زوجہ محترمہ کی کال آئی تھی ہم سب سن کر فکر مند ہیں اور میں اسی سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں..... عورتیں تو اس قسم کی باتیں کرجاتی ہیں لیکن میرے خیال میں جو باتیں محترمہ نے کی ہیں وہ نامناسب اور معیوب ہیں اور ہم خاندانی لوگ اس قسم کی بدنامی اور ایسی سچویشن افورڈ نہیں کرسکتے۔ اس طرح دوٹوک فیصلے نہیں کیے جاتے بہتر ہے کہ ہم مل کر بات چیت کرلیں۔"

"بھائی صاحب، اللہ کے واسطے ہمیں معاف کردیں۔ ہم لوگ اب آپ لوگوں سے ملنا نہیں چاہتے..... میرے بیٹے کی جان چھوڑ دیں..... بار بار ہونے والے واقعات ہمارے لیے تکلیف دہ ہیں۔ بیشک آپ کوٹ کچہری کرلیں، ہم کو عدالت میں گھسیٹ لیں لیکن ہم سے رشتہ برقرار رکھنے کی اب امید نہ رکھیں۔ جو باتیں محترمہ نے آپ کے گھر والوں سے کی ہیں وہ بہزاد سمیت ہم سب کا فیصلہ ہے..... ہم تو بہزاد کو پہلے جھٹکے سے ہی سمجھا رہے تھے مگر وہ نہیں مان رہا تھا لیکن اب اس کی آنکھیں بھی کھل گئی ہیں۔ خدارا اب ہم سے رابطہ کرنے کی بالکل کوشش نہ کریں۔" دوسری جانب سے کال کٹ دی گئی تھی۔

"اف خدایا..... یہ کیا ہوگیا؟ وہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ اتنی توہم پرستی، اتنی ضعیف الاعتقادی آج کے دور میں رہنے اور پڑھے لکھے لوگوں کی اتنی چھوٹی اور گری ہوئی سوچ، یا اللہ....." وسیم احمد نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا، نسیم احمد غصے سے دانت پیس رہے تھے۔ یہی حالت زیان کا بھی تھا۔

"چاچو..... دماغ درست کرتے ہیں ان پاگلوں

کا...... کیا بکواس لگا رکھی ہے؟ کیا سوچ کر بک بک کیے جارہے ہیں وہ...... کوئی لاوارث یا گری پڑی لڑکی ہے ہماری بہن کہ یوں اپنی مرضی سے عین شادی کے موقع پر انکار کررہے ہیں۔" حارث بولا۔

"ہم چھوڑیں گے نہیں ان لوگوں کو ابھی چل کر بات کرتے ہیں۔" زیان غصے سے پیچ وتاب کھا رہا تھا وہ شدت جذبات سے اٹھ کھڑے ہوئے، اس کی نظر پارسہ کے چہرے پر تھی...... چند لمحوں میں وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی پھیکا اور بے بسی بھرا چہرہ، روتی ہوئی آنکھیں کس قدر مغموم تھی وہ...... ظاہر ہے بات ہی ایسی تھی۔

"پاگل مت بنو زیان...... کوئی فائدہ نہیں ہے ان باتوں کا جب ان لوگوں کے دل میں اتنی غلاظت بھر چکی ہے، اگر زبردستی شادی کر بھی دی جائے تو پھر ہر قدم پر پارسہ کو ڈر ڈر کر زندگی گزارنی ہوگی۔ کسی بھی بات کو اس کے سر پر ڈال کر اسے ذہنی اذیت دیتے رہیں گے...... ابھی تو یہ یہاں پر ہے پھر مجبور ہوجائے گی۔ مجھے نہیں لگتا کہ اب کچھ ہوسکتا ہے وہ لوگ بہت پست ذہنیت والے ہیں۔ ان کی سوچوں، ان کے ذہن اور ان کے خیالات کو نہیں بدل سکتے۔" وسیم احمد گویا ہار چکے تھے۔

"مطلب......" اسماء بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر جیٹھ کی جانب دیکھا۔

"مطلب یہ ہے کہ ہماری بیٹی کی بارات نہیں آئے گی۔" لہجے میں اتنا دردناک تھا اور آواز میں کپکپاہٹ و آنسوؤں کی نمی واضح تھی۔ تب ہی اسماء بیگم آگے بڑھیں اور پارسہ کو سینے سے بھینچ لیا۔

"یااللہ...... یہ سب کیا ہوگیا میرے مولا، ہم نے کون سا گناہ کیا کہ اتنی بھیانک سزا مل رہی ہے۔" ماں بیٹی دھواں دھار روئیں تو سب ہی تڑپ اٹھے۔ حوصلے اور برداشت جواب دینے لگے تو گھر میں جیسے قیامت کا منظر بپا ہوگیا...... معمولی بات نہ تھی، رشتے داروں، محلے والوں میں سب جگہ کارڈ پہنچ چکے تھے۔ ہال بک تھا۔ کھانے کا آرڈر مکمل تھا۔ ساری تیاری ایک دم مکمل تھیں کہ اچانک سے یہ سب کچھ ہوگیا۔ اس کا تو تصور بھی نہیں تھا کہ یوں عین وقت پر آ کر رشتہ ختم ہوسکتا ہے۔ انابیہ نے اپنے طور سے بات کرنے کے لیے اریشہ سے رابطہ کیا۔ اریشہ کی زبانی پتا چلا کہ بہزاد کا بالکل معمولی ایکسیڈنٹ ہوا ہے...... وہ ٹھیک ہے لیکن اب وہ لوگ اتنے واہموں کا شکار ہوگئے کہ بہزاد سمیت کوئی بھی یہ رشتہ قائم نہیں رکھنا چاہتا۔ اریشہ خود بھی بہت دکھی تھی، اسے افسوس ہورہا تھا کہ بہزاد اور اس کے گھر والوں نے انتہائی چھوٹی اور چیپ حرکت کی ہے۔ بے کار اور فضول بات کو جواز بنالیا تھا یقیناً مصالحت کے سارے راستے مسدود ہوچکے تھے۔

"اماں...... میں منحوس تو نہیں۔" پارسہ نے اتنے دکھ اور کرب سے کہا کہ اسماء تڑپ اٹھیں۔

"نہیں میری بچی...... بکواس کررہے ہیں وہ سب۔" وہ تڑپ کر بولیں۔ منیرہ بیگم بھی آگے بڑھیں اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"پاگل ہوگئی ہو تم بھی پارسہ...... یہ کیا بکواس کررہی ہو، دماغ خراب ہوگیا ہے ان جاہل لوگوں کا جو ایسی فضولیات سوچ رہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے اب وہ یہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتے تو ان باتوں کو مہرا بنا کر وہ اپنی چال چل رہے ہیں...... کیسے بے عقیدہ اور کفر بکنے والے لوگ ہیں...... اللہ پر توکل کرنے کی بجائے توہم پرستی کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ جہالت کی بدترین مثال ہیں یہ لوگ...... اللہ کے فیصلوں کو کسی انسان کی خوش اور بدنصیبی سے جوڑ لینا اور پھر کسی انسان کو مورد الزام ٹھہرانا گھٹیا ترین عمل ہے، یہ لوگ کیسے مسلمان ہیں جو اللہ کے فیصلوں سے نعوذ باللہ جنگ کرتے ہیں...... اللہ پاک کی مرضی اور رضا کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ جو پتھر میں کیڑوں کو رزق فراہم کرتا ہے ہر شے پر قادر ہے...... ہر شے کا حاکم ہے...... وہ جو چاہے اور جب چاہے کرتا ہے۔ ان سب کا کرنے والا وہی مالک ہے...... بھلا انسان کی کیا مجال کہ اس کے "کن" میں توجیحات اور وجوہات تلاش کرے نہ ہی کسی انسان سے کچھ منسوب کیا جاسکتا ہے۔ کام کے

ہونے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس وقت پر وہ کام ہوتا ہے۔ وقت اچھا یا برا یہ رب کی مرضی ہے، ہم کون ہوتے ہیں بے سروپا باتیں کرنے اور سننے والے..... آئندہ اگر ایسا سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" منیرہ بیگم پارسہ پر بیخ پا ہوئیں۔

"بھابی..... مگر ہمارے منہ پر تو کلنک لگ گیا ہے ناں، ہمارے لیے تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ کس طرح..... کس طرح لوگوں کو بتائیں کہ ہماری بیٹی....."

"اف....." اسماء بیگم اپنا سر تھام کر بری طرح رو پڑیں، الفاظ ان کے حلق میں دم توڑ گئے، بے بسی سے اسماء بیگم نے نسیم احمد کی جانب دیکھا۔ وہ بھی ضبط کی آخری حدوں پر تھے..... یہ کتنی ذلت اور بدنامی کا مقام تھا، ایک تو کچھ رشتے دار پہلے ہی اس بات پر شدید حیران تھے کہ شادی فیملی سے باہر غیروں میں ہو رہی ہے اور اب جب کہ سب کو مطمئن کر کے یہاں تک پہنچے تو سفر کی آخری سیڑھی پر آ کر سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ جیسے سارا سفر رائیگاں گیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا اسماء..... بیٹی کی بارات بھی آئے گی، مہمان بھی آئیں گے اور رخصتی بھی ہوگی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ بیٹی ہال سے رخصت ہو کر واپس اپنے ہی گھر میں آئے گی۔" اچانک ہی وسیم احمد اٹھے اور ان کی گمبھیر آواز پر بے ساختہ سارے لوگ چونکے۔

"جی جی بالکل، ان شاء اللہ کل پارسہ زیان کی دلہن بن کر رخصت ہوگی۔" منیرہ بیگم نے کہا۔

"یہ..... ! کیا..... کیا کہہ رہی ہیں بھا..... بی.....؟" اسماء بیگم ہی نہیں کمرے میں موجود سارے لوگ غیر یقینی کیفیت میں تھے، آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں، پارسہ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا، بے ساختہ نگاہ زیان کی جانب اٹھی، زیان منہ کھولے حیرت کی حالت میں تھا..... اس کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی جذبات نہ تھے شاید بے یقینی تھی..... وہ بالکل ساکت کھڑا تھا۔

"نہ..... نہیں....." پارسہ نے بہ مشکل کہا اور اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرہ کی جانب بھاگی، کمرے میں آ کر بیڈ پر ڈھے گئی۔

"یا اللہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اس کا دل، دماغ بالکل ماؤف ہو چکے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو گئی تھی، وہ خود کو لاچار اور بے بسی کی آخری حدوں پر محسوس کر رہی تھی۔

"اللہ پاک..... میری وجہ سے لوگوں کو بار بار آزمائش میں ڈال رہا ہے، میں ہی غلط ہوں..... واقعی میں ہی بری ہوں، میں ہی سب سے بڑا مسئلہ ہوں، کاش..... کاش میں مر جاؤں..... اللہ پاک مجھے موت دے دے، مجھے نہیں جینا۔" ہاتھ میں پڑی کانچ کی چوڑیوں کو زور زور سے ڈریسنگ ٹیبل پر مار رہی تھی۔ ہذیانی انداز میں، اسے پتہ نہیں چلا کہ اس کی کلائی زخمی ہو چکی ہے۔ نازک کلائیوں سے خون کے ننھے ننھے قطرے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر نقش و نگار بنا رہے تھے۔

"پاگل ہو گئی ہو پارسہ..... ہوش میں آؤ۔" دو مضبوط ہاتھوں نے اسے کاندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"ہاں پاگل ہی ہوں..... خوامخواہ سب کو پریشان کرتی رہی ہوں، اچھا ہے کہ میں مر جاؤں۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ چٹاخ زیان کا تھپڑ اسے ایک لمحے میں ہوش میں لے آیا۔

"مر جانا چاہتی ہو..... یا بار بار لوگوں کو مارنا چاہتی ہو؟ اپنے بارے میں ہی سوچنا ہے ہر بار، اتنی خودغرض ہو تم۔" زیان نے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں پھر میں زیان..... آپ ہی بتائیں؟ میں اب خود کو آپ کے قابل نہیں سمجھتی، ایک بار اپنی مرضی چلائی سب نے ساتھ دیا کوئی زبردستی نہیں کی پھر آپ..... آپ..... تو مرد ہیں آپ کے ساتھ یہ زبردستی کیوں؟ میں بھی زبردستی، مجبوراً آپ کو صرف تایا ابو اور تائی امی کی مرضی کی وجہ سے یہ شادی کرنے نہیں دوں گی، میں اپنی مرضی کر سکتی ہوں تو آپ کیوں نہیں؟ میں نے تو جو کر لیا اس کی سزا بھی مل گئی لیکن آپ کو کس بات کی سزا ملے، آپ پر زبردستی یہ رشتہ کیوں مسلط کیا جا رہا ہے آپ کی پسند اور رضا

کی کسی کو فکر کیوں نہیں، یہ بھلا کیا بات ہوئی؟" زیان نے اس کے رخساروں سے آنسو پونچھ اور کہا۔
"تم واقعی پاگل ہو پارسہ..... کیا زبردستی، زبردستی کی بک بک لگا رکھی ہے تم نے؟ کس نے کہا کہ میری پسند اور میری رضامندی نہیں..... کس نے کہا کہ میں مجبور ہوں، کس نے کہا کہ میں اس رشتے پر ناخوش ہوں؟" پیار سے اسے سمجھایا مگر وہ سسکتی ہوئی بولی۔
"آپ..... آپ..... بہت اچھے اور فرماں بردار بیٹے ہیں زیان، آپ میری طرح نہیں ہیں..... آپ اپنے والدین کی بات سے انکار نہیں کر سکتے ناں؟"
"بے شک! میں فرماں بردار ہوں..... اماں، ابا کو انکار بھی نہیں کر سکتا مگر پاگل لڑکی کیا تم نے کبھی مجھے پڑھنے کی کوشش کی؟ تم سدا کی لاابالی اور اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی رہیں تم کیا جانو کہ جس رشتے کی بھنک بچپن میں ہی میرے کان میں پڑ گئی تھی، میں نے اس رشتے کو ہمیشہ ہی اپنے اندر پنپتا دیکھا ہے۔ ایسے ہی جیسے ایک ننھا سا بیج، آہستہ آہستہ پودے سے درخت بن جاتا ہے بالکل اسی طرح بچپن سے لے کر جوانی تک تمہیں اپنا سمجھا، اپنا جانا اور تمہارے ساتھ ہی زندگی گزارنے کا یقین رہا..... محبت کا اظہار مجھے آتا نہیں تھا اور تم کچھ زیادہ ہی لاابالی تھیں، جانے تم کیا سمجھتی..... تمہاری شادی کی خبر سن کر میں تو ذہنی طور پر ماؤف ہو چکا تھا..... سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہاری شادی کہیں اور ہو سکتی ہے اگر اس وقت میں تھوڑا سا بھی لڑکھڑا جاتا کوئی میری حالت کا ایک فیصد بھی اندازہ لگا لیتا تو گھر میں کدورت پھیل جاتی، یاد ہوگا تمہیں جب یہ بات ہوئی میں کراچی میں نہیں تھا اور اس حالت میں یہاں آ کر سب کے لیے اور خاص طور پر تمہارے لیے کوئی مسئلہ پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بے وقوف لڑکی یہ تم پر ترس کھا کر کیا گیا فیصلہ نہیں ہے بلکہ شاید اللہ پاک کو مجھ پر ترس آ گیا..... تم تو انجان تھیں لیکن وہ تو سب کچھ جانتا ہے ناں، ہم لاکھ دوسروں سے اپنے اندر اٹھتے ہوئے طوفان، اذیت، کرب، دل میں پل پل اٹھتے ہوئے درد کی ٹیسوں کو چھپا لیں لیکن وہ ہمارا رب جو دلوں کے بھید جانتا ہے، جو ستر ماؤں کی محبت رکھتا ہے..... وہ..... وہ تو پل پل کی خبر رکھتا ہے..... میں، میں تم سے محبت کرتا ہوں پارسہ... محبت کرتا ہوں....." زیان کا لہجہ و انداز محبت سے بھرپور تھا اور پارسہ جو حیرت و بے یقینی کی کیفیت میں سب کچھ سن رہی تھی، آخری جملے پر آ کر اسے ایسا لگا جیسے زیان نے اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، زیان کس قدر عظیم تھا، اپنے جذبات کو کس خوب صورتی سے چھپا کر وہ بہ ظاہر کتنا خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔ وہ گھر کے سکون اور تعلقات کو برقرار رکھنے کے لیے کتنی بڑی قربانی دے رہا تھا..... اف یہ انکشاف کیسا تھا، پارسہ ندامت اور شرمندگی سے زمین میں گڑی جا رہی تھی، کتنی بے خبر، کتنی انجان تھی وہ..... شاید خود غرض بھی، اس نے صرف اپنے لیے سوچا۔
"زیان..... آئی ایم سوری..... میں سچ میں بہت بری ہوں، بہت بری..... میں نے کبھی بھی آپ کے حوالے سے سوچنے کی کوشش ہی نہیں کی آپ..... آپ بہت اچھے اور بہت عظیم ہیں..... میں حقیقت میں آپ کے قابل نہیں۔" پارسہ ہاتھ جوڑے کھڑی تھی، اس کی خوب صورت کٹورا جیسی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی اس کے ملیح گالوں پر تیزی سے بہہ رہی تھیں، چہرے پر ندامت، شرمساری، پچھتاوا نہ جانے کیا کچھ تھا۔
"بس اب مزید ڈرامے کی کوئی ضرورت نہیں، بہت ہو چکا۔" زیان نے ہاتھ اٹھا کر تھوڑے تیکھے لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے تم خود کو اس قابل نہیں سمجھتیں تو کوئی بات نہیں..... میں ابھی جا کر اماں ابا سے کہہ دیتا ہوں کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔"
"ارے..... ارے میں نے یہ کب کہا؟" وہ روانی میں کہہ گئی۔ پارسہ کی بے ساختگی پر زیان کو ہنسی آ گئی اور وہ ضبط کر گیا، غور سے پارسہ کے ہونق چہرے کی جانب دیکھا، آنسوؤں سے بھری آنکھیں، سرخ ناک، متورم پپوٹے، بکھرے بالوں کی گالوں سے کھیلتی لٹیں، بے دردی

سے ہونٹ کاٹتی ہوئی۔

"پھر......" زیان نے ابرو اٹھا کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"پھر...... میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی کیا بات ہوگی کہ مجھے آپ جیسا شریک حیات ملے۔" معصومیت اور سادگی سے کیے گئے اقرار پر زیان کو پیار آ گیا۔

"سچی......" وہ ایک قدم آگے بڑھا اور وارفتگی سے دیکھتے ہوئے جھکا۔

"جی...... جی۔" پارسہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہوئی، زیان نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں پارسہ کے نازک ہاتھوں کو تھاما، پارسہ کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر کمرے سے باہر نکلا اور بڑے کمرہ کی جانب بڑھا جس میں سارے گھر والے تھے۔ وہ شرم وحیاء سے گندھی زیان کے قدم بقدم اس کمرہ میں آگئی جہاں اس کے ابو اس کے تایا سے کہہ رہے تھے۔

"بھائی...... بھائی صاحب آپ لوگ کس قدر عظیم ہیں...... ہم تو آپ کے احسانات تلے دبے جارہے ہیں۔" اسماء بیگم نے جیٹھ اور جٹھانی کی طرف دیکھتے ہوئے تشکر بھرے انداز میں کہا۔

"اسماء...... آئندہ یہ بات نہیں کرنا کیونکہ یہ کوئی احسان نہیں بلکہ ہم سب کی مشترکہ خواہش بھی ہے، شاید تمہاری اور نسیم کی بھی یہی خواہش ہے گو کہ اس وقت بہزاد کے گھر والوں نے بہت چھوٹی حرکت کی لیکن اس حرکت سے ان کی فطرت کا اندازہ ضرور ہوگیا کہ وہ لوگ کس حد تک ذہنی مریض ہیں۔ میری تمہاری بھابی کی تو یہی خواہش تھی کہ پارسہ زیان کی دلہن بنے...... ہم نے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ گھر کی بیٹی گھر سے باہر جائے گی یقین کرو یہ بات ہمارے لیے بہت تکلیف دہ تھی اور ہمیں اس بات کا اندازہ ہے کہ تم دونوں اور بچوں کے لیے بھی...... اگر اس وقت ہم دونوں میاں بیوی دل بڑا نہیں کرتے یا تم لوگوں کو قائل نہ کرتے...... بچوں پر سختی اور پارسہ کی حمایت نہیں کرتے تو شاید بہت بڑا طوفان کھڑا ہو جاتا، ہم آج بھی اپنی اولاد پر سختی کر سکتے ہیں، دباؤ ڈال سکتے ہیں، اپنی مرضی چلا سکتے ہیں لیکن ہم لوگ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس طرح کرنے سے ہمارے رشتوں میں دراڑ آسکتی تھی۔ ہمیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو بھی پورا کرنا تھا، اپنے گھر کو بھی بچانا تھا، رشتے بھی بحال رکھنے تھے اور پارسہ کو بھی اس کا جائز حق دینا تھا تو ہمیں ہی دل بڑا کرنا تھا...... میں تمہارے بھائی اور زیان جس ذہنی کرب سے گزرے ہیں وہ ہم ہی جانتے ہیں اس وقت ہمیں مضبوط ہونا تھا کیونکہ تنکا تنکا جوڑ کر بنایا جانے والا آشیانہ جس میں ہم لوگوں نے بہت اچھا وقت گزارا ہے، ہم سمجھتے ہیں اس آشیانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری بڑے ہونے کی حیثیت سے ہماری ہے اور الحمدللہ ہم نے وہ ذمے داری احسن طریقے سے پوری کی اور آئندہ بھی پوری کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے...... یہ گھر ہماری جنت، ہمارا سکون ہے...... ہم نہیں چاہتے کہ یہاں پر کوئی بدنظمی ہو، تلخ کلامی ہو یا دلوں کے درمیان فاصلے ہوں...... تب بھی ہمارا فیصلہ تھا اور آج بھی ہمارا فیصلہ ہے۔ اس وقت ہماری ذرا سی کمزوری تم دونوں میاں بیوی کو اور بھی کمزور کردیتی، ہم اپنے گھر کے کسی فرد کو کمزور ہوتا نہیں دیکھ سکتے، ہم سب ایک تسبیح کی مانند مضبوط ڈوری میں پروئے ہوئے، خوب صورت رشتوں میں گندھے ہوئے لوگ ہیں...... اللہ نہ کرے کہ یہ تسبیح کا ایک دانہ بھی الگ ہو...... ہم لوگ پورے خلوص، محبت اور صدق دل سے پارسہ کو اپنی بہو بنائیں گے۔" منیرہ بیگم کے لہجے میں محبت، بڑے ہونے کا مان تھا...... پارسہ دم بخود سب سن رہی تھی۔

"یا اللہ...... اتنے پیارے پیارے لوگوں کو چھوڑ کر جارہی تھی، میں کتنی پاگل، کتنی بیوقوف ہوں، اپنے ساتھ، اپنے پاس رہنے والے پرخلوص رشتوں سے قطعی بے بہرہ تھی، اتنے عظیم لوگ ہیں سب۔" پارسہ سوچ رہی تھی، اسماء بیگم فرط جذبات سے جٹھانی کے گلے لگ گئیں۔

"بھابی...... یہی تو فرق ہوتا ہے اپنوں اور غیروں میں...... اگر ایسے موقعوں پر اپنے ہی ساتھ نہ دیں تو کون دے گا، یہی تو وہ رشتے ہیں جن پر ہمیں مان ہوتا اور بھروسہ

ہوتا ہے، یہ ہی رشتوں کی پہچان ہیں۔ سچے رشتے وہی ہوتے ہیں جن پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کیا جا سکے، جن پر ہمیں خود سے زیادہ اعتماد ہو، جن سے ہم بڑے مان سے اپنا آپ منوا سکیں اور ہمارا دکھ اپنے دامن میں سمیٹ لینے والے ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتے اور جس کے نصیب میں ہوتے ہیں وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں اور بھابی ہم لوگ واقعی خوش نصیب لوگ ہیں۔" کاظمہ نے آگے بڑھ کر اسماء بیگم کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"چلو بچو تم لوگ کیا ہونق بنے ادھر ادھر دیکھ رہے ہو اٹھو اور اپنی اپنی تیاریاں کرو آج تو مہندی لگانے والی لڑکیاں آنے والی تھیں ناں، ابھی کال کرو مینا بازار سے نکلی کہ نہیں۔" کاظمہ نے پلٹ کر بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا تو انابیہ، علوینہ، حارث اور ایان فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے حالانکہ عین شادی سے ایک دن پہلے کسی لڑکی کی بارات نہ آنے کا واقعہ ہو تو کہرام مچ جاتا ہے، بے شک بات بری تو سب کو لگی تھی لیکن سارے لوگ ہی اب اس سچویشن میں زیادہ خوش تھے۔ آج سب کی دلی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ بہ ظاہر خوشی خوشی شادی کے ہنگاموں میں حصہ لینے والے گھر کے ہر فرد کا دل کہیں نہ کہیں اداس بھی تھا کیونکہ سب ہی سچے دل سے پارسہ کو زیان کی دلہن ہی بنانا چاہتے تھے۔

"پھوپو...... ہم لوگ آپ سب کو ایک مشورہ دینا چاہتے ہیں۔" ایان نے کاظمہ کے پاس آ کر نہایت سنجیدگی سے قدرے دھیمی آواز میں کہا۔

"کیا......؟" کاظمہ نے پلٹ کر حارث اور ایان کی طرف دیکھا۔

"جب نکاح کا سلسلہ چل نکلا ہے تو کیوں نہ کم خرچ بالانشین کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس مبارک موقع پر تین نکاح کر کے آپ لوگ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں، خرچ بھی کم اور وقت کی بھی بچت۔" ایان کی بات پر کاظمہ نے جو نہایت دلچسپی اور توجہ سے بات سننے کے لیے پلٹی تھیں ایک دھموکا ایان کی کمر پر رسید کر دیا۔

"اوئے بے شرمو...... ذرا کمانے کے قابل تو ہو جاؤ...... اتنے اتاولے کیوں ہو رہے ہو؟"

"ہائے...... ظالم سماج۔" ایان نے منہ بسورتے ہوئے کمر سہلائی تو کاظمہ کے ساتھ ساتھ اسماء بیگم اور منیرہ بیگم بھی کھلکھلا اٹھیں۔

"چل یار...... ابھی ہم نے صرف کام ہی کرنے ہیں۔" حارث نے بھی منہ بناتے ہوئے مسکین لہجے میں کہا۔ پارسہ محبت پاش نظروں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"میرے اللہ...... تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے اتنے پیارے پیارے رشتوں کے درمیان پیدا کیا، اللہ پاک میرے گھر کو آباد رکھنا آمین۔" گھر میں ایک بار پھر خوشگوار ہنگامے جاگ اٹھے تھے لیکن اس بار گھر کے سارے افراد پورے جوش وخروش اور دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ نئے سرے سے خوشیاں منانے کی تیاری کر رہے تھے۔ جبکہ پارسہ زیان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ زیان واقعی میرا مجازی خدا کہلانے کا حق دار ہے، باوقار، روشن خیال اور محبت کرنے والا، احساس کو سمجھنے والا رشتوں کی قدر کرنے والا...... اس نے جس گلاب کی تمنا کی تھی وہ تو زیان تھا۔ میری بند مٹھی کے سارے گلاب زیان کے نام ہیں...... وہ آسودہ ہو کر رشتوں کی خوبصورتی پہ مسکرانے لگی۔

قسط نمبر 26

عشق نگر کے مسافر

ندا حسنین

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ماریانہ ارسال کو حماد کی تمام شرارتوں کا بتا دیتی ہے اور ارسل یہ سب سن کر خوش ہو جاتا ہے اور ماریانہ کے ساتھ مل کر مستقبل کے خواب بننے لگ جاتا ہے۔ پیڈرو میا کی حقیقت جان کر ارسل سے ملنے اس کے گھر پہنچ کر سب کچھ بتا دیتا ہے جس کو سن کر ماریانہ کو بہت دکھ اور افسوس ہوتا ہے۔ قمر جہاں اور فاریہ صمیہ بیگم سے اپنے خاندان کے بارے میں سب کچھ جان کر خوف زدہ ہو جاتی ہیں اور ولا اور بخت کا فاریہ کا رشتہ طے کر دینا بھی صمیہ بیگم کو برا لگتا ہے جس کا اظہار وہ ولا اور بخت سے سخت الفاظ میں بھی کر دیتی ہیں پر ولا اور بخت اس کی بات کا کوئی بھی نوٹس نہیں لیتا اور اپنی ہٹ دھرمی کو برقرار رکھتے ہوئے قمر جہاں پر رکھ کر اپنا فیصلہ سنا کر چلا جاتا ہے۔ حماد شبنم کی حرکتوں سے بیزار ہو کر فاریہ سے رابطہ کی کوشش کرتا ہے پر اس سے کسی بھی طرح رابطہ نہ ہونے پر وہ پریشانی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ نجل کو جب ہوش آتا ہے تو وہ خود کو اسپتال میں پاتی ہے اور نرس سے ساری تفصیل جان کر گم صم ہو جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

"کس نے حملہ کیا تھا تم پر بی بی؟ تمہیں تو پتا ہی ہوگا ناں۔" نرس اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ تجل کے ذہن کے پردے پر فلم سی چلنے لگی تھی۔ محمود بیگ کی اکھڑتی سانسیں، اس کی آنکھوں سے جھلکتی حسرت، بے بسی، وہ آنکھیں جو کچھ کہنا چاہ رہی تھیں، کہتے کہتے پتھرا گئی تھیں۔

"محمود بیگ۔" تجل کے لبوں سے ایک آہ کی صورت محمود بیگ کا نام خارج ہوا اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"کیا ہوا بی بی...... کیا یاد نہیں آرہا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟" نرس نے اسے خاموش دیکھ کر ایک بار پھر سوال کیا۔

محمود بیگ نے آخری سانس لیتے ہوئے اسے بے حد تڑپتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ نگاہیں تجل کے دل کو تیر کی طرح چیر رہی تھیں۔ نرس اسے گم صم سا دیکھ کر کندھے اچکاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

"یہ کیسی بے ثبات سی زندگی ہے، پل میں کچھ اور پل میں کچھ، جیتا جاگتا انسان چند [illegible] میں منوں مٹی تلے جا سوتا۔ زندگی سے بڑھ کر بھلا بے اعتبار اور کون ہوگا۔" تجل کو وہ پل یاد آنے لگے جو اس نے محمود بیگ کی سنگت میں بتائے تھے۔

بڑے بڑے ارادے رکھنے والا محمود بیگ آج خاک اوڑھے سو رہا تھا۔

بڑے بڑے دھوکے کھانے والا یاور بخت آج قسمت کا سلطان بنا بیٹھا تھا۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ زندگی کے کب کس موڑ پر کون سا فریب کسی اژدھے کی مانند منہ کھولے کھڑا ہو۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بلندی پر پہنچنے کا یقین غالب ہو تب آپ کا نصیب آپ سے ملاقات ضرور کرتا ہے۔ تجل کو آج اپنی زندگی ایک فریب یا پھر دھوکے جیسی محسوس ہو رہی تھی۔ آج اگر اس سے کوئی پوچھے کہ اس کی نظر میں اس دنیا کا سب سے ظالم انسان کون ہے تو وہ انتقام میں جھلستے محمود بیگ کا نام نہیں لے گی، وہ بخت کو بھی ظالم نہیں کہے گی، اس نے آج زندگی کا راز، اس کا بھیانک روپ دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنے نصیب سے مل چکی تھی اور اب وہ بخوبی جان گئی تھی کہ اس دنیا کا سب سے سفاک انسان اس کا خود غرض، لالچی، بے حس باپ تھا۔ جس نے اس کو اس کی جنت سے نکال کر کسی بھیڑ بکری کی طرح بیچ ڈالا تھا۔ وہ ایک بکاؤ مال کی طرح در در کی ٹھوکریں کھاتی رہی۔ اس کا جسم، اس کا قیمتی اثاثہ نہ رہا۔ پبلک پراپرٹی بن گیا۔ دھوکہ دہی اسے وراثت میں ملی تھی۔ وہ بھی ریوڑیوں کی بندر بانٹ کی طرح دھوکے بانٹتی رہی وہ جس فطرت کو پال بیٹھی تھی اس میں بھلائی چھو کر نہ گزری تھی۔

آج اس نے جانا تھا کہ رب کی بنائی ہوئی جنت میں عزت سے زندگی گزارنے میں ہی عافیت ہے۔ اس جنت کے باہر صرف آزمائشیں، امتحان، اعمال اور ان اعمال کے کرم منتظر ہے۔ آج اس نے یہ بھی جانا تھا کہ اولاد اللہ کی صرف نعمت ہی نہیں آزمائش بھی ہے۔ اس کا باپ اس آزمائش میں بری طرح ناکام ہوا تو زندگی اس کے لیے ایک عذاب بن گئی اسے ایک دم سے خیال آیا کہ ایک آزمائش سے تو وہ بھی نوازی گئی تھی۔

"آہ میرا بچہ......" بچے کی یاد آنے پر وہ بری طرح تڑپ اٹھی۔

"نہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا؟" اسے فکر ستانے لگی۔

"میرے بغیر وہ کیسے زندہ ہوگا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے۔

تجل کو اپنے دل میں باپ کی بے حسی، اس سے نفرت کا احساس معدوم ہوتا محسوس ہونے لگا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کی سانسوں کا سفر ابھی جاری تھا۔ زندگی بھلے بے اعتبار سہی مگر ایک دم سے اسے بے انتہا عزیز ہوتی محسوس ہوئی اور وجہ صرف ایک تھی کہ وہ ماں تھی۔ وہ ماضی دوہرانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنی اولاد کو جہنم بھری زندگی میں چھوڑ کر جانے کی روادار نہیں تھی۔ ایک موقع اسے قسمت سے ملا تھا۔ نئی زندگی تجل کے لیے نیا روپ، نیا جنم تھی اور اس نئے جنم میں پرانی تجل کا

سایہ بھی وہ اپنے بچے پر پڑنے نہیں دینا چاہتی تھی۔
"میرا بچہ...... میرا بچہ ہی میری کل کائنات ہے، میں اپنی جان پر کھیل کر اس کی حفاظت کروں گی، اسے کسی بھیڑیے کے ہتھے نہیں چڑھنے دوں گی مگر ان سب کے لیے مجھے اس ہسپتال سے نکلنا ہوگا، مجھے اپنے بچے کے بارے میں جاننا ہوگا۔ نہ جانے وہ کہاں ہوگا؟" اس سوال نے آنے والے ایک ہفتے تک بجل کو بے چین رکھا تھا۔

❁......❁......❁......❁

فنا گشتم فنا گشتم نمی دانم کجا رفتم
(میں کھو گیا ہوں، مٹ گیا ہوں، نہیں جانتا کدھر جا رہا ہوں)
عزیز سے گفتگو کے دوران وہ اپنے دل کی ہر کیفیت بیان کر گئے تھے، وہ سب بھی کہہ گئے تھے جو خود سے کہنے سے بھی گھبرا رہے تھے۔
"میں صبیحہ کو واپس اپنی زندگی میں لانا چاہتا ہوں۔" یہ اعتراف ان کے لیے آسان نہیں تھا، جسے کھو دیا اسے پانے کے خواب دیکھنا، دیوانے کی آرزو سے بڑھ کر کچھ اور نہیں تھا۔
"مجبور کروں گا میں اسے اپنی ہر بات ماننے کے لیے۔" یہ دعویٰ سننے کی حد تک بھی قابل قبول نہیں اور وہ بھلا کیسے مجبور کریں گے صبیحہ کو؟ جو کچھ وہ صبیحہ کے ساتھ کر چکے تھے، کیا ان سب کے بعد وہ کوئی ایسا اخلاقی جواز بھی رکھتے ہیں کہ صبیحہ ان سے پھر سے بات کرنے کے لیے راضی ہو۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ ایسا ہر جواز رکھنے کا حق کھو چکے ہیں مگر پھر بھی دعویٰ کر گئے۔
"مجھے ہر حال میں صبیحہ کو پانا ہے اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی یہ شادی ختم بھی ہوسکتی ہے۔" وہ کوئی کھلونا تو نہ تھی، نہ ہی کسی مقابلے کی ٹرافی جو بہترین کارکردگی پر ملنے والا تمغہ یا ایوارڈ بھی نہ تھی۔ وہ جیتی جاگتی انسان تھیں۔
"میں اپنے کیے ہر ظلم کی تلافی کرنا چاہتا ہوں، میں صبیحہ کو پھر سے اپنانا چاہتا ہوں۔" کیا زندگی اجاڑنے کی تلافی ہوسکتی تھی، کیا کسی کی روح چھلنی کر کے مسیحائی کی جاسکتی تھی، کسی کی زندگی سے اس کی مسکراہٹیں، اس کے جینے کی امنگ ختم کر کے اس سے معافی کا سوال کیا جاسکتا ہے؟
"ضد نہیں ہے یہ، میری خواہش ہے۔ صبیحہ کے بغیر اب میں نہیں رہ سکتا۔" خواہش کیسی خواہش؟ صبیحہ کو چھوڑنا، بجل کو اپنانا اور پھر اس سے تعلق ختم کر کے نئے سرے سے صبیحہ کی ہنستی کھیلتی زندگی کو اجاڑنا یہ خواہش ہے؟ اگر یہ خواہش ہے تو انتہائی خود غرضانہ خواہش اور ایسی خود غرضانہ سوچ شاید کوئی عام انسان نہ رکھے مگر یاور بخت جیسا خود غرض اور خود پرست انسان رکھ سکتا تھا اور اسی خواہش کے زیر اثر وہ صبیحہ کا تعاقب کرتے ہوئے ایک روز اس سے جا ملے۔
صبیحہ دلاور کی شاپنگ کے سلسلے میں بازار آئی تھیں۔ عاصم کی اتفاقیہ طور پر ایک پرانے دوست سے ملاقات ہوگئی۔ وہ کچھ دیر کے لیے صبیحہ سے دور چلا گیا۔ یاور بخت جو صبیحہ کا پیچھا کرتے ہوئے بازار آ پہنچا تھا۔ موقع ملتے ہی وہ اس کے پاس پہنچ گئے۔
"کیسی ہو صبیحہ؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر دھیرے سے بولے۔
"یاور بخت تم؟" صبیحہ انہیں یوں سامنے پا کر بری طرح چونکی تھی۔
"ہاں...... میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"یاور بخت۔ بات ان کے درمیان ہوتی ہے جہاں کوئی تعلق ہو۔ میرا اب تم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔" صبیحہ بیگم نے سرد مہری سے کہا۔

''تعلق تو ہے...... تعلق ختم نہیں ہو سکتا تم سے کبھی صبیحہ، تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔'' یاور بخت نے دلیری سے کہا۔

''ایسی محبت سے موت بہتر ہے یاور بخت۔ تمہاری طرف دیکھنے سے بہتر میں مرنا پسند کروں گی۔'' صبیحہ بیگم نے نفرت سے جواب دیا تھا۔

''تم کچھ بھی کہو مگر میں جانتا ہوں تم آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔'' یاور بخت ڈھٹائی سے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔

''تم سے تو میں اب نفرت بھی نہیں کرتی یاور بخت۔ تم میری زندگی کا پچھتاوہ ہو۔ تمہارا خیال اگر کبھی بھولے سے بھی میرے ذہن میں آ جائے تو میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ تم جیسے بیمار، خودغرض انسان سے میری جان چھوٹی...... ہونہہ۔'' صبیحہ بیگم تنفر سے انہیں دیکھ کر رولا اور کو گود میں اٹھائے وہاں سے چلی گئی۔ یاور بخت لب بھینچے اسے وہاں سے جاتا دیکھتے رہ گئے۔ ان کی نگاہیں صبیحہ بیگم کی گود میں مسکراتے بچے پر جمی ہوئی تھیں۔

❀......❀......❀......❀

صبیحہ گھر لوٹیں تو ذہنی طور پر بے حد مضطرب تھی۔ وہ یہ بات تو بخوبی جانتی تھیں کہ یاور بخت کو ایک نہ ایک دن اپنی غلطی کا احساس ضرور ہوگا مگر وہ یوں اس کے سامنے کھڑا اپنی غلطیوں اور زیادتیوں کی معافی مانگنے کے بجائے بے شرموں کی طرح اپنی چاہتوں کا اظہار کرے گا، یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ان کی پریشانی تب مزید بڑھ گئی جب یاور بخت ایک اور دن ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ مرتضیٰ شفیق کے گھر جانے کے لیے نکلی تھیں تب ہی یاور بخت ان کی گاڑی کا راستہ روک کے کھڑے ہو گئے تھے۔

''تم آخر چاہتے کیا ہو یاور بخت؟'' وہ جھنجھلا اٹھیں۔

''صرف اتنا کہ تم لوٹ آؤ میری دنیا میں۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولے۔

''تمہاری دنیا اب میرے لیے جہنم سے کم نہیں۔'' صبیحہ بیگم متنفر لہجے میں گویا ہوئیں۔

''صبیحہ بھول جاؤ وہ سب کچھ...... میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا لیکن......'' یاور بخت کی بات ادھوری رہ گئی۔ صبیحہ بیگم نے ان کی بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''جو ہو چکا وہ میں اپنی زندگی سے نکال کر پھینک چکی ہوں اب کسی لیکن ویکن کی گنجائش باقی نہیں رہی۔''

''گنجائش ہے اگر تم چاہو تو......'' یاور بخت معنی خیز لہجے میں بولے۔

''کہنا کیا چاہتے ہو تم یاور بخت۔ کھل کر کہو۔'' صبیحہ بیگم کے لہجے میں کرختگی در آئی۔

''تم لوٹ آؤ میرے پاس صبیحہ، چھوڑ دو عاصم کو۔'' یاور بخت خودغرضی دکھاتے ہوئے بولے۔ صبیحہ بیگم کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی۔ ایک زناٹے دار طمانچہ ان کے رخسار کو سرخ کر گیا۔

''گر تو تم بہت پہلے ہی میری نظروں سے گئے تھے یاور بخت۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ جب نجل کا دھوکہ تمہاری آنکھوں پر بندھی پٹی کھولے گا تو تم گڑگڑاتے ہوئے مجھ سے معافی مانگنے آؤ گے لیکن مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ نجل کی سنگت تمہیں بالکل اس جیسا خودغرض بنا ڈالے گی۔ کتنی بے شرمی سے تم مجھے عاصم کو دھوکہ دینے کا کہہ گئے یاور بخت مگر یاد رکھو۔ میں صبیحہ مرتضیٰ ہوں، جب تمہارے فریب، دھوکے کے باوجود میں نے تم سے وفا کی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں عاصم جیسے فرشتہ صفت انسان کو، تم جیسے گھٹیا انسان کے لیے چھوڑ دوں۔'' صبیحہ بیگم نے انتہائی طیش کے عالم میں کہا۔ ان کا کہا گیا ایک ایک لفظ یاور بخت کو آئینہ دکھانے کے لیے کافی تھا۔ یاور بخت لب بھینچے انہیں دیکھتے رہے تھے۔

”آئندہ مجھ سے ملنے کی غلطی نہ کرنا یاور بخت۔ ورنہ میں بھول جاؤں گی کہ میرا تم سے کبھی کوئی تعلق تھا پھر میرے سامنے ایک ایسا شخص کھڑا ہوگا جو میری جنت اجاڑنے کے درپے ہے اور تمہیں میں بتادوں کہ میں اپنی جنت کسی صورت اجڑنے نہیں دوں گی۔“ صبیحہ بیگم انہیں سخت نظروں سے گھورتے ہوئے تنبیہہ کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ ندامت، خفت، پچھتاوہ، شرمندگی۔ یہ احساسات یاور بخت کے دل میں ابھرنے چاہیے تھے مگر ان کے دل ودماغ میں تو لاوا ابل رہا تھا۔ بھانبڑ جل رہے تھے اور ان کا جسم ایک ان دیکھی آگ میں بری طرح جھلس رہا تھا۔

”تمہیں عاصم کو چھوڑنا ہوگا صبیحہ۔ میں تمہیں اس قدر مجبور کردوں گا کہ تم خود اسے چھوڑ کر میرے پاس آؤ گی۔ میں اسے تمہاری زندگی سے نکال پھینکوں گا۔“ واپسی کا سفر بے حد جاں گسل ٹھہرا تھا۔

”میں تمہاری بنائی گئی اس نئی جنت کو آگ لگاؤں گا۔“ ان کے دل ودماغ میں زہر بھر چکا تھا۔

”میں تم پر سارے دروازے بند کرڈالوں گا۔ صرف ایک راستہ بچے گا۔ وہ جو تمہیں مجھ تک پہنچائے گا۔“ ان کے چہرے پر زہر خند مسکراہٹ تھی۔

”تمہاری زندگی پر صرف میرا حق ہے صبیحہ، کوئی اور شامل ہو ہی نہیں سکتا۔ تم صرف میری ہو اور میرے اس دعویٰ پر تصدیق کی مہر وقت لگائے گا۔“ یاور بخت کی گاڑی انتہائی برق رفتاری سے اپنی راہ پر گامزن تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

اسے اپنی ایک ایک سانس بھاری ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ بوجھل ہوتے قدم گھر کے سامنے ہی زنجیر ہوگئے۔ وہ گھر جہاں وہ انتہائی مختصر عرصے قیام کرپائی تھی مگر یہاں گزری چند ساعتیں ہی اس کی زندگی کا حاصل ثابت ہوئی تھیں۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کئی منظر جو گزرے وقت کا کفن اوڑھے، ماضی کی قبر میں جا سوئے تھے پھر سے جی اٹھے تھے۔ محمود بیگ اسے اس گھر کے آنگن میں جیتا جاگتا نظر آنے لگا۔ اس کا ساتھ دیتے ہوئے، مستقبل کے منصوبے بناتا ہوا، اور ننھے وجود کو اپنی نرم آغوش میں سمیٹے لوریاں سناتا ہوا۔ تجل کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کے بوجھل قدم راستے ناپنے سے انکاری ہوئے اور وہ وہیں، اس گھر کے دروازے پر تھک ہار کر بیٹھ گئی۔

”ارے دیکھو یہ...... یہ تو تجل ہے ناں۔“ محلے کے کسی گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ کسی نے جھانک کر اسے دیکھا اور ہمسائے کا دروازہ پیٹتے ہوئے اسے بھی باخبر کرڈالا۔

”ہاں...... ہاں یہ تو وہی ہے، جس کے گھر میں ڈکیتی ڈالی ان کم بختوں نے، اس کے شوہر کو مار ڈالا اور اسے شدید زخمی کرڈالا تھا۔“ ایک در کھلنے کے بعد کئی در کھلتے چلے گئے۔ سب کی چہ مگوئیاں اس کی سماعت میں چیونٹیوں کی طرح رینگ رہی تھی۔

”ہائے بیچاری بڑا ظلم سہا ہے اس مظلوم نے۔ پہلے تو رات کے اندھیرے میں وہ تینوں بدمعاش اس کے گھر میں گھس آئے۔ اس کے شوہر نے ٹھکائی کی تو بعد میں اس کی جان ہی لے لی۔“ وہ جیسے کوئی اجڑی ہوئی داستان تھی جسے جان کر سب بیٹھے تبصرے کررہے تھے۔

”ہائے توبہ توبہ...... کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے اس بیچاری کے آنگن میں۔ اللہ سب کو ایسی اندوہناک آفت سے محفوظ رکھے۔“ ایک عورت نے اپنے گلے پیٹتے ہوئے ایسے کہا جیسے وہ کوئی عبرت ناک داستان کا حصہ ہو۔

”آمین...... آمین۔“ تجل کو محسوس ہورہا تھا وہ کوئی زندہ لاش ہے اور ان کی باتیں سن رہی ہے۔ باقی ہر صلاحیت تو سلب ہوچکی تھیں۔ کوئی اختیار، کوئی طاقت اس کے وجود میں باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے پاس اس دنیا کی بے ثباتی دیکھنے کے علاوہ اب کوئی چارہ نہ بچا تھا۔ آج تجل کو بھی ایسا ہی محسوس ہورہا تھا جیسے وہ بھی زندہ لاش ہے اور جب تک اس کی تدفین

نہیں ہو جائے گی تب تک اسے ان سارے زندہ لوگوں کی حکایتیں سنتے رہنا ہوگا۔ سکون تو صرف قبر میں ملے گا اور کیا واقعی قبر میں سکون ملے گا؟ کیا اس کے اعمال ایسے ہیں؟ کیا اس نے اس دنیا میں لوگوں کو سکون سے زندہ رہنے دیا تھا۔

"ارے کیسے بے حس لوگ ہو تم سب کھڑے ہو کر اس کی بے بسی کا تماشا ہی دیکھتے رہو گے یا پھر اس بیچاری قسمت ماری کو اپنے گھر لے جا کر کچھ کھانے پینے کو بھی پوچھو گے۔" ان میں سے کسی بزرگ خاتون نے سب کو لتاڑتے ہوئے احساس دلایا۔

"ہاں ہاں خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں اسے کوئی گھر لے جاؤ۔ پانی تو پلاؤ۔"

"ہاں دیکھو تو ذرا کیسے زندہ لاش بنی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ہے۔" ایک بار پھر چہ میگوئیوں کا آغاز ہوا۔

"ارے میں تو کہتی ہوں کہ اس کا بچہ لا کر اس کی گود میں ڈال دو۔ شاید اس کی جان میں کچھ جان آئے۔" ایک ادھیڑ عمر عورت نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک کہتی ہیں خالہ۔ اس کا بچہ تو ماں کے لیے تڑپ تڑپ کر بے حال ہوا جا رہا ہے۔ ابھی لے کر آتی ہوں۔ ماں کا قرب ملے گا تو اسے بھی چین نصیب ہوگا۔" زخشندہ اتنا کہہ کر واپس گھر چلی گئی۔ واپس لوٹی تو اس کی گود میں تجل کا بیٹا تھا۔

"یہ لو تجل اپنی امانت۔" زخشندہ نے بچہ اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ تجل کے بے دم ہوتے وجود میں ایک دم سے جان پڑ گئی۔

"میری جان، میرا بچہ......" وہ بے قراری کے عالم میں اپنے لخت جگر کو چومنے لگی۔ وہاں موجود تمام لوگ اسے دم بخود سے دیکھنے لگے۔

"ماں قربان تجھ پر میری جان میرا لخت جگر۔" وہ اسے اپنے سینے سے لپٹائے روہانسی ہوتے ہوئے بولی۔

"ہائے دیکھو ذرا ممتا کی ماری تڑپ رہی ہے بے چاری کا گھر بار سب اجڑ گیا۔"

"ہاں بس اب ایک اولاد کا ہی سہارا ہے۔" محلے والے اس پر ترس کھاتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ان کی باتوں پر تجل نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ہاں بس اب میرا بچہ ہی میرا سہارا ہے۔ میرا بچہ ہی سب کچھ ہے۔" وہ آہستگی سے بڑبڑانے لگی۔

"لیکن مجھے اسے یہاں سے لے جانا ہوگا۔ ورنہ وہ ظالم اسے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

"سنو......اب گھر چلو اپنے، کب تک یہاں باہر بیٹھی رہو گی۔" زخشندہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"نن......نہیں، نہیں میں اس گھر نہیں جاؤں گی۔ یہاں موت کھڑی ہے موت۔" وہ گھبراتے ہوئے بولی۔

"بے چاری کس قدر خوف زدہ ہے۔" وہ سب افسوس سے اسے دیکھنے لگے۔

"پھر کہاں جاؤ گی اور کوئی ٹھکانہ ہے کیا تمہارا؟" زخشندہ ہمدردی سے پوچھنے لگی۔

"اللہ کی زمین بہت بڑی ہے، کہیں بھی چلی جاؤں گی مگر اب یہاں نہیں رہوں گی۔" تجل اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور وہاں سے جانے لگی۔

"سنو رکو تو صحیح، کچھ کھا پی تو لو پھر چلی جانا۔" زخشندہ نے صدا لگائی مگر تجل نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔ وہ چلتی ہی رہی۔

"ہائے بے چاری حرماں نصیب۔" وہ لوگ افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

❁........❁........❁........❁

"آج میں نے فاریہ کے رشتے کے سلسلے میں مہمان بلائے ہیں، آپ مل لیجیے گا اور فاریہ کو بھی سمجھا دیجیے گا کہ وہ بھی

طریقے سے تیار ہو کر ان لوگوں سے ملے۔" دلاور نے بی جی کو صبح سویرے مطلع کیا۔ وہ تب سے حیرت میں تھیں۔ کچھ حد تک اب انہیں اس کی بات میں بھی وزن نظر آنے لگا تھا۔ بخت خاندان کو محبت راس ہی کب آئی تھی۔ جب بھی محبت کا نام لیا قسمت نے زناٹے دار تھپڑ منہ پر رسید کیا تھا اور فاریہ اس سے تو انہیں بے انتہا محبت تھی۔ وہ تو کبھی بھی نہیں چاہیں گی کہ اس کے ساتھ کچھ بھی برا ہو۔ ان ساری باتوں کو سوچتے ہوئے بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ دلاور کی بات مان کر ان لوگوں سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر کار وہ باپ ہے فاریہ کا، اس کے لیے کچھ برا تو نہیں سوچ سکتا۔ یہی سوچ کر انہوں نے فاریہ کو مہمانوں سے ملنے کے لیے آمادہ کرنا شروع کر دیا۔

"دیکھو بیٹا فاریہ، ماضی میں ہم سب پر کیا بیتی ہے یہ تم اب کافی حد تک جان چکی ہو۔" فاریہ کسی قیمت بھی مہمانوں سے ملنے کے لیے راضی نہیں تھی۔ صبیحہ بیگم اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"مگر دادی جو کچھ ماضی میں گزر چکا ضروری تو نہیں وہ اب بھی ہم سب پر بیتے۔" فاریہ بری طرح جھنجھلائی۔

"اس بات کی بھی تو ضمانت نہیں کہ نہ بیتے، فاریہ اس خاندان کے ایک ایک فرد نے عذاب بھگتا ہے اور بیٹا دیکھو میں نے تمہیں بہت محبت، بہت دلار سے پالا ہے۔ تم مجھے بے حد عزیز ہو، میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ جو کچھ ہم سب پر بیتا ہے اس کا ذرا سا بھی اثر تمہاری زندگی پر پڑے۔" صبیحہ بیگم اس کے بالوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے بولیں۔

"دادی کیا آپ کو یہ لگتا ہے کہ پاپا کی بات مان کر میں بہت خوش رہ سکوں گی یا پھر میری زندگی میں صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی؟" فاریہ نے انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ صبیحہ بیگم لب بھینچے اسے دیکھنے لگیں۔

"نہیں دادی میری شادی اگر حماد سے نہیں ہوئی تو میں تب بھی خوش نہیں رہوں گی۔ جس غم، جس مصیبت سے آپ مجھے بچانا چاہتیں ہیں کیا خبر اس شادی کے بعد میں اسی کرب میں مبتلا ہو جاؤں۔" فاریہ کی بات نے صبیحہ بیگم کو لمحے بھر کے لیے دم بخود کر ڈالا۔

"اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو، اللہ نہ کرے کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے میری بچی۔" وہ بمشکل کہہ پائیں۔

"دادی میں اس بخت خاندان کا خون ہوں، اس خاندان کا حصہ ہوں، جو ہونا ہوگا میرے ساتھ وہ ہو کر رہے گا لیکن اس خوف کی وجہ سے کیا میں اپنی زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے کا خواب دیکھنا چھوڑ دوں، کیا میں محبت کرنا چھوڑ دوں پھر کیا ضمانت ہے کہ محبت کیے بنا شادی کروں تو خوشیاں میرا مقدر بنیں؟" فاریہ کے سوالوں نے انہیں خاموش کر ڈالا تھا۔

"دادی پلیز ان توہمات سے نکلیں، ماضی میں جو کچھ بیتا اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی لیکن میں حماد سے شادی کر کے خوش نہ رہوں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ آپ خود سوچیں ہمارا حماد کے خاندان سے بھلا ایسا کیا تعلق ہو سکتا ہے جو شادی کے بعد میری زندگی جہنم بن جائے۔" فاریہ ان کے خوف و خدشات کو توہمات کا نام دے رہی تھی۔

"میں تمہارے باپ کو کہہ چکی ہوں فاریہ اب اگر تم مہمانوں کے سامنے نہ آئیں تو تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے باپ کا غصہ کیسا ہے۔ اسے پھر نہ میں روک سکوں گی نہ تم۔" صبیحہ بیگم کا لہجہ ہارا ہوا تھا۔ کہیں نہ کہیں انہیں فاریہ کی باتوں میں دم نظر آنے لگا تھا۔

"میں مہمانوں سے ملنے کے لیے تیار ہوں دادی مگر میری ایک شرط ہے۔" فاریہ نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"کیسی شرط؟" صبیحہ بیگم نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"میں مہمانوں سے ملنے کے لیے تیار ہوں لیکن پھر آپ کو حماد کے گھر والوں سے ملنا ہوگا اور پاپا کو کنوینس کرنا ہوگا کہ وہ میری شادی حماد سے کریں۔ بتائیں دادی کیا آپ کو میری یہ خواہش قبول ہے؟" فاریہ نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہے، میں حماد کے گھر والوں سے ملنے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہاری ان لوگوں سے شادی کا فیصلہ میں ملاقات کے بعد ہی کروں گی، دلاور کو کنوینس کرنے کے لیے فاریہ میرے دل کا مطمئن ہونا بے حد ضروری ہے۔“ صبیحہ بیگم نے سوچ بچار کے بعد اپنا فیصلہ سنایا۔

”ٹھیک ہے دادی، مجھے یقین ہے کہ حماد اور اس کے گھر والے آپ کو بے حد پسند آئیں گے۔“ فاریہ نے خوش ہو کر کہا۔

❁......❁......❁......❁

بے وجہ گھر سے نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے
موت سے آنکھیں ملانے کی ضرورت ہی کیا ہے
سب کو معلوم ہے باہر کی ہوا قاتل ہے
یونہی قاتل سے الجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے
ایک نعمت ہے زندگی اسے سنبھال کے رکھ
قبرستان کو سجانے کی ضرورت ہی کیا ہے
دل کے بہلانے کو گھر میں ہی وجہ کافی ہے
یونہی گلیوں میں بھٹکنے کی ضرورت کیا ہے

فاریہ نے اس شام صبیحہ کے کہنے پر ان مہمانوں سے ملاقات کی تھی۔ اس کے اچھے رویے کو دیکھ کر دلاور بھی کافی مطمئن ہو چکا تھا۔ اس نے اسی شب فاریہ کا رشتہ بھی پکا کر دیا اور اسی ماہ شادی کرنے کا عندیہ بھی دے ڈالا تھا مگر فاریہ یہ سب کچھ بہت ضبط کے ساتھ برداشت کرتی رہی، قمر جہاں شدید حیرت میں مبتلا تھیں کہ فاریہ کیسے اس رشتے پر راضی ہوئی مگر حقیقت انہیں رات میں معلوم ہوئی جب فاریہ نے انہیں اپنی اور صبیحہ بیگم کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ قمر جہاں اس کی بات سن کر خاموش سی ہو گئیں۔ وہ پہلے ہی اس خاندان کی سچائی اور پھر دلاور کے رویے کو دیکھ کر شدید پریشانی میں مبتلا تھیں اور جو خود ذہنی اذیت کا شکار ہو وہ بھلا کسی دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ اس لیے جب فاریہ نے اسے حماد کے گھر چلنے کے لیے کہا تو وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے انکار کر گئیں۔

”میں جانتی ہوں قمر آپ خود بہت ٹینس ہیں، میں آپ سے اصرار نہیں کروں گی کہ آپ میرے ساتھ چلیں کیونکہ پاپا کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہے یہ مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں۔“ فاریہ نے قمر جہاں کا ہاتھ تھام کر ان کے احساسات کو سمجھتے ہوئے کہا۔

”شکریہ فاریہ، دلاور کا رویہ، اس کی زیادتیاں، اس کا تضحیک آمیز لہجہ مجھے کس قدر دکھ میں مبتلا کر رہا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میری اب تک سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان سب معاملے میں میرا کیا قصور جو دلاور کے دل میں میرے لیے اس قدر شدید نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ مجھ سے اس قدر بدگمان کیوں ہے؟“ فاریہ کی تسلی پر قمر جہاں بھی اپنے دل کی بات کہہ گئیں۔

”میں خود نہیں سمجھ پا رہی قمر [illegible] مگر آپ اتنا یقین رکھیں کہ پاپا آپ کے ساتھ جو بھی [illegible] رکھیں مگر میں آپ کے ساتھ رہوں گی، آپ کا ساتھ دوں گی۔ کوئی یقین کرے نہ کرے مگر میں یقین [illegible] آپ [illegible] بھی نہیں [illegible]“ فاریہ، قمر جہاں کے گلے سے لگتے ہوئے بولی۔ ان چند دنوں میں اسے اندازہ ہو گیا تھا [illegible] بھی عورت کے لیے زندگی گزارنا کس قدر مشکل ہے اور قمر جہاں تو [illegible]

رہی ہیں۔ اس کے دل میں قمر جہاں کا رتبہ اور ان کے لیے عزت واحترام مزید بلند ہوگیا تھا۔ اسی لیے اسے اپنے ساتھ کا یقین دلاتے ہوئے بولی۔

"میں جانتی ہوں تم میرے ساتھ ہو اور تمہارا ساتھ ہی میرے اندر مضبوطی پیدا کررہا ہے۔" قمر جہاں نے مسکرا کر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بتاؤ تمہاری حماد سے بات ہوئی، کیسا ہے وہ، کب آرہا ہے پاکستان؟" قمر جہاں کو خیال آیا تو پوچھا۔

"میری حماد سے کوئی بات نہیں ہوسکی اب تک۔ بہت عجیب سی صورت حال ہے۔ جب میں کال کرتی ہوں تو وہ ریسیو نہیں کرتا اور جب وہ کال کرتا ہے تو میں ریسیو نہیں کرپاتی۔" فاریہ نے اداسی سے کہا۔

"اوہ...... دونوں ملکوں کے درمیان ٹائم ڈیفرنس بھی تو بہت ہے ناں۔ بہر حال تم اس سے رابطے کی کوشش کرتی رہو مگر ایک بات بتاؤ فاریہ؟" قمر جہاں کو کہتے ہوئے یک دم خیال آیا تو پوچھا۔

"پوچھیں۔ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں؟" فاریہ نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جب حماد اور اس کی فیملی یہاں ہے ہی نہیں تو تم بی جی کو ملوانے کس سے لے کر جارہی ہو؟" قمر جہاں نے حیرت سے پوچھا۔

"رضیہ بی بی سے...... ویسے بھی حماد کے گھر کی خاتون خانہ تو وہی ہیں، انہوں نے ہی حماد کی پرورش کی ہے تو پھر دادی کو ان سے ملوانا تو بنتا ہے ناں، قمر اچھا ہے جو بھی تسلی کرنی ہوگی دادی کو وہ ان سے کرلیں گی۔" فاریہ کے جواب نے قمر جہاں کو مزید الجھن میں مبتلا کردیا۔

"لیکن فاریہ کیا یہ مناسب نہیں کہ تم بی جی کو تب حماد کے گھرانے سے ملواتیں جب وہ لوگ پاکستان آجاتے۔" قمر جہاں نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"اتنا ٹائم ہے کیا میرے پاس قمر؟ پاپا ان لوگوں کو گھر پر لا چکے ہیں، ان کا کچھ پتا نہیں کسی دن اچانک کہہ دیں کہ آج میری منگنی ہے یا نکاح خود بتائیں یار ایسے میں، میں کیا کروں گی؟" فاریہ نے پریشان کن انداز میں اپنا مسئلہ بیان کیا۔

"بات تو تمہاری بھی ٹھیک ہے مگر......" قمر جہاں پرسوچ انداز میں کچھ کہتے ہوئے رک سی گئی۔

"مگر کیا قمر؟" فاریہ نے اسے جزبز ہوتے ہوئے دیکھا۔

"فاریہ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ رضیہ بی بی اس گھر سے جڑے کسی راز سے واقف ہیں اور وہ شبنم بھی اس تصویر والی نیلم سے بے حد مشابہت رکھتی ہے۔ کیا ان اندیشوں کے بعد بھی تمہیں بی جی کو رضیہ بی بی سے ملوانے کے لیے لے جانا چاہیے؟" قمر جہاں نے اپنے اندیشوں کا اظہار کیا۔

"میں نے بھی سوچا تھا اس حوالے سے مگر قمر آج نہیں تو کل۔ کبھی نہ کبھی تو دادی کا سامنا ان لوگوں سے ہونا ہی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ رضیہ بی بی کا اس گھر کے لوگوں سے کیا تعلق ہے۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ مجھے صرف حماد سے شادی کرنی ہے اور اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑا تو میں کروں گی۔" فاریہ اٹل لہجے میں بولی۔

"لیکن فاریہ نہ جانے مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ تمہیں ابھی بی جی کو وہاں نہیں لے جانا چاہیے۔" قمر جہاں ایک بار پھر اسے سمجھانے کی غرض سے بولی۔

"قمر...... اگر میں نے آج یہ قدم نہیں اٹھایا تو پھر شاید کبھی نہ اٹھا سکوں۔ پاپا میرا رشتہ اس شخص سے کرچکے ہیں اور جلد ہی شادی بھی کرنا چاہتے ہیں۔ نہ جانے حماد کی فیملی کو واپس آنے میں کتنا ٹائم لگے۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے۔ بہت جلد کرنا ہے۔" فاریہ کی بات پر قمر جہاں بھی اثبات میں سر ہلا گئی۔ وہ اس کی طرف سے پریشان ضرور تھی مگر کہیں نہ کہیں وہ یہ

بھی جانتی تھی کہ فاریہ جو بھی کر رہی ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ اس شام وہ صبیحہ بیگم کو لے کر حماد کے گھر پہنچ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

"پتا نہیں حماد بابا بھی کب آئیں گے؟ اتنے دن ہو گئے کوئی رابطہ بھی نہیں کیا۔" رضیہ بی بی آج کافی اداس تھیں، بے شک گھر بہت بھرا ہوا نہیں تھا پھر بھی اس گھر کے نفوس نے کبھی بھی، کچھ دنوں کے لیے بھی گھر سے باہر قیام نہیں کیا تھا۔ فیروز حسن کی موجودگی حماد اور شبنم کی شرارتیں، ان کی چھیڑ خانیوں سے گھر میں ہر وقت رونق لگی رہتی تھی اور اب جب وہ سب ہی یہاں موجود نہ تھے تو رضیہ بی بی کو یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ ویسے تو حماد تقریباً روز ہی ان سے کال پر بات کرتا تھا مگر کچھ دنوں سے وہ بھی نہ جانے کہاں غائب تھا۔ رضیہ بی بی ان سب کو یاد کر کے اداس ہو رہی تھیں۔

"اب جب کال آئے گی حماد بابا کی تو میں کہوں گی کہ بیٹا تمہاری اماں بی کا تم لوگوں کے بغیر اب جی گھبراتا ہے، اس لیے اب جلد لوٹ آؤ۔" رضیہ بی بی ان ہی باتوں کو سوچتے ہوئے تمام کام سے فراغت حاصل کر کے کچھ دیر کے لیے آرام کرنے کی غرض سے بستر پر دراز ہوئی تھیں کہ ہونے والی بیل نے انہیں بری طرح چونکا دیا۔

"اوہو...... بھئی اس وقت کون آ گیا؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکلیں۔

"بی بی جی فاریہ بی بی آئی ہیں کسی خاتون کے ساتھ۔" ملازم جو پہلے ہی دروازہ کھول چکا تھا انہیں آ کر مطلع کرنے لگا۔

"فاریہ آئی ہے وہ بھی کسی خاتون کے ساتھ۔ یا اللہ خیر، یہ لڑکی اچھی طرح جانتی ہے کہ حماد اور فیروز صاحب گھر پر نہیں ہیں پھر یہ کسے اپنے ساتھ یہاں لے آئی؟" وہ پریشانی سے سوچنے لگیں۔

"بی بی جی میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" ملازم انہیں بتانے لگا۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم چائے پانی کا انتظام کرو میں جا کر دیکھتی ہوں۔" رضیہ بی بی ملازم کو ہدایت دے کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھنے ہی لگی تھیں کہ اچانک آنے والی فون کال نے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔

"ہیلو بیٹا حماد اچھا ہوا تمہارا فون آ گیا، آج تمہاری بہت یاد آ رہی تھی۔" رضیہ بی بی خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں، سب خیریت ہے، تم بتاؤ سب کیسے ہیں، ارسل بابا، صاحب جی اور شبنم؟" وہ پر اشتیاق سی پوچھنے لگیں۔

"اچھا بیٹا فاریہ آئی ہوئی ہے۔ ملازم نے بٹھا دیا ہے ڈرائنگ روم میں کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی خاتون بھی ہیں۔" رضیہ بی بی نے اسے مطلع کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... ملاقات کرنے آئی ہیں اس کی دادی۔" رضیہ بی بی متعجب ہوئیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا میں جا کر مل لیتی ہوں ان سے ہاں پھر بتاؤں گی تمہیں۔" وہ اسے مطمئن کرتے ہوئے بولیں۔

"فاریہ کی دادی۔" فون کریڈل پر رکھ کر وہ پریشانی سے بڑبڑائیں۔ ان کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

"فاریہ...... مجھے بھی تمہاری سمجھ نہیں آتی، جب حماد اپنی فیملی کے ساتھ ملک سے باہر ہے تو مجھے تم یہاں کس سے ملوانے لائی ہو۔ ان ملازموں سے؟" ملازم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا گیا تھا۔ گھر میں ویرانی محسوس کرتے ہوئے صبیحہ بیگم نے سوال کیا تو فاریہ نے انہیں بتایا کہ حماد اور اس کی فیملی ملک سے باہر ہے ان دنوں۔ صبیحہ بیگم اس بات پر سخت خفا ہوئیں۔

"دادی حماد کی فیملی بھلے ہی باہر ہے مگر اس کی اماں بی یہیں ہیں۔" فاریہ نے جھجکتے ہوئے بتایا۔

''اماں بی یہ کون ہیں، حماد کی والدہ؟'' صبیحہ بیگم نے چونکتے ہوئے اسے دیکھ کر سوال کیا۔
''نہیں حماد کی والدہ کا اس کے بچپن میں ہی ایک حادثے میں انتقال ہوگیا تھا۔ اماں بی نے ہی پھر ارسل اور حماد کی پرورش اور تربیت کی ہے۔'' فاریہ نے مختصراً تفصیل بتائی۔
''ہونہہ......'' صبیحہ بیگم نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ فاریہ بھی خاموش سی بیٹھی رہی۔ کہیں نہ کہیں، کوئی بات اسے بھی پریشان کررہی تھی۔ رضیہ بی بی کا پراسرار انداز، شبنم، اور بخت خاندان کا ماضی یہ تین کڑیاں اگر آپس میں میل کھاتیں تو یہ فاریہ کے لیے کچھ اچھا شگون نہیں تھا مگر دلاور کے فیصلے کے بعد وہ سخت مشکل میں پھنس گئی تھی مگر صد شکر کہ یہاں آنے سے قبل اس کی حماد سے کال پر بات ہوگئی تھی۔ اس نے اسے ساری صورت حال بتادی تھی۔ تمام تفصیل جان کر اس نے بھی فاریہ کو اس کی دادی کی ملاقات اماں بی سے کروانے کا مشورہ دیا تھا۔ حماد نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اماں بی کو بھی فاریہ اور اس کی دادی کی آمد سے مطلع کردے گا۔ حماد سے بات ہونے کے بات فاریہ کافی حد تک مطمئن ہوگئی تھی۔
''السلام علیکم!'' رضیہ بی بی نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے پروقار انداز میں سلام کرتے ہوئے ان دونوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔
''وعلیکم السلام اماں بی۔'' فاریہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
''یہ میری دادی ہیں، آپ سے ملاقات کی غرض سے آئی ہیں۔ حماد نے یقیناً آپ کو بتایا ہوگا۔'' فاریہ نے انہیں صبیحہ بیگم سے متعارف کرواتے ہوئے کہا۔ رضیہ بی بی کی نگاہ صبیحہ بیگم کے بارعب وجود پر ٹھہری گئی تھی۔
''صبیحہ بیگم صاحبہ۔'' انہیں ایک لمحہ لگا سامنے ایک کروفر سے بیٹھی ادھیڑ عمر عورت کو پہچاننے میں۔ یہ چہرہ تو انہیں اکثر خوابوں میں ستایا کرتا تھا۔ وہ اس چہرے کو بھلا بھول بھی کیسے سکتی تھیں۔ لمحوں میں ان کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔ ایک زمانے بعد ان کا سامنا آج اچانک صبیحہ بیگم سے ہوا تھا۔ وہ ان سے جب آخری بار ملی تھی تب رعب و دبدبے کا کیا ہی عالم تھا اور آج ان کا جسم نسبتاً کافی کمزور ہوچکا تھا۔ چہرے پر بھی زمانے کے نشیب و فراز جھریوں کی شکل میں نظر آرہے تھے۔ البتہ رعب و دبدبہ ویسا ہی تھا۔ صبیحہ بیگم بھی سامنے کھڑی رضیہ بی بی کو دیکھ کر بری طرح چونک گئیں۔
''تمہارا چہرہ شناسا سا محسوس ہورہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہیں برسوں سے جانتی ہوں۔'' صبیحہ بیگم بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی شناسائی کی چمک ابھری تھی۔ فاریہ ان دونوں کو دیکھ کر متعجب سی بولی۔
''آپ...... آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتی ہیں؟'' مگر وہ دونوں خواتین فاریہ کی بات کو نظر انداز کرکے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔
''آپ کو مجھے پہچاننے میں مشکل پیش آرہی ہے مگر میں آپ کو پہچان چکی ہوں بیگم صاحبہ۔'' رضیہ بی بی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ان کی بات پر صبیحہ بیگم بری طرح چونکیں۔
''یہ یہ انداز تخاطب مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے۔ تم کہیں...... تم رضیہ تو نہیں؟'' صبیحہ بیگم کے لہجے میں ہزار اندیشے چھپے ہوئے تھے۔
''بالآخر آپ نے مجھے پہچان ہی لیا بیگم صاحبہ۔'' رضیہ بی بی کے چہرے پر استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
''رضیہ تم......! یہ تم ہو؟ آج ایک مدت بعد وقت نے تمہیں پھر سے میرے سامنے لاکھڑا کیا۔'' صبیحہ بیگم نے کروفر بھرے لہجے میں کہا۔ ان دونوں کی ذومعنی گفتگو نے فاریہ کو بھی حیرت میں مبتلا کردیا تھا۔
''یوں کہیں بیگم صاحبہ کہ وقت نے آج ہم دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔'' رضیہ بی بی نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ وقت بڑا ظالم ہے، تمہیں خوف نہیں محسوس ہو رہا اس ملاقات سے رضیہ؟ ہمارا تعلق ماضی میں کوئی شاندار تو نہیں رہا۔" صبیحہ بیگم نے طنزیہ انداز میں رضیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خوف تو محسوس ہو رہا ہے مگر ماضی سے نہیں آنے والے کل سے۔" رضیہ بی بی نے فاریہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ صبیحہ اس بات پر بری طرح چونکیں۔ پرانے تعارف نے تو نئے تعلق پر سے ان کا دھیان ہی ہٹا دیا تھا۔

"میں نے جس دن فاریہ کو اس ساڑی میں ملبوس دیکھا تھا تب سے ہی ماتھا ٹھنک گیا تھا اور پھر آپ کی پوتی اس کی تصویر لے آئی بیگم صاحبہ میں تو اس دن سے ہی خوف کا شکار ہوں کہ بخت خاندان کی لڑکی کا اس خاندان سے تعلق جڑنا کیا کسی قیامت سے کم ہوگا؟" رضیہ بی بی آج صبیحہ بیگم کو سامنے پا کر کھل کر بات کر رہی تھیں۔ فاریہ دنگ سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"بخت خاندان کا جو بھی معاملہ ہے وہ تم سے ہے رضیہ اور تم محض بچوں کی نگران کی حیثیت سے اس گھر میں ہو پھر قیامت کا کیا ذکر؟" صبیحہ بیگم نا سمجھیں سے بولیں۔

"معاملہ تو بے انتہا گمبھیر ہے بیگم صاحبہ، آپ کے خاندان کی ایک نشانی میرے پاس ہے۔ نیلم نے مرنے سے پہلے اپنی امانت میرے حوالے کی تھی اور آج نیلم کی بیٹی اس گھر کی جان ہے۔ خود سوچیں بیگم صاحبہ، یہ بات اگر آپ کے بیٹے کو پتا چل گئی تو کیا قیامت کھڑی نہیں ہو جائے گی۔ وہ تو اس بات سے بھی انجان ہے کہ نیلم سے اس کی کوئی اولاد بھی تھی۔" رضیہ بی بی نے فاریہ کو ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا تو صبیحہ بیگم پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔

"اس کی بیٹی......! اس کی آخری نشانی۔ وہ یہاں ہیں؟"

"ہاں وہ یہاں ہے بیگم صاحبہ، میرے پاس۔" رضیہ بی بی نے زور دے کر کہا۔

"آپ لوگ کس کی بات کر رہی ہیں، کون ہے یہ نیلم، کیا تعلق ہے اس کا پاپا سے؟" فاریہ بری طرح الجھی، چیختے ہوئے لہجے میں بول پڑی۔

"تمہارے باپ کی دوسری بیوی تھی نیلم...... تم اس تصویر کے بارے میں جاننا چاہتی تھیں ناں کہ کون ہے یہ...... تو آج جان لو وہ تصویر تمہاری سوتیلی ماں نیلم کی تھی۔" رضیہ بی بی نے بھی سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"نیلم میری سوتیلی ماں......!" فاریہ کو لگا اس پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔

"طوائف تھی وہ...... اپنے زمانے کی مشہور طوائف۔" صبیحہ بیگم بری طرح چیخ اٹھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

یادوں کی برکھا

آرزو احمد

بارش تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ آج سارا سمندر برس جائے گا، سویرا کے دل کا بوجھ بھی بڑھتا جا رہا تھا اتنا کہ آنسو سمندر کے بھاپ کی طرح آنکھوں میں جم سے گئے ہوں۔ جانے کیوں آج یہ برسات یہ پانی کا شور اس کے دل کو بہت بے چین کر رہا تھا۔ باہر کی تاریکی اور برستا پانی بالکل زندگی میں چھائے سکوت کی طرح تھا جیسے اس کی زندگی میں کبھی کوئی روشنی نہیں تھی اور برسات کی طرح دل اور روح آنسوؤں سے دھل رہی تھی۔

لاشعوری طور پہ سویرا ماضی کی انمٹ یادوں میں کھو گئی، بہت پہلے جب دل ایک آس کے ساتھ دھڑکتا تھا، خاموش نظریں اور جامد لب ایک انجانی خوشی کے ساتھ ساتھ تھے، جب بارش کا موسم اور رم جھم بوندیں دل کو شاداب کر دیا کرتی تھیں۔ آج اتنے زمانے گزر جانے کے بعد بھی سویرا اس احساس کو نہیں بھلا پائی تھی جو احساس اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت سرمایہ تھا مگر چاہتے ہوئے بھی آج اس برسات میں وہ ایسا کچھ بھی محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔

لوگ زندگی میں آتے اور چلے جاتے ہیں مگر آج تک کسی کی زندگی رکی نہیں، ہمیشہ چلتی رہی۔ سویرا کی زندگی بھی اس کے جانے سے رکی نہیں تھی ہاں مگر زندگی کو جینے کے انداز بدل گئے تھے، اب وجود کے اندر سب کچھ خالی ہو چکا تھا مگر زندگی پھر بھی باقی تھی۔ وہ لمحے جو زندگی کا سرمایہ تھے کسی کے جادوئی ساتھ نے سویرا کو بھی خوش گمان کر دیا تھا اور

زندگی اسے بھی حسین لگتی تھی۔

رات کے تین بج گئے تھے سویرا نے کھڑکی کا پردہ جو ذرا سا سرکا کے دیکھا تو باہر کا منظر ہی عجیب اور دلکش تھا اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے پھول، قطار در قطار کھڑے درخت ہر کوئی اس کے ساتھ اشک بار ہیں۔ اسے لگا کہ شاید ان کا دل بھی ٹوٹ گیا ہے آج، مگر نہیں ان کے پاس دل ہی نہیں تو پھر ٹوٹنے کا سوال کیسا......؟ ویران پانی سے بھیگی ہوئی سڑک پر سناٹے کا راج تھا لگتا تھا جیسے یہاں سے آج تک کوئی گزرا نہ ہو بالکل سویرا کے دل کے سناٹے جیسا جہاں سے ابھی ابھی کوئی گزر کر چلا گیا ہے بنا بتائے کہ وہ کہاں جارہا ہے اور کیوں جارہا ہے؟ کبھی دوبارہ ملے گا بھی یا نہیں؟ سویرا کی نظریں اس ویران سڑک پر جم ہوئی تھیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

"تمہیں بارش کیوں اتنی اچھی لگتی ہے؟" اسفند نے اس طوفانی بارش میں سویرا کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"ارے تمہیں اچھی نہیں لگتی کیا؟"

"بس کوئی خاص نہیں، لگتا ہے ہر چیز رو رہی ہو۔" اور اسفند کے اس غیر متوقع جواب نے سویرا کو بہت حیران کردیا تھا۔

"مجھے تو بہت پسند ہے ہلکی ہلکی، بوندا باندی رم جھم کرتیں دل کو خوش کرتیں برسات کی جھڑی میں تو بہت انجوائے کرتی ہوں۔"

"ہاہاہا...... اچھا تو کیا میرے بعد بھی ایسے ہی بارش انجوائے کرو گی؟"

"ہاں پھر جب تم واپس آؤ گے تو تمہارے ساتھ انجوائے کروں گی۔"

"اور اگر کبھی اداس ہوگی تو پھر کیا کرو گی بارش میں؟" اسفند کا سوال اور اس کی آنکھوں کی اداسی سویرا سے چھپی نہیں تھی لمحے بھر کو وہ بھی اداس ہوئی۔

"یہ تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو اسفی۔" وہ اب ناراض ہوگئی تھی۔

"ارے میں تو مذاق کررہا تھا یار تم تو سچ میں ناراض ہوگئی۔"

"ہاں تو ایسی باتیں کیا ہی مت کرو ناں جس سے میں ناراض ہوجاؤں اور اس سے بھی بڑھ کر دکھی ہوجاؤں کیا تم مجھے دکھی دیکھنا چاہتے ہو اسفی؟" سویرا کی آنکھوں میں اُمڈ آنے والے آنسو شاید اسفند یار کو کمزور بنا بیٹھے جب ہی اس نے اپنی نظریں پھیر لی تھیں۔

"یہ رات اتنی طویل کیوں ہوگئی ہے بالکل میرے انتظار کی طرح؟" کھڑکی کے ساتھ لگ کر سویرا مستقل یہی سوچ رہی تھی کبھی برسات کا پانی بہت شور مچاتا تو کبھی ہولے ہولے برستا، چاند تارے روشنی کے تمام اسباب اپنا منہ چھپا کر سو گئے تھے سویرا کا دل آج کی برسات سے مزید بوجھل ہوگیا تھا۔ اچانک ہی اس نے مڑ کر کمرے کا لیمپ روشن کردیا، سوچا پہلے ہی بہت اندھیرا ہے تھوڑی سی روشنی ہوجائے گی۔ مگر ذرا سی روشنی کیا ہوئی ساری یادیں، ساری باتیں، ساری داستانیں بھی ساتھ روشن ہوگئیں۔ اس نے گھبرا کر لیمپ کا بٹن آف کردیا، کمرہ ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا مگر اس کا ذہن اب بھٹک چکا تھا ان یادوں کے دیس میں جہاں زندگی کو اس نے بھی جیا تھا اور جب زندگی اس پر بھی مہربان تھی جب خوشیاں اس کی ساتھی تھیں اور خواب اس کے آنچل سے بندھے تھے، کچھ ان کہے جملے، کچھ بولتی نظروں کا جادو اس کی زندگی میں کسی نور کی مانند اس کی زندگی کی روشنیوں کے عکاس تھے۔

❁.....❁.....❁.....❁

"میں تم کو کیسی لگتی ہوں اسفی۔" سویرا کے اس اچانک سوال پر اسفند یار جو اس وقت اپنی سوچوں میں گم تھا چونک گیا۔

"بہت اچھی لگتی ہو یار۔"

"اچھا کتنی اچھی لگتی ہوں؟"

"الفاظ میں بتانا مشکل ہے شاید میری آنکھوں میں لکھا ہوگا۔ ہاہاہا......"

"ہاں ساری باتیں تمہاری آنکھوں میں لکھی ہیں زبان سے تو تم کچھ کہتے نہیں ہو۔" سویرا نے منہ بسور کے شکوہ کیا،

اس کی اس ادا پہ اسفند یار کا قہقہہ گونجا تھا۔

اگر ایک طرف محبت کرنا آسان ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کو پانا بہت مشکل بھی ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی، مگر یہ اختیار میں نہیں ہوتا کسی بھی انسان کے اور اسفند یار بھی ایک انسان تھا اس کے سینے میں بھی دل تھا روایات، رسم و رواج، زبان کی پاسداری، عہد، قسم ہر چیز سے مبرا ایک انسانی دل تھا جس میں احساس تھا، پیار تھا، محبت تھی، اس پاگل سی نٹ کھٹ سی لڑکی سویرا کے لیے جو اس کی خالہ زاد بھی تھی اور اس کی محبت بھی مگر مجبوریوں کی کچھ بیڑیاں اس کے پیروں سے ایسے لپٹی ہوئی تھیں کہ وہ اپنی چاہت کا اظہار کرنے سے قاصر تھا۔

❁......❁......❁......❁

نہ جانے کیوں آج کی یہ برسات اور رات کی خاموشی سویرا کی روح تک پہ چھائی تھی، تھوڑی دیر پہلے ہونے والی مدھم سی روشنی، ذرا سی چہل پہل، سب معدوم ہوگئی تھی اب بالکل جامد خاموشی چھائی ہوئی تھی، ہر طرف سویرا کے دل کے سارے رستے تاریک اور خاموش تھے۔

چار بجنے والے تھے، تھوڑی دیر میں صبح ہو جائے گی مگر اسے ایسا لگ رہا تھا کہ رات تو ابھی شروع ہوئی ہے، انتظار تو ابھی شروع ہوا ہے، اسے آج بھی یاد تھا کہ رات کے اس پہر جب سارے گھر والے سو جاتے تھے تو اس کی آنکھوں کے دیئے روشن ہو جاتے تھے۔ اسفند یار اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ اکثر راتوں کو سویرا سے گھنٹوں باتیں کیا کرتا تھا اور رات کیسے گزر جاتی تھی دونوں کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا، کیسی حسین ساعتیں تھیں وہ انجان، بے خبر تھے اس بات سے کہ آنے والا وقت اپنے ساتھ جدائی کا دکھ لانے والا تھا، یہ سب سوچ کر سویرا کی آنکھوں کی برسات بھی تیز ہوگئی..... باہر ہونے والی برسات شاید کچھ تھم گئی تھی مگر اب گھبراہٹ نے اس کے دل میں جگہ لے لی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"کیا کہہ رہی ہیں امی آپ، اسفی کیوں چلا گیا؟" سویرا جو ابھی ابھی کالج سے آئی تھی اسفند یار کے کمرے کو خالی پا کر اپنی امی سے اس کے بارے میں فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ گاؤں واپس چلا گیا ہے بیٹا....."

"مگر کیوں امی اسے تو یہاں رہنا تھا اپنا کیریئر بنانا تھا وہ کیوں چلا گیا امی؟" سویرا کی پرنم آنکھیں اس کے دکھ اور غم کی بھرپور عکاسی کر رہی تھیں۔

"ایک بہت پرانے وعدے کی پاسداری کے لیے اسے جانا پڑا بیٹا، بھائی صاحب (اسفند یار کے ابا) نے مرنے سے پہلے اسفند کی بات پکی کر دی تھی اپنے بھائی کی بیٹی سے اور آپا کو قسم دی تھی کہ وہ اس رشتے کو کامیاب بنائیں گی اور ان کی قسم کا احترام کریں گی، آج اسفند یہ عہد نبھانے کے لیے گاؤں گیا ہے اور شاید کبھی واپس نہ آئے، تم اس کو بھول جاؤ بیٹا۔" انہوں نے صاف گوئی اسے بتایا، وہ ماں تھیں سویرا کے دکھ کو جان گئی تھیں مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اسفند یار کا انتظار بے کار ہے وہ کبھی واپس نہیں آئے گا، وہ پہلے صرف اپنی پڑھائی کی تکمیل کی غرض سے خاص اجازت لے کر آیا تھا پڑھائی مکمل کر کے وہ واپس گاؤں آئے گا اور اپنے بابا کا عہد نبھائے گا مگر اس کے دل کو بھی کیا خبر تھی کہ محبت کا روگ لے کر جائے گا واپس اور ساتھ میں کسی کو یہ روگ دے کر بھی جائے گا۔

"ایک بار وہ مجھ سے مل تو لیتا امی۔" سویرا تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی جیسے وہ اپنا سب کچھ ہار چکی ہو، بے خبری میں محبت کی جو آگ اس کے دل میں لگی تھی اب اس کی آنچ سے اس کا پورا وجود جھلس رہا تھا وہ تو یہ سوچ سوچ کر نڈھال ہو رہی تھی کہ جس شخص کو اس نے اتنا چاہا، اس نے اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اس سے مل ہی لیتا محبت کی لگی آگ میں تو وہ جل ہی رہی تھی ساتھ ہی بدگمانیوں نے بھی اس کے دل میں جگہ بنالی تھی۔

"اگر وہ تمہارا انتظار کرتا اور تم سے مل کر جانا چاہتا تو شاید وہ واپس نہیں جا پاتا بیٹا۔" اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھماتے ہوئے سویرا کی امی نے پیار سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا ہے امی؟"

"یہ تمہارے لیے اسفی دے کر گیا ہے، مجھے نہیں پتا

کہ اس میں کیا ہے۔" وہ غائب دماغی سے اس لفافے کو دیکھتی رہی۔

محبت ہر بنی نوع انسان کے لیے ایک آفاقی جذبہ ہے چاہے وہ اس کو حاصل کرسکے یا ناکام ہوجائے مگر یہ ہر انسان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور انسان بے بس اور مجبور ہو کر اس کے دام میں پھنس جاتا ہے۔ سویرا اور اسفندیار بھی اس حادثے سے دوچار ہوگئے تھے، جس کو محبت کہتے ہیں، ساری مجبوریوں اور سچائیوں کے باوجود ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے۔ اسفندیار کو بابا کی زبان کی پاسداری کرنی تھی اسی لیے اس نے یہ محبت اپنے دل میں ہی چھپا کر رکھی تھی مگر یہ آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں سویرا کی طرف اٹھنے والی نظروں میں ہمیشہ محبت کی لو جلتی تھی اور یہ روشنی سویرا سے چھپی نہیں تھی کبھی بھی، سویرا محبت کرتی تھی اسفندیار سے اور کھل کر اظہار بھی کردیا کرتی تھی جس کو اسفند ہمیشہ نظر انداز کردیتا تھا، وہ سمجھتی تھی کہ شاید اس کو اس اظہار کے لیے کچھ وقت درکار ہے مگر وہ غلط تھی وہ تو بس فرار حاصل کررہا تھا اس محبت سے کہ جس کے سمندر میں وہ مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں بند کیے راکنگ چیئر پہ اپنا سر ٹکا کر ماضی کی یادوں میں گم تھی جو ماحول پہ چھائی اس نیم تاریکی کی طرح اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ نہ اسے اجالے کی فکر تھی، بس وہ اندھیروں میں یادوں کو کرید رہی تھی۔ اچانک ہی اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور دراز میں سے پرانی ڈائری نکالی جس میں وہ اکثر تنہائی میں اپنے دل کی ہر بات لکھ دیا کرتی تھی، سائیڈ ٹیبل پہ رکھے لیمپ کو روشن کیا تو اس کی روشنی اس کے گرد طواف کرنے لگی۔ ڈائری کے ساتھ اچانک پرانی البم بھی نکل آئی اور ساری پرانی تصویریں البم سے نکل کر فرش پر بکھر گئیں، سویرا کی نظریں ان تصویروں پر جم سی گئی تھیں جو گزرے ہوئے دنوں کی کہانی سنا رہی تھیں، ایک دم سے ہی سویرا کے کانوں میں وہ قہقہے، امیدیں، دعاؤں کے ملے جلے جملے بازگشت کرنے لگے۔ یہ تصویریں ان گزرے ہوئے دنوں کے تذکرے اور دوبارہ پھر سے سنانے لگے تھے جن میں دل کی خوشی کے بے شمار لمحے قید تھے۔

اچانک ہی سویرا کی نظریں ان تصویروں کے درمیان اس خاکی لفافے پہ گئی جس کو اس نے سالوں پہلے بغیر پڑھے ہی رکھ دیا تھا۔ سویرا وہ لفافہ ہاتھوں میں لیے واپس راکنگ چیئر پر آ کر بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ آج اتنے سالوں بعد اب وہ اس میں لکھی تحریر کو پڑھ سکے گی یا نہیں گو کہ آج اس کے لیے یہ بات بہت مشکل تھی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اسے اس لفافے میں رکھی اس تحریر کو پڑھنا ہوگا۔ ساتھ ہی پرانی ڈائری بھی اس کے سامنے کھلی ہوئی رکھی تھی کہ جس میں اس نے اسفندیار سے دل کھول کر شکایتیں کی تھیں، اپنے ٹوٹتے ہوئے دل کی ساری داستان رقم کی تھی، اس آس پہ کہ شاید ایک نہ ایک دن وہ آ کر یہ سب پڑھ لے گا، اس سے اپنی ہر خطا کی معافی مانگ لے گا، یہ سب سوچ کر سویرا کا دل ایک بار پھر بوجھل ہوگیا تھا، ہر یاد کے ساتھ لکھی گئی وہ ساری تحریریں آج بھی اسفندیار کی منتظر تھیں کہ کاش وہ آنکھیں یہ سب کچھ پڑھ لیں، ان تحریروں کا ایک ایک جملہ ان انگلیوں کی پوروں کے لمس کے لیے منتظر تھا جن کو بہت آس کے ساتھ سنبھال کے آج تک رکھا ہوا تھا۔

کمرہ اب مکمل تاریکی میں ڈوب چکا تھا اور اردگرد بس ان یادوں کے جگنو چمک رہے تھے جو سویرا کی زندگی کا سرمایہ تھے۔ آج مدت بعد کانپتے ہاتھوں سے سویرا نے وہ لفافہ چاک کیا جو اسفندیار جاتے ہوئے اس کے لیے چھوڑ گیا تھا، آنسوؤں سے بھری آنکھوں میں جلن سی پیدا ہوئی یہ دیکھ کر کہ اس میں ایک خط تھا جو اسفندیار نے اس کے نام لکھا تھا۔

کبھی محبت ایک نادانی ہوتی ہے، کبھی ایک امید، کبھی تشنگی، کبھی بے بسی نہ جانے کتنے رنگ ہوتے ہیں اس محبت کے جو ایک انسان دوسرے انسان سے کرتا ہے سویرا کے خط میں بھی جب اسفندیار کی محبت [illegible]

[illegible] کہ ان کی محبت کا [illegible]

رنگ میں چاہے گا مگر آج گزرے ہوئے وقتوں کے ساتھ وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ محبت بس بے بس، لاچار اور مجبور ہوا کرتی ہے ورنہ دنیا میں ہر ایک محبت کی کہانی کا انجام ہمیشہ ایک سا ہوتا ہے، کہیں بھی محبت میں جدائی نہیں آتی، تشنگی نہیں آتی، دکھ اور ملال نہیں آتا۔

"سویرا......!

امید ہے کہ تم ٹھیک ہوگی اور میرے یوں اچانک چلے آنے کے بعد اب سنبھل گئی ہوگی میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح خط کے ذریعے میں تم سے بات کروں گا۔ میں تو ہمیشہ تمہارے روبرو ہو کر اپنے دل کی بات کہنے کا متمنی تھا مگر حالات اور قسمت نے میرا ساتھ بالکل نہیں دیا اور ایسے دوراہے پہ لا کھڑا کردیا کہ جہاں میرے لیے اپنی منزل کا انتخاب کرنا مشکل ہوگیا تھا، تم سے اپنی بے بسی کا تذکرہ کرنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم مجھے مجبور سمجھ کر معاف کردو بلکہ میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور جو شخص کسی کو چاہتا ہے وہ ہی اسے سب سے زیادہ سمجھتا ہے، اس کی بات سنتا ہے، مشکل میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

میں جب لاہور تعلیم کے سلسلے میں آیا تو تم سے ملنے کے بعد ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہوگیا تھا یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو ہاں مگر تم سے ملنے اور تم سے بات کرنے کے بعد یہ ضرور جان گیا تھا کہ تم نے مجھے ناپسند نہیں کیا ہے مجھے یہ بات سوچ کر یقین کرو اب بھی ہنسی آرہی ہے۔" یہ سب پڑھ کر سویرا کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے کاش کہ وہ ابھی یہاں ہوتا تو وہ اس کو بتاتی کہ اس کے لیے سویرا کے دل میں کیا ہے؟ وہ اشکوں کے ساتھ خط پہ نظریں دوڑانے لگی۔

"کاش محبت کرنے والا کبھی مجبور نہ ہو، مجھے آج تمہارے سامنے اپنی مجبوریوں کا ذکر کرتے ہوئے دکھ ہورہا ہے سویرا کیونکہ میں نے سوچا نہیں تھا کہ میں اتنا بے بس اور لاچار بھی ہوسکتا ہوں، تم بھی پتا نہیں کیا سوچ رہی ہوگی میرے بارے میں کہ آخر کیسی عجیب محبت ہے میری مگر تم نہیں جانتیں یہ وہ واحد بات ہے جو میرے دل کو ملول نہیں کرتی کہ میں نے تم سے اس وقت محبت کا اظہار نہیں کیا اگر میں اس وقت تم سے محبت کا اظہار کردیتا اور بعد میں اپنی مجبوریوں کے آگے ہار جاتا تو زندہ نہیں رہ پاتا لیکن مر تو آج بھی گیا ہوں جیتے جی ہاں مگر تم سکون سے ہو اگر جو سچ میں مر جاتا تو تم خود کو کیسے سنبھالتی سویرا۔

اچھا اب اتنا مت رو یار، تمہیں اب خود کو سنبھالنا ہے، ہر حال میں، میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے بہت شکوہ اور گلہ ہے اور وہ سب بجا بھی ہے اور مجھے ساری زندگی اس کی سزا بھی تو ملے گی تم سے الگ رہ کر تم سے جدا رہ کر۔

کبھی کبھی محبت انسان سے خراج مانگتی ہے، محبت کی سچائی کا اس کے یقین کا، اس کے ہونے کا اور انسان کو یہ خراج دینا ہوتا ہے ہر حالت میں، مجھے کبھی بھی یقین نہیں تھا کہ میں یوں اچانک کسی سے محبت کر بیٹھوں گا لیکن تم سے محبت ہوجانے کے بعد یہ دنیا میرے لیے کسی جنت سے کم نہ تھی۔ مجھے تمہاری محبت نے ہمیشہ ایک قوت اور حوصلہ دیا ہے نا جانے کیوں میں خود کو بہت طاقتور اور مضبوط تصور کرتا ہوں مجھے لگتا ہے کہ میں کئی امتحان سے گزر جاؤں گا صرف اور صرف تمہاری محبت کے ساتھ، یقین کرو سویرا میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ مجھے معلوم ہے تم میرا یہ خط بہت عرصے کے بعد پڑھو گی کیونکہ تمہیں غصہ جو ہے مجھ پر اور ٹھیک بھی ہے تمہارا حق ہے مگر پلیز میری طرف سے بدگمان مت ہونا جو راستہ میں نے چنا تھا وہ میرے اندر موجود انسانیت کی بقا کے لیے بہت ضروری تھا، تمہاری محبت تو میرے دل کا آج بھی اجالا ہے مگر میرا وہ فیصلہ کسی کی زندگی میں روشنی کا وسیلہ تھا، اسی لیے میں نے اس وقت اپنے دل کو خاموش کروادیا تھا کیونکہ کسی کی زندگی کو روشنی کی ایک کرن چاہیے تھی جو میری ذات سے وابستہ تھی۔

میں سائرہ کی بات کررہا ہوں جو اب میری بیوی ہے اور میرے چھوٹے چچا کی بیٹی اور بابا کے چہیتے بھائی کی بیٹی بھی، بہت عرصہ پہلے ایک کار ایکسیڈنٹ میں سائرہ کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی تھی، چچی کا تو اس حادثے میں انتقال ہوگیا

تھا اور چچا جان بھی کافی زخمی ہوئے تھے جن دنوں وہ اسپتال میں تھے ان دنوں انہوں نے بابا سے وعدہ لیا تھا شاید وہ جان گئے تھے کہ اب وہ زندگی کی بازی ہار جائیں گے اور پیچھے ان کی معذور بیٹی کو کون پوچھے گا اسی لیے انہوں نے میرے اور سائرہ کے رشتے کی بات کو اسپتال میں ہی پکا کردیا تھا اور بابا جان نے وعدہ کیا تھا کہ جیسے ہی اسفندیار کی تعلیم مکمل ہوگی ان دونوں کی شادی کردی جائے گی یہ بات مجھے لاہور آنے سے پہلے معلوم نہیں تھی۔ اپنے آخری سمسٹر سے پہلے جب میں گاؤں گیا تھا تو دل میں فیصلہ کرچکا تھا کہ میں اماں سے تمہارے بارے میں ضرور بات کروں گا اور ان سے کہوں گا کہ جیسے ہی مجھے اچھی سی نوکری ملے گی آپ خالہ جان سے سویرا کا ہاتھ مانگ لیجیے گا مگر مجھے یہ بات کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی کیونکہ اماں خود بہت بے چینی سے میری منتظر تھیں کہ میں جلدی گاؤں آؤں اور سائرہ سے باقاعدہ نکاح کرکے چلا جاؤں کیونکہ میرے پیچھے گاؤں والوں نے باتیں کرنا شروع کردی تھیں کہ میں اب واپس نہیں آؤں گا اور اماں کو یہ خوف تھا کہ مرنے والوں کے درمیان جو عہد ہوا تھا وہ کہیں ختم نہ ہوجائے پھر اماں نے مجھے سارے معاملے سے آگاہ کیا اور سوال کیا کہ بیٹا کیا آج اتنے سالوں بعد تم اپنے مرے ہوئے باپ کے عہد کو توڑ دو گے؟ گاؤں والوں اور برادری والوں کے سامنے کیا تم اپنے بابا کو جھوٹا ثابت کردو گے؟ میں اماں کی بات سن کر تڑپ گیا، سوچا ایسا کیسے ہوسکتا ہے میں چاہتا تو تمہارے پاس واپس لوٹ آتا ہمیشہ کے لیے، خودغرض بن جاتا مگر سویرا تم ہی بتاؤ کیا میں بابا کی روح کو دکھی کرکے اور اماں کو غم دے کر زندگی بھر خوش رہ پاتا، شاید نہیں گو کہ خوش تو میں اب بھی نہیں ہوں تم سے جدا ہوکر ہاں مگر میری ذات سے دوسروں کو ضرور خوشی اور اطمینان میسر آگیا ہے خاص کر سائرہ کو جو اس بھری دنیا میں صرف اور صرف میری صورت میں اپنا واحد سہارا دیکھ رہی تھی۔ اپنے لیے تو دنیا کا ہر انسان جیتا ہے مگر یہ بڑی بات ہے کہ کوئی دوسروں کے لیے بھی جیئے، میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہرگز نہیں کررہا مجھے بھی میرے اس فیصلے سے بہت دکھ اور تکلیف ہوئی تھی مگر اس وقت دل سے زیادہ دماغ کی سننا بہتر تھا کیونکہ میرے اس فیصلے سے بس میرے دل کی دنیا اجڑ رہی تھی اور اس کے بدلے بہت سے لوگوں کو خوشی اور سکون مل رہا تھا۔

سویرا اگر میں اس وقت یہ فیصلہ نہیں کرتا تو پھر وعدے، عہد، زبان کی پاسداری سے لوگوں کا یقین ختم ہوجاتا پھر کوئی شخص سکون سے مر بھی نہیں پاتا یہ سوچ کر کہ اس کے پیچھے اس کی اولاد کا کیا ہوگا، بہرحال یہ عہد اور قسم نبھانا انہی لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ جن پر بھروسہ کیا جاتا ہے، میں دنیا میں خوش رہنے کی خاطر اپنے مرے ہوئے باپ کا بھروسہ کیسے توڑتا سویرا۔'' سویرا بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسفندیار کی وہ ساری باتیں پڑھ رہی تھی جس سے وہ اتنے عرصے تک نا آشنا رہی تھی اور اس نے نہ جانے اسفندیار کے بارے میں کیا کیا سوچ لیا تھا مگر آج اسفند کا خط پڑھ کر اور اس کی یہ قربانی دیکھ کر جو اس نے دوسروں کی خوشیوں کی خاطر دی تھی اس کی قدر آج سویرا کے دل میں اور بھی بڑھ گئی تھی جتنی محبت وہ اس سے اس وقت کرتی تھی آج وہ محبت دگنی ہوگئی تھی۔

''شاید یہی وجہ تھی اسفی کہ میں آج بھی تمہیں بھلا نہیں سکی، لاکھ کوشش کے باوجود تمہارا تصور اور تمہاری یاد میرے ذہن سے مٹ نہیں سکی، میں تمہیں خودغرض اور دھوکہ باز سمجھتی تھی خود ہی سے میں نے یہ سب کچھ سوچ لیا تھا آج تک کسی اور سے بھی تمہارے یوں اچانک چلے جانے کی وجہ نہیں پوچھی کتنی پاگل تھی میں بھی میں تمہیں کیا سمجھتی تھی اور تم، تم تو میرے تصور سے بھی زیادہ اچھے نکلے۔'' نم آنکھوں کے ساتھ سویرا کے ہونٹوں پہ لب مسکراہٹ تھی۔ اس نے خط کے دوسرے صفحہ پر نظریں دوڑائیں۔

''خود کو تم سے جدا کردینا آسان نہیں تھا سویرا مگر میں یہ بھی کرگزرا۔'' سویرا اب باقی کی تحریر پڑھ رہی تھی۔

''میں جب لاہور سے تم سے ملے بغیر واپس آرہا تھا تو میرے ساتھ صرف اور صرف تمہاری محبت کی وہ ان دیکھی طاقت تھی جو مجھے اس راہ پہ چلنے کا حوصلہ دے رہی تھی مجھے نہیں پتا تھا کہ جس عہد کو نبھانے میں جارہا ہوں اسے کیسے

نبھاؤں گا مگر تمہارے تصور اور تمہاری محبت نے مجھے بہت حوصلہ دیا تھا میں جانتا تھا سویرا کہ میں تمہیں دکھ دے کر جارہا ہوں مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ حقیقت جاننے کے بعد تم دکھی نہیں رہو گی اسی لیے میرے اس خط کو جلدی پڑھ لینا اور اس حقیقت کو بھی جان لینا تاکہ تمہارے بے چین دل کو قرار آجائے اور شاید میرے مضطرب وجود میں بھی سکون اتر آئے اور میں خود کو معاف کرنے کی کوشش بھی کرسکوں۔

مجھے نہیں پتا کہ اب زندگی میں کبھی تمہارا سامنا ہوگا بھی یا نہیں میں سائرہ سے شادی کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے بیرون ملک چلا جاؤں گا، ہاں لیکن دل میں تم سے ملنے کی خواہش ضرور زندہ رہے گی لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی تم سے ملاقات ہوگئی تو مجھے شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ تم اس وقت تک اس حقیقت کو جان جاؤ گی جو میں خود تمہیں نہیں بتاسکا تھا۔" اب زندگی کے سارے لمحے سویرا کی آنے والی زندگی کے ساتھ جڑ گئے ہیں، وہ تحریر جو وہ آج تک نہیں پڑھ سکی تھی اب اس کا ایک ایک لفظ اس کی ہستی کے ساتھ پیوست ہوچکا تھا۔

برسات کی برستی ساری بوندیں سویرا کے بہتے آنسوؤں کے ساتھ مل گئی تھیں۔

اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ حوالے نہیں ہیں اب زندگی میں جن کی تلاش میں اس کا لمحہ لمحہ پیاس ہوا تھا، نا ہی وہ رہ گزر تھیں زندگی میں جن پہ چلنے کو اس کا ہر ایک قدم بے تاب تھا۔ نا وہ ساتھ، نا وہ ساتھی تھا جس کے ہونے سے زندگی کل رہگزار تھی، اب تو انتظار کے سب استعارے بھی ختم ہوگئے تھے نا وہ باتیں تھیں، نا شکایتیں تھیں۔ زندگی میں تھی تو بس یہ برسات تھی اور اب اس کے بعد کا سناٹا ہوگا اور شاید اندھیرا بھی۔

"میں تم سے یہ نہیں کہوں گا سویرا کہ تم مجھے معاف کردو اور شاید میں اس معافی کا مستحق بھی نہیں ہوں کیونکہ خطا تو بہرحال مجھ سے ہوئی ہے، محبت کرنے کا جرم تو میں نے کیا ہے تمہاری محبت کے جذبے کو اپنی روح تک اتارا ہے میں نے، بدلے میں مجھے بھی کچھ نہیں ملا تمہاری طرح، میں بھی تشنہ رہ گیا اور ہم دونوں ہی پابجولاں عشق کے صحرا میں بھٹک گئے بغیر اس یقین کے کہ منزل ملے گی بھی یا نہیں، نہ جانے یہ سزا کافی ہے یا پھر کچھ اور سزائیں منتظر ہیں ہاں مگر جب تم میرا یہ خط پڑھ کر حقیقت جان جاؤ گی تو شاید تھوڑا سا سکون میرے دل کو بھی مل جائے گا مگر سویرا میں تمہیں اپنی زندگی کی آخری سانس تک فراموش نہیں کرسکوں گا۔ اس کے ساتھ میں یہ کوشش بھی کروں گا کہ جو عہد میں نبھانے کے لیے نکلا ہوں اسے مکمل طور پر اور اچھی طرح نبھاسکوں، کوشش کروں گا کہ یہ احساس کسی کو بھی نہ ہو کہ میں نے اپنی چاہت کی قربانی دے کر اس قسم کو نبھایا ہے اور میں یہ بھی جانتا سویرا کہ تمہیں ذمہ داریوں سے بھاگنے والے لوگ بالکل اچھے نہیں لگتے۔

ایک وعدہ میں تم سے بھی کرتا ہوں کہ میں یہ ذمہ داری اٹھانے کی پوری پوری کوشش کرتا رہوں گا اور اپنی قربانی کو ضائع نہیں کروں گا بس تم مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا پہلے کی طرح۔

تمہارا خطاکار

اسفندیار"

صبح ہونے میں کچھ لمحے ہی رہ گئے تھے رات ختم ہونے والی تھی اور خط کے الفاظ بھی ختم ہوگئے تھے۔ آج اسفندیار کی وہ دل کی بات سویرا تک پہنچ گئی تھی جس کو سننے کے لیے وہ منتظر تھی، بہت دور سے اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہوچکی تھیں اور یہ احساس دلا رہی تھیں کہ حیات ابھی کہیں باقی ہے۔

کمرہ ایک بار پھر روشن ہوچکا تھا، تھوڑی دیر پہلے جو بجلی چلی گئی تھی وہ واپس آگئی تھی سویرا کے ہاتھ میں وہ خط اور پرانی ڈائری تھی جو گزرے ہوئے ماہ و سال کی خوشبو سمیٹے ہوئے تھی اور نیچے گری ہوئی وہ تصویریں جن کا اجلاپن آج بھی ویسا ہی تھا، سویرا نے بڑھ کر ساری تصویریں سمیٹ لیں اور خط کو ڈائری کے اندر رکھ کر ڈائری کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دیا......

اب گھر کے قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آنا شروع ہوگئی تھی، بارش بھی قدرے تھم گئی تھی، نمازیوں کی سڑک پہ چہل

پہل بھی شروع تھی سویرا نے بھی اٹھ کر نماز کے لیے وضو کیا، اذان کی آواز سماعتوں میں گونج رہی تھی اور سویرا کے دل کو سکون مل رہا تھا۔

روتے ہوئے سویرا کی پلکیں آنسوؤں کے بوجھ سے بوجھل ہو چکی تھیں یوں لگتا تھا کہ جیسے آج کی رات آنسوؤں کی بھی برسات ہوئی تھی مگر کسی نے یہ بات بالکل ٹھیک کہی ہے کہ غبار اور حبس دل میں ہو یا آسمان میں برس جائے تو سب ہلکا پھلکا محسوس ہوتا ہے گزرے ہوئے دنوں کی بدگمانی ایک غبار بن کر سویرا کے دل پہ چھا گئی تھی لیکن آج اسفندیار کا خط پڑھ کر جس حقیقت سے وہ آشنا ہوئی تھی وہ اس کے دل کے بوجھ کو ہلکا کردینے کے لیے کافی تھا آج جو آنسو سویرا کی آنکھوں سے بہے تھے اس نے سویرا کے دل کا غبار کم کردیا تھا۔

کچھ دیر میں بالکل روشنی ہوجائے گی لوگ اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہوجائیں گے سویرا کو بھی اب ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا ہے وہ یادیں جو سویرا کے ماضی کا حصہ تھیں اور وہ حقیقت جس سے وہ گزشتہ رات آشنا ہوئی تھی وہ اب اس کی زندگی کی نرم گرم دھوپ کی طرح ہیں جو ہر پل، ہر لمحہ سویرا کے ساتھ رہیں گی اور اس کی آنے والی زندگی میں ایک خوشبو کی طرح اس کی زندگی کو مہکاتی رہیں گی ہاں مگر اب وہ ملول نہیں ہوگی اور بدگمان بھی نہیں ہوگی حالانکہ اس کے ہاتھ خالی ہیں مگر اس کے دل کو ایک سکون ضرور مل گیا ہے کہ جس شخص کو وہ چاہتی رہی تھی وہ ایک اچھا انسان ہے، وہ خودغرض اور کم ظرف نہیں ہے وہ ایک عظیم انسان ہے اور اس کو تو عظیم کہا جاتا ہے ناں جو اپنے راستوں میں بکھرے پھولوں کو چھوڑ کر دوسروں کی راہوں کے کانٹے چن لے اسفندیار بھی ایسا ہی انسان تھا آج سویرا کو اپنی پسند اور محبت پہ فخر محسوس ہو رہا تھا اور وہ اسفندیار کے لیے دل سے دعا گو تھی کہ جس ذمہ داری کو اس نے اٹھلیا ہے اسے ہمیشہ خوش اسلوبی کے ساتھ نبھاتا رہے۔

آج وہ جان گئی تھی کہ اسکی اسے کتنا چاہتا ہے اور یہ بات اسے مسرور کررہی تھی کہ اتنا اعلیٰ ظرف انسان اسے چاہتا ہے، اس کا خیال کرتا ہے، سویرا کو یقین تھا کہ اسفندیار کے دل میں آج بھی اس کا خاص مقام ہوگا۔ سویرا اپنی سوچوں میں گم تھی اور باہر اجالا ہو چکا تھا ہر چیز گزشتہ رات کی بارش سے دھل کر اجلی اور روشن ہو چکی تھی۔ ہر شے پر گزشتہ برسات کی ننھی ننھی بوندیں اب بھی چمک رہی تھیں بالکل سویرا کی زندگی کی یادوں کی طرح۔

کچھ لوگ زندگی میں موجود نہ ہوکر بھی ہمیشہ زندگی کا حصہ رہتے ہیں، اسفندیار بھی سویرا کی زندگی کا وہی حصہ تھا اور سویرا اسفندیار کے ساتھ تھی اب بھی خوشبو کی طرح ایک روشنی کی طرح۔ محبت میں ملن ضروری نہیں ہاں مگر دلوں میں ایک دوسرے کا ایک خاص مقام ہوجانا اور ایک احساس کا ہمیشہ زندہ رہنا محبت کے امر ہونے کی دلیل ہے اور پھر یوں ہوتا ہے کہ محبت لازوال ہوجاتی ہے۔

سات سمندر پار اسفندیار کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی اور آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں ہونٹوں پہ ایک مسکراہٹ تھی جو اس کے دل کے اطمینان کا پتا دے رہی تھی اسفندیار کے ہاتھوں میں سویرا کی شادی کا کارڈ تھا جو ابھی اس کے پاس آیا تھا اور یہ کارڈ اس بات کا غماز تھا کہ سویرا نے اپنی سزا ختم کردی ہے اور اسے معاف کردیا ہے۔

دور کھڑی سائرہ یہ منظر دیکھ کر مسکرا رہی تھی کیونکہ وہ بے چین تھی کہ وہ اپنے اس محسن کو خوش اور مطمئن دیکھ سکے اور آج وہ دن آ گیا تھا، نئی اور روشن امیدوں کی بازگشت اب چاروں طرف سے سنائی دے رہی تھی ہر منظر صاف اور اجلا تھا اور یہ زندگی خوشیوں کی منتظر تھی جو بس راستے میں ہی تھی اور یادوں کی برسات تھم چکی تھی۔

ختم شد

دل کوکسی کا ملال تھا

نادیہ احمد

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے

وہ اب تک حیرت میں تھی۔ رات اس نے جاگ کر گزاری تھی اور اب اس پل یہ سوچ کر حیران تھی کہ آخر ایسی کیا مجبوری تھی کہ اس نے اذان کے آگے لب نہ کھولے۔ کیوں اسے روک کر سچائی نہ بتائی۔ کل رات ہوئے اتنے بڑے انکشاف کے باوجود وہ کیوں اذان کا اپنی جانب بڑھا ہاتھ جھٹک نہ پائی۔ آپریشن نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ماں کی موت ہوئی یہ بات تو اب اس پہ واضح ہو چکی تھی مگر کیا مفاد تھا اذان کا اس سے سچائی چھپانے کے پیچھے، جبکہ وہ بات شرجیل کو بھی معلوم تھی۔ آپریشن نہیں ہو سکا یا جان بوجھ کر نہیں ہونے دیا گیا، یہ سوال بھی اپنی جگہ موجود تھا تو کیا احسان کا بھاری پتھر اس کے کاندھوں پہ لاد کر اذان اس کے قریب ہونا چاہتا تھا؟

اس کے سوال بعد کئی سوال اسے بے چین کر رہے تھے۔ وہ جواب چاہتی تھی مگر سوال کرنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ دل میں کہیں ناں کہیں بدگمانی سر اٹھا رہی تھی، اس کے اندر شور تھا مگر باہر سناٹا اور اس سناٹے میں فقط اذان کی دھیمی آواز خاموشی کے پردے کو چیر رہی تھی۔ ذہن اتنا منتشر تھا کہ وہ چاہ کر بھی اذان کی بات پہ توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ حالانکہ وہ پوری کوشش کر رہی تھی مگر اس کے لفظ سماعتوں سے ٹکرا کر سمت بدل لیتے تھے۔ فقط خاموشی سے وہ اس کے سینے پہ سر

لگائے لیٹی اس کی دھڑکن کی آواز بھی باآسانی سن سکتی تھی مگر اس پل اس تمہید کو سمجھنے سے قاصر تھی جو اذان اسے سنا رہا تھا۔

"ہر بات کہی نہیں جاتی یا پھر شاید مجھے کہنے کا ڈھنگ نہیں آتا کہ میں کبھی کسی سے کھل کر اپنے دل کی بات نہیں کر پایا، کبھی اپنے جذبات اس انداز میں بیان نہیں کر سکا جو میں محسوس کرتا ہوں اور شاید اسی لیے میں ہمیشہ اپنے بہت قریبی لوگوں سے بہت دور کھڑا رہا ہوں۔ ان کی قربت سے محروم رہا ہوں کیونکہ میں نے ہمیشہ اپنی فیلنگز کو سب سے چھپا کر رکھیں۔" اس کے بالوں کو انگلی سے سہلاتے وہ شاید کسی اور ہی دنیا میں تھا۔ اس بات سے یکسر بے نیاز کہ عائشہ اس کی بات سن بھی رہی ہے یا نہیں، سمجھ رہی ہے یا نہیں۔ وہ اسے اپنے دل کا حال سنا رہا تھا۔

"تم شاید نہ کہنے کی اذیت نہیں جانتی ہو عائشہ مگر یہ سچ ہے کہ تم سے شادی واقعی میری مجبوری تھی۔" یہ پہلی بات تھی جو عائشہ کو پچھلے پندرہ منٹ میں سمجھ میں آئی تھی۔ وہ جیسے اس کے سامنے اعتراف کر رہا تھا مگر اس اعتراف میں بے بسی کا رنگ نمایاں تھا۔

"مجھ جیسا شخص جو زندگی کو ہمیشہ اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتا ہو، اس کے لیے کیا اذیت ہوگی کہ کسی کا ساتھ اس کی مجبوری بن جائے۔" وہ زخمی لہجے میں مسکرایا، جیسے اس پل خود پہ ہنسا ہو۔ یک دم ہی اس کی ساری حسیات بیدار ہوئیں۔

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں؟" اس نے تکیے سے سر اٹھا کر عائشہ کے چہرے کو دیکھتے سوال کیا۔ عائشہ اس پل اذان کو دیکھ نہیں رہی تھی۔ اس میں ہمت ہی نہیں تھی کہ اس کی سمت دیکھ سکے۔ ہاں مگر اس نے اس کی نظروں کی حدت کو محسوس کر لیا تھا۔ ان شعلوں کی تپش سے اس کا وجود دہک رہا تھا۔

"میں نفرت کروں گا تم سے؟" سر کو جھٹکتے وہ دھیما سا مسکرایا۔

"نہیں عائشہ..... میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا۔" ایک گہرا سانس لیتے اس نے سر دوبارہ تکیے پہ رکھتے اپنی ناکامی کو قبول کیا۔

"پہلی بار اس دل نے کوئی تمنا کی تھی۔ پہلی بار کسی کا ساتھ پانے کی آرزو دل میں جاگی تھی۔ جینے کی خواہش نے سر اٹھایا تھا۔ میں نے خود کو کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا لیکن جب تمہارے جانے کا سنا تو مجھے لگا زندگی ہاتھ چھڑا رہی ہو، میں تم سے بے تحاشا محبت کرتا ہوں عائشہ..... تم سے شادی بھی اس لیے کی کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

اس کے بالوں کو چومتے وہ دھیرے سے بولا۔ عائشہ نے پہلی بار سر اٹھا کر اذان کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں بے یقینی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اذان کی باتیں اسے بے یقینی کی گہری کھائی میں دھکیل رہی تھیں۔ شاید یہ سچ نہیں تھا۔ شاید پوری رات پریشانی اور ذہنی دباؤ میں جاگنے کے سبب عائشہ کا ذہن خوش خیالی کے سنہری خواب بن رہا تھا ورنہ کہاں وہ اور کہاں اذان۔ وہ جو خود تہی داماں ہے، جس کی ہر آرزو حیات کی نظر ہوگئی، بھلا وہ کسی کی خواہش کیسے ہو سکتی ہے؟

"مجھے لگتا تھا تم میری فیلنگز کو سمجھ سکتی مگر پتا نہیں تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں تمہیں ناپسند کرتا ہوں؟" وہ الجھن کا شکار تھا۔ عائشہ کو اب اندازہ ہوا کہ اذان دراصل اس سے یہ سب باتیں کیوں اور کس لیے کر رہا ہے۔ پچھلے چند دنوں میں ان دونوں کے درمیان جو ہم آہنگی پیدا ہوگئی تھی اس نے اذان کو یہ باور کروایا تھا کہ عائشہ اس سے بدگمان ہو رہی ہے۔ وہ ان کے رشتے کو ایک احسان سمجھ رہی ہے اور شاید وہ حق بجانب تھی کیونکہ اذان کے کسی بھی رویے سے عائشہ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اس میں دلچسپی رکھتا ہے۔

وہ یک ٹک اذان کو دیکھتی رہی اور پھر بنا کچھ کہے وہاں سے اٹھ کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی اور اذان حیران رہ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

کتنا حسین انکشاف تھا مگر بہت غیر متوقع اور شاید وقت بھی بہت غیر مناسب تھا۔ دل تو بہت پہلے اس شخص کی طرف مائل تھا۔ محبت کی کونپل دل میں بہت پہلے پھوٹ چکی تھی مگر جن حالات میں وہ زندگی بسر کر رہی تھی، اپنے دل میں جھانکنے کا ہوش ہی کب تھا۔ وہ اس کے لیے دور افق پہ

جگمگاتا چمک دار ستارہ تھا جسے ہاتھ بڑھا کر چھونے کی تمنا تو کی جاسکتی ہے مگر حاصل کبھی نہیں کیا جاسکتا۔ قسمت سے وہ ستارہ اس کے دامن میں آ گرا تھا مگر بے یقینی و خوف کی تپش سے اس کا وجود جھلس رہی تھی۔ اس وقت عائشہ، اذان کے جذبات کو محسوس کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اذان کے لیے اس کی حیرت ہرگز غیر متوقع نہیں تھی مگر اس کی خاموشی نے اسے ضرور پریشان کردیا تھا۔ وہ اپنے احساسات کا اظہار کرچکا تھا، جو اس کے لیے ہرگز آسان نہیں تھا مگر عائشہ کی سرد مہری اس کے لیے ایسی دیوار تھی جو اس کے لیے ڈھانا فی الحال ممکن نہ تھا۔ اس کا یوں کچھ کہے بنا اس کے پاس سے چلے آنا اذان کے لیے حیرت کا باعث تھا۔ اسے امید نہیں تھی عائشہ سے اس رکھائی کی۔ وہ تو یہ سمجھنے سے بھی قاصر تھا کہ آخر اس نے عائشہ کو سچائی بتا کر کیا غلطی کی ہے۔ جبکہ وہ اسے احساس کمتری سے نکالنا چاہتا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا اس احساس کمتری کے درمیان بدگمانی اپنی جگہ بنانے لگی ہے۔ وہ اگر اسے شرجیل والی بات بتادیتی تو شاید اس کی ساری الجھن دور ہوجاتی مگر اس نے تو لبوں کو سی لیا تھا۔ یوں بھی وہ اجنبی تھی کہ ان کا تعلق وقتی ہے۔ اذان کو سچائی کا پتا چلا تو سب کچھ ختم ہوجائے گا۔ وہ اپنی زندگی کے ایک ایسے امتحان سے گزر رہی ہے جس کا نتیجہ بھی اسے بہت اچھی طرح معلوم تھا۔ اذان کے ماضی سے جڑی کہانی وہ صلیب تھی جس پہ جلد یا بدیر ان کا رشتہ ضرور سولی چڑھنے والا تھا۔ ان حالات میں وہ خود اذان سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں چاہتی تھی کہ جب منزل اور راستے الگ ہوں تو ساتھ چلنے کی امید بیکار ہے۔ جتنی نفرت کا اظہار اذان اس کے سامنے کرچکا تھا یہ کیسے ممکن تھا وہ اس کی خاطر صابر کو معاف کردیتا؟ یقیناً یہ ناممکن تھا اور عائشہ اسی لیے اپنے دل میں کوئی امید قائم کرنے سے خوف زدہ تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

اذان اور عائشہ کی شادی کی خبر وہ بجلی تھی جو شرجیل کی بدولت راہینہ پہ گری تھی۔ وہ خود تو کل سے جل رہا تھا، ساتھ ہی اس نے راہینہ کو بھی سلگا دیا تھا۔

"تم یقیناً میری بات کا اعتبار نہیں کروگی، اس لیے اگر یقین نہ آئے تو جا کر خود کنفرم کرلو۔ عائشہ ان دنوں اذان کے ساتھ رہ رہی ہے اور جہاں تک میں اسے جانتا ہوں۔ وہ بنا تعلق اس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔" اس نے راہینہ کو کال کرکے جتاتے ہوئے تفصیل سے آگاہ کیا۔ دوسری طرف راہینہ بالکل خاموش تھی کہ ایک بار تو شرجیل کو لگا کہ لائن ڈراپ ہوگئی ہے۔ چند لمحوں بعد راہینہ نے بنا کچھ کہے کال کاٹ دی تھی۔ شرجیل کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ وہ جانتا تھا اب راہینہ کے ذریعے یہ اطلاع خاندان والوں تک پہنچ جائے گی، جس سے یقیناً آشیانہ کے در و دیوار لرزیں گے اور شگاف پڑے گا اذان اور عائشہ کے رشتے میں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ خبر وہاں سب کے علم میں ہے بلکہ بی بی جان کی رضامندی سے ہی اذان نے شادی کی ہے۔

دوسری طرف راہینہ کے لیے بھی یہ بات اذان کی شادی کی خبر سے بڑھ کر چونکا دینے والی تھی بلکہ قدرے مایوس کن ثابت ہوئی تھی۔ سنبل اس معاملے میں بے اختیار تھیں تو دوسری طرف ہاجرہ بیگم مطمئن۔ وہ جیسے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ اذان سے محبت اتنی شدید نہیں تھی جتنی اسے پانے کی ضد، اچانک اس کا راہینہ کو چھوڑ کر ایک معمولی سی لڑکی سے شادی کرلینا، اسے اپنی ہار سے بڑھ کر توہین محسوس ہورہا تھا۔ اذان یہ بارہا کرچکا تھا۔ ہر بار وہ راہینہ کو اپنے رویے سے تکلیف پہنچاتا آیا تھا اور اس بار تو اس نے ہر حد پار کردی تھی۔ راہینہ کے اندر شعلے سلگ رہے تھے۔ وہ پوری دنیا کو جلا کر راکھ کردینا چاہتی تھی اور اس نے یہی کرنا چاہا مگر راحیلہ بیگم نے اسے روک لیا تھا۔ البتہ وہ پچھلی بار کی طرح خود بی بی جان کے پاس شکایت کرنے پہنچ گئی تھی۔

"اتنا سب کچھ ہوگیا اور آپ لوگوں نے ہمیں اندھیرے میں رکھا، آپ کو کیا لگتا تھا سچائی ہمیں پتا نہیں چلے گی؟" اس نے باقاعدہ جھگڑنے کے انداز میں بات شروع کی۔

"مجھے تو خود علم نہیں تھا اس بارے میں۔" سنبل نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"بس کرو ڈراما۔ بیٹے نے بیاہ رچالیا اور تمہیں کچھ معلوم ہی نہیں۔ اتنا احمق سمجھ رکھا ہے مجھے تم نے کہ میں

تمہاری اس بودی دلیل پہ یقین کرلوں گی۔" وہ ایک دم ہی غصے سے بولیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا سنبل اس وقت خود کس اذیت سے گزر رہی ہے۔ اکلوتے بیٹے کی شادی اور اس سے پوچھنا تو دور بتانا تک گوارہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا تو کہ بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح جا کر اس لڑکی کو ہاتھ پکڑ کر اذان کے گھر سے نکال باہر کریں جس کو اس نے ماں سے بڑھ کر اہمیت دی تھی۔

"یہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے بی بی جان، آپ نے اذان کو شادی کی اجازت دی تھی ناں تو پھر اب فیس بھی کیجیے۔ مجھے کیوں ذلیل کروا رہی ہیں۔" وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ بی بی جان کو دیکھتے اس نے شکایتی انداز میں کہا۔

"بی بی جان آپ کیا فیس کریں گیں، بھگتیں گے تو ہم، آپ لوگوں کو کیا احساس کہ کس کس کو اور کیا جواب دینا پڑے گا؟" راحیلہ بیگم نے تاسف بھرے دھیمے لہجے میں کہا۔ بی بی جان اب بھی سر جھکائے خاموش بیٹھی تھیں۔ وہ ذہنی طور پہ تیار تھیں۔ جانتی تھیں جب بھی بھید کھلا یونہی طوفان آئے گا اور انہیں تو ہمیشہ سے ایسے موقعوں پہ تحمل و بردباری سے کام لینا آتا تھا۔ وہ اب بھی نہایت پرسکون بیٹھی تھیں۔

"مجھے آپ سے اس زیادتی کی امید نہیں تھی، میری بیٹی اتنی ارزاں نہیں تھی۔ اس کے لیے اذان سے بہت بہتر اور اچھے رشتے موجود تھے۔" ماں کو سنجیدہ و خاموش دیکھ کر اس بار راحیلہ بیگم کے لہجے میں بھی دھیما پن آ گیا تھا۔

"جو کچھ ہوا اس پہ میں شرمندہ ہوں، واقعی مجھ سے ایک نہیں دو بار غلطی ہوئی، راہینہ کی خوشی کو دیکھ کر میں بھی اذان پہ شادی کے لیے دباؤ ڈالتی رہی، حالانکہ وہ تو پہلے دن سے رضا مند نہیں تھا خیر میں تم دونوں سے معافی مانگتی ہوں۔" ان کی بات سن کر سنبل نے جل کر بے اختیار پہلو بدلا تو راحیلہ بھی سلگ گئی۔

"آپ کی معافی اس نقصان کا ازالہ نہیں کرسکتی بی بی جان۔ آپ نے سوچا ہے خدانخواستہ اگر راہینہ کوئی بڑا قدم اٹھا لیتی ہے تو ہم دنیا والوں کو کیا جواب دیں گے؟" راحیلہ نے روایتی انداز میں شکوہ کیا۔

"یہی فکر تو مجھے بھی ہو رہی ہے، بات ابھی چار دیواری تک محدود ہے۔ کل جب باہر نکلے گی تو لوگ کیا کہیں گے، کیسی کیسی باتیں ہوں گی ہمارے خاندان کے متعلق۔" سنبل کی رائے اس معاملے میں راحیلہ سے الگ نہ تھی۔

"تم دنیا والوں کی فکر میں ہلکان ہو رہی ہو۔ یہ بھی تو سوچو کہ زبردستی رشتہ جوڑ کر بھلا کوئی خوش رہ سکتا ہے؟ میرے لیے اذان ہی نہیں راہینہ بھی اہم ہے۔ مجھے اس کی خوشی بھی عزیز ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"آپ کو اگر راہینہ کی خوشی عزیز ہوتی تو آپ اتنی مطمئن نہ ہوتیں اس کا حق کسی اور کو دے کر، اب اس سے محبت کے دعوے تو مت کیجیے۔" راحیلہ نے ناراضی سے جتایا۔

"میں کوئی دعویٰ نہیں کر رہی لیکن اس خاندان کی بڑی ہونے کے ناطے میں نے فیصلہ کیا تھا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس لیے جب مجھے لگا کہ میں غلط ہوں تو اپنی ہٹ دھرمی برقرار رکھنے کی بجائے میں نے اسے بدل لیا۔"

"یہ سوچے بغیر کہ اس کے نتائج کتنے لوگوں کو بھگتنے پڑیں گے؟" راحیلہ نے جلے کٹے انداز میں شکوہ کیا۔

"آپ کو اپنی نہیں تو میری عزت کا خیال تو رکھنا چاہیے تھا بی بی جان۔ میرے بارے میں بھی نہیں سوچا آپ نے؟ میرا تو سر جھک گیا ہے اپنے شوہر کے سامنے۔ کیا وضاحت دوں میں انہیں؟" وہ یک دم ہی جذباتی ہوئی۔

"عزت تو ہماری بھی دو کوڑی کی ہو گئی ہے۔ منہ دکھانے کے قابل تو ہم بھی نہیں رہے۔ اریبہ کے سسرال والوں کو خبر ملی کہ اس گھر کی بہو ایک معمولی اور بدنام لڑکی ہے تو......" سنبل کا حال بھی راحیلہ سے الگ نہ تھا۔ وہ تو دن رات اسی پریشانی میں گھل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے ابھی اریبہ سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ جب خود دل سے عائشہ کو بہو تسلیم نہیں کیا تو بیٹی کو کیسے سچ بتاتیں۔

"بی بی جان صرف آپ اس پرابلم کو ختم کرسکتی ہیں۔ آپ چاہیں تو اذان اس لڑکی کو چھوڑ کر اب بھی ہماری مرضی سے شادی کرسکتا ہے اور یہ بات کسی کو پتا بھی نہیں چلے گی۔" بی بی جان کو سنبل کی بات پر حیرت ہوئی، سنبل نے اس رشتے

کوشاید گڈے گڑیا کا کھیل سمجھ لیا تھا۔ اذان فقط بی بی جان کی وجہ سے خاموش تھا مگر گزرے وقت میں انہیں بارہا اندازہ ہوگیا تھا کہ راحیلہ اور اذان کبھی ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے۔ وہ دو مخالف سمت چلنے والوں کو یکجا کرنے کی سوچ تھی جو وقت کے ساتھ غلط ثابت ہوئی تھی۔

"لیکن میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی کیونکہ میں جانتی ہوں اذان کا یہ فیصلہ تمہاری طرح خود غرضی کی بنیاد پہ نہیں ہے، اس نے بہت سوچ سمجھ کر، ہر طرح سے مطمئن ہوکر عائشہ سے شادی کی ہے اور میں اس پہ راضی ہوں۔" ہاجرہ بیگم کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ وہ کوئی ایسی تسلی دینا نہیں چاہتی تھیں جس پہ خود ان کا اپنا دل راضی نہ ہو اسی لیے انہوں نے فوراً انکار کردیا تھا۔

"ٹھیک ہے بی بی جان، آپ رہیں راضی مگر پھر آج کے بعد میرا آپ سے اور اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔" راحیلہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی، یہ آخری حربہ تھا۔ وہ جانتی تھی بس اسی طرح ماں پہ دباؤ ڈالا جاسکتا ہے۔ بی بی جان خاموش رہیں اور یہ ان کا فیصلہ تھا۔

راحیلہ نے شکایتی نظر ماں کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی اور پیر پٹختی باہر نکل گئی۔ ہاجرہ بیگم کے چہرے پہ دکھ کے سائے نمودار ہوئے تھے۔

"آپ اگر چاہیں تو یہ رشتہ ٹوٹنے سے بچ سکتا ہے۔" سنبل دھیمے جتاتے انداز میں بولی۔ اس کا خیال تھا شاید اسی طرح ساس پر دباؤ ڈال کر اذان پہ دباؤ ڈالا جاسکتا ہے۔

"شرطوں پہ کھیل کھیلے جاتے ہیں، رشتے تعلق کے مضبوط ہونے سے قائم رہتے ہیں اور ایک رشتہ توڑنے کی شرط پہ میری کوکھ سے جنی اولاد مجھ سے اپنا رشتہ برقرار رکھنے کی بات کرے تو یہ شاید میرے لیے تکلیف کا مقام ہے۔" ہاجرہ بیگم نے زخمی لہجے میں کہا اور پھر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

وہ بہت دیر سے کمرے میں اکیلا بیٹھا عائشہ کا انتظار کررہا تھا۔ اسے بلایا نہیں تھا مگر یہی خیال تھا کہ وہ خود کمرے میں آئے گی۔ آج کے دن میں ان دونوں کے درمیان بہت ہی تلی بات چیت ہوئی تھی جو روزمرہ سے الگ نہ تھی۔ وہ معمول کے مطابق آفس چلا گیا تھا اور شام کو واپس آیا تھا۔ عائشہ اب بھی سنجیدہ اور خاموش تھی اور اس کا حلیہ بھی وہی تھا جو وہ پچھلے کئی ہفتوں سے دیکھ رہا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اذان کے خریدے سامان کو استعمال نہیں کیا تھا۔ صبح جو باتیں اذان نے کی تھیں، انہیں عائشہ کا نظر انداز کرنا بھی اس کو پریشان کررہا تھا۔ وہ حیران تھی، پریشان تھی یا ناخوش؟ عائشہ کی خاموشی سے اب تک کچھ بھی واضح نہیں ہوا تھا اور اذان جیسے شخص کے لیے وضاحت دینا مشکل تھا پھر محبت کی وضاحت کیا ہوسکتی ہے؟

گھڑی میں وقت دیکھتے اس کی ناامیدی اور بھی بڑھی، کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنا لیپ ٹاپ اٹھالیا۔ کئی کام تھے جو وہ ہمیشہ بچا کر رکھتا تھا۔ اب بھی اس کا ارادہ کچھ نامکمل چیزوں کو مکمل کرنے کا تھا اور اسی ارادے سے اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا۔ اسکرین روشن ہوئی مگر اذان کو حیرت کا جھٹکا لگا، اس کے لیپ ٹاپ پہ عائشہ کا میل باکس اوپن تھا جس میں سب سے اوپر شرجیل کی طرف سے بھیجا گیا پیغام جگمگا رہا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی ای میلز تھیں جو پچھلی تاریخوں میں عائشہ کو بھیجی گئی تھیں۔ جب وہ شرجیل کے پاس ملازمت کرتی تھی۔ تو وہ میلز کام سے متعلق تھیں مگر ذاتی نوعیت کے دو پیغامات تھے جو گزرے چوبیس گھنٹوں میں شرجیل نے اسے بھیجے تھے۔ ایک کھلا تھا جس کا مطلب عائشہ وہ میل پڑھ چکی تھی جبکہ دوسرا ابھی چیک نہیں ہوا تھا۔

"یعنی کل رات عائشہ یہاں میرے کمرے میں یہ میل چیک کررہی تھی۔" وہ یک دم ہی نتیجے پہ پہنچا۔

"لیکن عائشہ کو کیسے معلوم تھا کہ شرجیل اسے میل کررہا ہے؟" یہ سرا ابھی اس کے ہاتھ نہیں لگا تھا لیکن اس کو تجسس ہوا کہ آخر ان ای میلز میں ایسا کیا ہے اور کیا اس کا تعلق عائشہ کے حالیہ رویے سے جڑا ہے؟ بہرحال جو بھی تھا اسے یہ تو معلوم کرنا ہی تھا کہ شرجیل نے کیا پیغام بھیجا ہے۔ حالانکہ اس کے نزدیک یہ غیر اخلاقی حرکت تھی کہ عائشہ کی بناء اجازت اس کی ای میل چیک کرے مگر چونکہ بات شرجیل کی تھی تو

اذان اخلاقیات میں مقید رہنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ شرجیل، عائشہ کو ڈرانے، دھمکانے کی کوشش کر رہا ہو اور وہ پریشانی میں اذان کو سچائی بتا نہ سکی ہو۔

اس نے پہلے سے اوپن وہ میل کھولی جسے عائشہ کل رات پڑھ چکی تھی اور یک دم ہی اذان کو سب سمجھ میں آ گیا تھا۔ ایک گہرا سانس لیتے اس نے چند لمحے سوچا اور پھر لیپ ٹاپ میز پہ رکھتے وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر عائشہ کے کمرے کی طرف بڑھا اور بنا اجازت دروازہ کھولے بے دھڑک اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ عائشہ سر گھٹنوں میں چھپائے بیڈ پہ بیٹھی تھی کہ اچانک دروازہ کھلنے پہ چونک کر سر اٹھا لیا۔ سامنے اذان کھڑا تھا۔

''کل تم شرجیل سے ملی تھی؟'' اس نے بنا تمہید سپاٹ لہجے میں پوچھا تو عائشہ نے انکار نہیں کیا جس کا مطلب اقرار تھا۔

''اور یہ بات تم نے مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھی؟'' اس نے لب بھینچے۔

''ایسی کئی ضروری باتیں ہیں جو مجھ سے بھی چھپائی گئی ہیں مگر میں نے تو کوئی شکایت نہیں کی۔'' وہ کیا جتا رہی تھی اب یہ اذان کے لیے معمہ نہیں تھا اور یہ بھید بھی کھل چکا تھا کہ وہ اپ سیٹ کیوں ہے، کیوں ناراض ہے۔ کیوں اذان سے رشتہ بننے پہ اس کے چہرے پہ خوشی نہیں، اس لیے کہ وہ بدگمان تھی۔

''تو پوچھا کیوں نہیں مجھ سے، سوال کیوں نہیں کیا تم نے کہ میں نے تمہیں سچائی کیوں نہیں بتائی؟'' اس نے سنجیدہ لہجے میں آگے بڑھتے سوال کیا۔

''خود سے جواب تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔'' عائشہ لب کاٹتے دھیمے لہجے میں بولی۔

''تو پھر جواب ملا؟'' اس نے سامنے بیٹھتے مزید پوچھا۔ عائشہ نے ایک نظر اذان کو دیکھا اور پھر نظریں جھکائے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تمہیں لگتا ہے میں نے تمہیں دھوکا دیا ہے؟''

''نہیں، میں جانتی ہوں آپ کسی کو دھوکا نہیں دے سکتے۔'' اس نے آنسو پیتے دھیمے لہجے میں اعتراف کیا۔

''سب کے بارے میں تو دعویٰ نہیں کر سکتا ہاں میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔'' اس نے پر سوچ لہجے میں کہا۔

''میرا مقصد صرف یہ تھا۔ تم جتنی پر امید تھی، مجھے لگا شاید تمہاری یہ امید ہی کوئی معجزہ کر دے۔ سچائی بتا کر تمہاری امید توڑنا نہیں چاہتا تھا میں عائشہ۔'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ عائشہ نے نظریں اٹھا کر اذان کو دیکھا۔ اس کی سچائی اس کے چہرے کے تاثرات سے عیاں تھی۔

''امید نہیں خوش خیالی تھی وہ۔'' عائشہ کی حسرت آنسوؤں کی صورت بہنے لگی۔

''تمہیں مجھ سے بات کرنا چاہیے تھی عائشہ، بتانا چاہیے تھا مجھے کہ ایسا کیا ہے جو تمہیں کل سے اندر ہی اندر تکلیف پہنچا رہا ہے۔ تمہاری خاموشی صرف تمہیں نہیں مجھے بھی اذیت دے رہی تھی۔ میں صبح سے پریشان ہوں آخر مجھ سے ایسی کیا غلطی ہوئی جو تم مجھ سے بات بھی نہیں کر رہی۔ حالانکہ میں نے تو اپنے دل کا حال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے پھر کیوں تم میری فیلنگز کو اس طرح اگنور کر رہی ہو جیسے تمہارے نزدیک اس کی اہمیت ہی نہ ہو۔'' دونوں ہاتھوں سے عائشہ کا چہرہ تھامے اذان نے شکایت کی۔

''ایک رات میں اتنا سب ہو گیا، سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا، ہلکی سی بدگمانی بھی ہوئی مگر پھر یہی خیال آیا کہ بھلا میری ماں کی موت آپ کو کیا فائدہ دے سکتی ہے۔'' کچھ وقت لگا مگر اسے شرجیل کی چال سمجھ آ گئی تھی۔ حالانکہ اسے حقیقت کا علم نہیں تھا مگر اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ اذان نے کسی غلط مقصد کے تحت اس سے سچائی کو چھپائے نہیں رکھا تھا۔

''اور پھر صبح جو باتیں آپ نے کیں اس کے بعد''

''اس کے بعد تمہیں احساس ہوا کہ جو شخص تم سے بے انتہا محبت کرتا ہے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' اس کی بات کاٹتے اذان نے بے ساختہ کہا۔

''میں اس سب کے قابل نہیں ہوں۔'' اس نے نظریں جھکائے دھیمی آواز میں کہا۔

اوراس کی بات ماننا پڑتی ہے۔" وہ ذرا سا مسکرالیا۔

"لیکن شاید تم مجھے پسند نہیں کرتی۔" اس کے آنسو پونچھتے اذان نے بے اختیار کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے، آپ کو کون ناپسند کرسکتا ہے آپ تو......" اس نے یک دم تردید کی مگر پھر اذان کو دیکھتے ہوئے خاموش ہوگئی۔

"شرجیل کل مال میں ملا تھا۔ اسے پتا چل گیا ہے کہ ہم اب ساتھ ہیں۔" موضوع بدلتے اس نے دھیمی آواز میں اذان کو تفصیل سے آگاہ کیا۔ اذان لب بھینچے خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے اندازہ تھا وہ اب خاموش نہیں بیٹھے گا اور یقیناً یہ اس کا آخری وار نہیں ہوگا۔ بدلہ لینے کے لیے وہ ان دونوں کے درمیان پہ در پہ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کے لیے اب انہیں ذہنی طور پہ تیار رہنا ہوگا۔

"شرجیل جانتا ہے کہ وہ اب تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس لیے وہ ایسے ہی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرے گا جس سے ہمارے درمیان بدگمانی کی دیوار کھڑی ہو۔ تم نے اس بار مجھ سے چھپایا ہے پر نیکسٹ ٹائم ایسی غلطی مت کرنا۔ یہ تو اتفاق ہے کہ مجھے فوراً پتا چل گیا اور تمہاری بھی کنفیوژن ختم ہوگئی۔ ہوسکتا ہے مجھے علم نہ ہوتا اور شرجیل تمہیں ورغلا کر میرے خلاف کردیتا۔" اذان ٹھیک کہہ رہا تھا اس بات کا اندازہ اس کو ہوگیا تھا۔

"میں نے کہا ناں آپ کے کہنے سے پہلے ہی میری غلط فہمی دور ہوچکی تھی۔" اس نے بے اختیار تصحیح کی۔

"تو پھر تم یہاں کیوں بیٹھی تھی، کمرے میں کیوں نہیں آئی؟" عائشہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ واقعی ایک ساتھ کئی الجھنوں میں گرفتار تھی۔ ایک الجھن ختم ہوئی تھی۔ دوسرا خوف تو اب بھی اپنی جگہ موجود تھا۔ اس کے لیے بدگمانی سے نکلنا آسان تھا مگر اپنے خوف سے لڑنا مشکل تھا کیونکہ یہ خوف اذان کو کھونے کا تھا۔ عائشہ کو اندازہ تھا جیسے جیسے یہ رشتہ آگے بڑھے گا، اس کے لیے اذان سے دور جانا کٹھن ہونے لگے گا۔ وہ اس سے دور رہ کر خود کی اذیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی۔

"تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا عائشہ، تم مجھ سے آئندہ کبھی کچھ نہیں چھپاؤ گی۔ بات چھوٹی ہو یا بڑی۔ تم مجھ سے ضرور شیئر کرو گی اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں کسی قیمت پہ ہمارے رشتے کو کمزور نہیں ہونے دینا چاہتا اور ہاں آج کے بعد تم یہاں نہیں میرے روم میں رہو گی۔" عائشہ کا دل بے اختیار دھڑکا، ان کے رشتے کی تو بنیاد ہی بہت کمزور تھی، پھر بھلا کیسے یہ تعلق مضبوط ہوسکتا ہے۔ جو وعدہ اذان مانگ رہا تھا عائشہ اس کو وفا نہیں کرسکتی تھی کیونکہ اس کی ذات سے جڑا ایک سچ ایسا تھا جو اذان کسی صورت برداشت نہیں کر پاتا۔ یہ عائشہ کی مجبوری تھی اور کسی حد تک اس کی خود غرضی بھی کہ وہ اذان کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھنے کے بعد اسے نفرت میں بدلتا نہیں دیکھ سکتی تھی اور شاید اسی لیے اس نے سچ کو روندتے اذان کے بڑھے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔

❁....❁....❁....❁

شرجیل کا سامعیہ کو منانے آشیانہ پہنچ جانا اس کے لیے کسی حیرت سے کم نہیں تھا۔ اس نے کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے سامعیہ سے بارہا معافی مانگی، اسے اپنے سامنے نادم دیکھ کر سامعیہ کو بالکل یقین نہیں ہوا تھا مگر شرجیل کے انداز میں اتنا بدلاؤ تھا کہ سامعیہ کو یقین کرنا ہی پڑا۔

وہ اسے گھر واپس لے جانا چاہتا تھا اور سامعیہ کے پاس اسے انکار کرنے کی وجہ دم توڑ گئی تھی۔ عائشہ تو یوں بھی اس کی زندگی سے بہت دور جاچکی تھی۔ اب وہ اسے کسی بھی طرح کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا کیونکہ اذان اس کے ساتھ تھا پھر اگر شرجیل اپنے عمل پہ ندامت محسوس کرکے اس سے معذرت کررہا تھا تو سامعیہ کیسے اپنا ظرف بڑا نہ کرتی۔ یوں بھی محبوب کی ہر کوتاہی عورت کے زمرے میں آتی ہے۔

سامعیہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ وہ جانتی تھی شرجیل کے پاس اب کوئی راہ نہیں ہے۔ اس کا جنون ختم ہوچکا ہے مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ شرجیل اتنی آسانی سے پیچھے ہٹنے والوں میں سے کب تھا۔ چونکہ اسے علم ہوچکا تھا کہ عائشہ اور اذان کی شادی بی بی جان کی مرضی سے ہوئی ہے اور اذان کے ساتھ رہتے عائشہ تک رسائی اتنی آسان نہیں تھی لہٰذا احتیار

ڈالنا اس کی مجبوری تھی۔ عائشہ کو وہ رپورٹ بھیج کر بدگمان کرنے کی چال بھی ناکام ہوگئی تھی۔ راہینہ کے ذریعے وہ کوئی ہنگامہ کھڑا کرسکتا تھا مگر بات اس انداز میں آگے نہیں بڑھ پائی تھی جیسا وہ چاہتا تھا۔ اس پہ سامعیہ کے گھر چھوڑنے کی وجہ سے اس کی اپنی پوزیشن پہ بھی سوالیہ نشان لگ چکے تھے۔ شرجیل کسی صورت اپنا گھر توڑنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ عائشہ اور اذان کا گھر بستے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن فی الوقت اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تھی۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے سامعیہ کو گھر واپس لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس سے ایک تو سامعیہ کا اس پہ اعتماد بحال ہوجاتا اور دوسری طرف ماں باپ کی نظروں میں بھی وہ سرخرو ہوسکتا تھا اور اس نے یہی کیا تھا۔ سامعیہ کے گھر واپس جانے کی اطلاع بی بی جان نے اذان کو دی تھی اور جیسے یہ اس کے لیے باعث سکون تھا۔ عائشہ بھی خوش تھی کہ سامعیہ کا گھر بچ گیا تھا کیونکہ وہ خود کو اس کا مجرم تصور کرتی تھی اور یہ قلق بھی تھا کہ اس کی وجہ سے سامعیہ کا گھر ٹوٹ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

وہ آشیانہ آیا تھا اور تقریباً ڈھائی ماہ بعد اس کا سامنا سنبل سے ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر اس بار ان کے چہرے پہ امید بھری مسکراہٹ تھی نہ ہی اس سے ملنے کی بے قراری۔ اس کے سلام کا جواب تک دیئے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ اذان کو اندازہ تھا کہ وہ ناراض ہیں پر اس کو ان کی ناراضی اور شکایت کی ہرگز پرواہ نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بی بی جان کے بلانے پہ ان سے ملنے آیا تھا اس لیے انہی کے پاس بیٹھا ان سے نارمل بات چیت کرتا رہا۔ وہ ہر بار اس کے لیے فکرمند ہوا کرتی تھیں مگر اس بار ان کے زیادہ تر سوالات عائشہ کے متعلق تھے۔

وہ خوش ہے یا نہیں؟ یہ جاننے میں انہیں کوئی زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا تھا۔ اذان کی خوشی، اس کا اطمینان، اس کی شخصیت میں کسی حد تک جو مثبت بدلاؤ آیا تھا وہ ہاجرہ بیگم محسوس کرسکتی تھیں اور اس کا سہرا عائشہ کی سر جاتا تھا۔ اذان انہیں عائشہ سے ملنے کا کئی بار کہہ چکا تھا اذان کو احساس تھا وہ ابھی عائشہ سے ملنا نہیں چاہتیں اور اس کی وجہ بھی وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ ہاجرہ بیگم بہت بردبار خاتون تھیں۔ اذان کی خوشی پوری کرنا ان کی مجبوری تھی مگر اس سب میں بہت سے لوگ ان سے خفا ہوگئے تھے۔ انہیں ان سب کی ناراضی کی بھی فکر تھی۔ دو ماہ سے بیٹی نے ماں سے رابطہ نہیں کیا تھا تو سنبل کی خاموشی میں چھپی شکایت کو بھی وہ جانتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں وقت کے ساتھ سب ٹھیک نہ بھی ہوا تو لوگ آگے بڑھ جائیں گے۔ پرانی باتیں اپنی اہمیت کھودے گی۔ ایسے میں انہیں انتظار تھا اس وقت کا جب ان سب لوگوں کی ناراضی میں شگاف پڑے گا اور یہ اس وقت ممکن تھا جب عائشہ کے ساتھ اذان کی شادی کا فیصلہ درست ثابت ہوتا اور کہیں ناں کہیں آج اذان سے مل کر بی بی جان کو یہ احساس ہورہا تھا کہ وہ وقت آچکا ہے۔

بی بی جان کی خواہش تھی کہ اذان کی شادی کا اعلان ایک فیملی فنکشن کی صورت میں کیا جائے۔ اذان یہ سب ہنگامے نہیں چاہتا تھا مگر اس نے انہیں منع کرنا مناسب نہیں سمجھا، بہرحال تاریخ اور وقت کا تعین تو بعد کی بات تھی جو یقیناً انہیں سنبل کی مرضی اور مشورے سے ہی کرنا تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ سنبل بیٹے سے خفگی بھلا کر اسے معاف کردے اور اس کی خوشی کو قبول کرلے مگر یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ سنبل کے علاوہ اذان کو بھی جانتی تھیں۔ اس کے لیے ماں کب اتنی اہم تھی جو وہ اسے مناتا اور یہ بات بہرحال بی بی جان کو بھی ہمیشہ ناپسند رہی تھی مگر وہ کیا کرتیں کہ مجبور تھیں۔ ہمیشہ انہوں نے موقع دیکھ کر اذان کو سمجھایا تھا۔ اس بار بھی وہ اسے سمجھانا چاہتی تھیں کہ سنبل کو منالے مگر ان کی حیرت و بے یقینی آسمان چھونے کو تھی کہ جب اذان ان کے کہے بنا خود اٹھ کر سنبل سے ملنے اس کے کمرے میں چلا گیا تھا۔

وہ واقعی بدل گیا تھا کیونکہ بائیس سال میں پہلی بار انہیں اذان کو سنبل سے ملنے کے لیے مجبور کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اور اس پہ انہوں نے بے اختیار سکون کا سانس لیا تھا۔

ماں ہونا بھی کیسی آزمائش ہوتا ہے۔ باہر اذان آدھے گھنٹے سے بی بی جان کے پاس بیٹھا تھا اور اندر وہ اس سے ملنے کو بے قرار تھیں۔ اس سے لاکھ شکوے شکایات اور ناراضی تھی مگر ممتا کی تڑپ تو اپنی جگہ تھی۔ وہ کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹ رہی تھیں اور انہیں یقین تھا کہ اذان اس بار بھی ان سے ملے بغیر ہی آشیانہ سے واپس لوٹ جائے گا۔ جیسے جیسے گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں ان کی امید بھی دم توڑ رہی تھی۔ تھک کر وہ کرسی پہ بیٹھ گئیں کہ اب ہمت جواب دے گئی تھی۔ چند پل اسی الجھن میں گزرے کہ کیا انہیں خود جا کر اذان سے بات کرنا چاہیے؟ ہمیشہ کی طرح اس سے جھگڑا اور شکایت کر کے اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش کریں یا پھر بس اپنی ناراضی کو برقرار رکھتے خاموش رہیں۔ تب ہی دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی، ان کا خیال تھا ملازمہ ہوگی مگر وہاں اذان کو دیکھ کر انہیں شاک لگا، اپنی حیرت و بے یقینی کو چھپاتے انہوں نے اسے دیکھتے ہی چہرہ موڑ لیا۔ وہ سنبل کو دیکھتا ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"میں جانتا ہوں آپ مجھ سے ناراض ہیں، میں نے واقعی آپ کا بہت دل دکھایا ہے۔" سر جھکائے اس نے دھیمے لہجے میں اعتراف کیا۔

"پہلی بار تو نہیں کیا تم نے یہ سب میرے ساتھ، بچپن سے کرتے آ رہے ہو۔" سنبل نے جتاتے ہوئے تاسف بھرے انداز میں کہا۔ وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں کہ ایک اچھا بیٹا ثابت نہیں ہوسکا۔ میری وجہ سے بارہا آپ کو تکلیف پہنچی، بار بار آپ کا سر جھکا ہے۔" وہ لب بھینچے افسردگی سے بولا۔ سنبل کو حیرانی ہوئی، یہ یقیناً وہ اذان نہیں تھا جو ہر بار ماں کی تکلیف میں اضافہ کرتا تھا۔ ہر بار اس پہ نئے سرے سے الزامات کی بوچھاڑ کرتے وہ یہ بھی نہیں سوچتا تھا کہ سنبل کا کلیجہ کتنا چھلنی ہوتا ہوگا۔ وہ تو صرف اپنے زخموں سے آگاہ تھا اسے کہاں پروا تھی ایک ماں کی اذیت کی۔

"ہاں مگر یہ تکلیف میری برداشت سے بڑھ کر ہے اذان۔ تم نے مجھ سے میرا آخری حق بھی چھین لیا۔" سنبل نے بے ساختہ شکایت کرتے اذان کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"آپ چاہیں تو سزا دے سکتی ہیں۔" وہ انہیں مسلسل حیران کر رہا تھا۔

"سزا تو تم دے رہے ہو، میری ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا۔" جذبات کے زیر اثر ان سے جملہ بھی مکمل نہ ہوسکا اور وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رونے لگیں۔

"آپ کا ظرف بہت بڑا ہے، آپ تو پہلے بھی میری غلطیوں کو معاف کرتی آئی ہیں ناں، کیا ہر بار کی طرح اب بھی درگزر نہیں کرسکتیں؟" ان کے دونوں ہاتھوں کو تھامے اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔ سنبل کا دل تو پہلے ہی بیٹے کو دیکھ کر موم ہوگیا تھا۔ شکوے شکایات اذان کے چند میٹھے لفظ بہا کر لے گئے اور اب جس طرح وہ اس کے ہاتھ تھامے اس کے پیروں میں بیٹھا انہیں منا رہا تھا، اس کے بعد تو اس سے ناراضی کا کوئی جواز باقی نہیں بچا تھا۔

"تم شاید ایک ماں کی اذیت نہیں سمجھتے، اپنی اولاد ہوگی ناں پھر احساس ہوگا میری تکلیف کا تمہیں، جب وہ تمہارے ساتھ یہ سب کرے گی جو تم میرے ساتھ کرتے رہے ہو۔" وہ آنسو پیتے شکایتی لہجے میں بولیں مگر اب نہ تو غصہ باقی رہا تھا نہ خفگی۔ یہ تو وہ محبت بھرا شکوہ تھا جو ایک ماں اپنے بیٹے سے کر رہی تھی۔

"بددعا دے رہی ہیں مجھے، اللہ نہ کرے کہ میری اولاد میرے جیسی ہو۔" وہ ہلکا سا مسکرایا اور برسوں بعد سنبل نے اسے مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ اب بھی ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا اور سنبل نے بھی ہاتھ نہیں چھڑایا تھا۔ بیٹے سے دور ہوئے تو برسوں بیت گئے تھے۔ کہاں عادت تھی انہیں اس کے لمس کی مگر کتنا سکون مل رہا تھا اس پل اس کے چھونے سے۔ دل میں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں یہ سب ایک خواب نہ ہو اور آنکھ کھلنے پہ سب کچھ پہلے جیسا نہ ہوجائے۔

"اذان آخر وہی لڑکی کیوں؟ تم جس سے کہتے میں

تمہاری شادی کروادیتی مگر...... ہم تو جانتے تک نہیں ہیں اس کے خاندان کو، کیا بیک گراؤنڈ ہے اس کا، کس کلاس سے تعلق رکھتی ہے؟" یک دم ہی ان کا دھیان عائشہ کی طرف گیا اور وہ الجھ گئیں جس کی بنیادی وجہ اس کے متعلق ہونے والی گفتگو تھی۔ سنبل کی بدگمانی بھی انہی باتوں سے وابستہ تھی کہ وہ ایک مشکوک کردار کی لڑکی کو بہو کے روپ میں قبول کرنے سے کترا رہی تھیں۔

"وہ میری محبت ہے ممی، کیا اس کا اتنا تعارف کافی نہیں ہے؟" اس نے ہولے سے شکوہ کیا۔

"رشتے ایسے نہیں بنائے جاتے میری جان۔" وہ سر جھٹکتے دھیمے لہجے میں بولیں۔

"تو اور کیسے بنائے جاتے ہیں؟ میں اپنی زندگی اس کے ساتھ کیوں نہ گزاروں جس کی موجودگی مجھے سکون دیتی ہے، جس کا ساتھ مجھے خوشی دیتا ہے۔" وہ وضاحتی لہجے میں بولا۔

"آپ کو پتا ہے وہ سب جانتی ہے میرے بارے میں اور اس نے ایک بار بھی کبھی مجھے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں......" وہ کہتے ہوئے خاموش ہوا۔

"اذان وہ ایک حادثہ تھا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا اور یہ تمہارا اپنا احساس کمتری ہے اپنے بارے میں ورنہ تم میں کوئی کمی نہیں اور یہ بات ہم ہمیشہ تمہیں سمجھاتے آئے ہیں۔" سنبل نے بے اختیار سمجھاتے ہوئے یقین دلایا۔

"پھر تو آپ کو عائشہ کا احسان مند ہونا چاہیے جو چینج آپ مجھ میں دیکھنا چاہتی تھیں وہ اس کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔" اس نے بے ساختہ جتایا۔

"میں نہیں جانتی وہ خوب صورت ہے یا نہیں مگر خوش قسمت بہت ہے کیونکہ اسے تم جیسا وکیل جو مل گیا ہے۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا کر جتایا۔

"خوب صورت بھی ہے لیکن آپ سے زیادہ نہیں۔" اذان کے لہجے میں شرارت در آئی۔ سنبل کے چہرے پہ بھی بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور یہ وہ راحت تھی جو اپنے بیٹے کو خوش دیکھ کر ایک ماں کے دل میں اترتی ہے۔

"کب ملواؤ گے مجھے اس سے؟" انہوں نے محبت سے پوچھا۔

"جب آپ چاہیں میں اسے آپ سے ملوانے لے آؤں گا۔ ویسے میری نظر سے دیکھیں گی تو وہ اچھی لگے گی۔" اس نے بے ساختہ مسکرا کر کہا۔

"مجھے لگتا ہے اب تو مجھے واقعی اس سے ملنا ہوگا۔ میں بھی تو دیکھوں کہ ایسی کون سی جادو کی چھڑی ہے اس کے ہاتھ میں جسے گھما کر اس نے میرے بیٹے کو مسکرانا سکھا دیا۔" اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے وہ مطمئن سے انداز میں بولیں۔ انہیں اذان میں واضح و مثبت تبدیلی دکھائی دے رہی تھی اور ان جیسی منتقم مزاج عورت بھی دل میں عائشہ کی احسان مند ہوئی تھی۔

اذان ان کی گود میں سر رکھے بہت دیر تک بیٹھا ان سے باتیں کرتا رہا اور سنبل کے لیے یہ لمحات بہت قیمتی تھے کہ برسوں بعد ان کا کھویا ہوا بیٹا واپس مل گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

آج کئی مہینوں کے بعد وہ دونوں کھانا کھانے باہر آئے تھے۔ شرجیل میں اتنا مثبت بدلاؤ سامعیہ کے لیے کسی خوبصورت خواب کی تعبیر سے کم نہ تھا۔ وہ جو زندگی سے خوشی کو بھول چکی تھی اچانک قسمت کی مہربانی پہ حیران تھی۔ یقین کرنا مشکل تھا مگر جو نظروں کے سامنے تھا اس پہ اعتبار کیے بناء کوئی چارا بھی نہ تھا۔ کہاں اس کا سوکھے تے ساد وجود جواڑ کر نجانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا اور یک دم آنگن میں بہار کو اترتے دیکھ کر اسے قسمت کی رحم دلی پہ پیار آنے لگا تھا۔ وہ یقیناً اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت تھی جسے زندگی نے دوبارہ خوشی سے نوازا تھا۔ اس نے مایوسی کی گھٹن اور تاریکی کو چھوڑ کر واپس روشنیوں میں قدم رکھا تھا۔

"بیوقوفی میں، میں تمہارے ساتھ بہت زیادتی کرتا آیا ہوں سامعیہ، جنون میں اندھا ہو کر یہ بھول گیا کہ میری پہلی اور آخری محبت تم ہو لیکن یہ احساس مجھے تمہاری جدائی نے دلایا۔ تمہارے گھر چھوڑ دینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میں تمہارے بغیر ادھورا ہوں۔" اس کا ہاتھ تھامے شرجیل نے اعتراف کیا۔

"میں تو ادھوری بھی نہیں رہی تھی شاید۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے شرجیل میں نے یہ وقت آپ کے بغیر کس اذیت میں گزارہ ہے۔" سامعیہ اسے کیا بتاتی کہ زندگی جب کسی ایک کے نام سے شروع ہو کر اسی پہ ختم ہو جائے تو اپنی ذات دکھائی ہی نہیں دیتی۔ سامعیہ کے لیے بھی زندگی کا مطلب شرجیل کا ساتھ تھا۔ کامیابی کا مفہوم یہی تھا کہ اس کا گھر آباد رہے۔ عورت کی تو فطرت ہی گھر بسانا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہتی کہ اس کا گھر ٹوٹے۔ شاید اسی لیے وہ بھروسا ٹوٹنے کے باوجود دوسری بار اعتبار کرتی ہے اور سامعیہ بھی ایک بار پھر یہی غلطی دہرانے جا رہی تھی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں، مجھ سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں مگر جو گناہ تمہیں تکلیف پہنچا کر کیا ہے اس کے لیے میں خود کو بھی معاف نہیں کروں گا۔" اس نے مکاری سے کہا۔ شرجیل ایک بار پھر اس کا وہی محبوب شوہر بن گیا تھا جو سامعیہ کو خود پہ رشک میں مبتلا رکھتا تھا۔ ایسی باتوں سے ہی تو وہ ہمیشہ سامعیہ کو مٹھی میں کر لیتا تھا۔ اسے محبت کے فریب میں الجھا کر ہمیشہ اس کا دھیان اپنی سیاہ کاریوں سے ہٹائے رکھتا تھا۔ ایک بار پھر وہ وہی کھیل کھیل رہا تھا۔

"جو ہو گیا اسے بھول جائیں۔" مسکرا کر اس نے بات ختم کرنا چاہی۔

"بھولنا اتنا آسان نہیں ہے سامعیہ۔" وہ بے اختیار بولا۔

"کیا تم نے واقعی مجھے دل سے معاف کر دیا ہے؟" اچانک لہجہ بدلتے اس نے محبت سے پوچھا۔

"غلطیاں تو سب سے ہو جاتی ہیں۔ مجھ سے بھی ہو سکتی ہیں مگر جب آپ کو خود یہ احساس ہو گیا کہ آپ نے کیا غلطی کی ہے تو مجھے نہیں لگتا کہ اب ہمیں اس بارے میں مزید بات کر کے اپنا وقت ضائع کرنا چاہیے۔ عائشہ خوش ہے اذان کے ساتھ اور ہم بھی تو خوش ہیں پھر جب کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا تو کیوں ماضی کو یاد کر کے خود کو اذیت دیں۔" عائشہ کا نام سن کر شرجیل کے چہرے کا رنگ بدلا تھا مگر اس نے فوراً خود پہ قابو پاتے سامعیہ کو اپنے احساسات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ بظاہر ان سب کو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ شرجیل سدھر گیا ہے مگر پس پردہ وہ کیا چال چلنے والا تھا اس متعلق کسی کو اندازہ بھی نہیں تھا اور اندازہ ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی شرجیل جیسی سوچ نہیں رکھتا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ انسان کو واقعی آگے بڑھنا چاہیے۔ ماضی میں رہ کر حال کو بے حال کرنے کا کیا فائدہ۔ میں بھی اب آگے کے بارے میں سوچ رہا ہوں کیونکہ جو ہو گیا اس لکیر کو پیٹنا حماقت ہو گی۔" وہ واقعی آگے کی سوچ رہا تھا۔ ویسے تو اسے سامعیہ پہ بھی بے حد غصہ تھا کہ اس نے بھی عائشہ اور اذان کی شادی میں بھرپور کردار ادا کیا تھا مگر اس کی سزا وہ آگے چل کر سامعیہ کو دینا چاہتا تھا۔ ابھی تو وہ اسے اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا تاکہ اس کی کھوئی ہوئی ساکھ بحال ہو جائے اور سب کی نظروں میں ایک بار پھر شرجیل اچھا بن جائے۔

❁.......❁.......❁.......❁

میرے آنچل پہ امیدوں کی قطار اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے

وجود ان دنوں خوشی سے سرشار تھا کہ اذان کی محبت شبنم بن کر برس رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر اس خوب صورت اور قیمتی انگوٹھی کو دیکھا جو کل ہی اذان نے اسے اس کی سالگرہ پہ گفٹ کی تھی۔ یقیناً یہ اذان سے ملنے والا سب سے قیمتی دمکتا تحفہ تھا کہ اسے دیکھ کر ہی اس کی شان اور قیمت کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ عائشہ کو بھی یہ انگوٹھی اچھی لگی تھی شاید اسی لیے اس نے کل سے اسے پہنی ہوئی تھی۔ پچھلے چند ماہ میں وہ عائشہ کو بے وجہ، بے شمار تحفے دے چکا تھا اور اب عائشہ کو بھی ان کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ جو بیچارگی اور احسان نما احساسات تھے وہ دھیرے دھیرے معدوم ہونے لگے تھے۔ پہلے وہ اذان کو روکا کرتی تھی۔ اذان کی بدولت اس کے پاس اتنا کچھ تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ ان چیزوں کا کیا کرے۔ انہیں کہاں رکھے اور کب استعمال کرے مگر پھر چونکہ وہ اس کے کہنے پہ ہی عمل کرتا تھا لہٰذا اس نے اسے ٹوکنا چھوڑ دیا اور اب تو جیسے یہ اس کی عادت بن چکی تھی کہ ہر دوسرے تیسرے دن اذان

اسے کچھ نہ کچھ گفٹ لازمی کرتا تھا۔ اس کے تحفے اس کی مرضی اور موڈ کے مطابق ہوتے تھے تاکہ قیمت کے حساب سے۔ ڈائمنڈز سے لے کر پھولوں کا ایک گجرہ اور ان سب کے درمیان تقریباً ہر وہ شے جو اذان کو عائشہ کے لیے اچھی لگتی وہ اسے خرید کر دیتا۔ اس کے وارڈروب اذان کی پسند کے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی کہ اب مزید کوئی شے رکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اتنے پرفیومز اور کاسمیٹکس کا سامان تھا۔ اس کے پاس کہ اسے یقین تھا، وہ پوری زندگی ان چیزوں کو استعمال کر کے ختم نہ کر پائے گی۔

وہ خاندانی رئیس تھا مگر عائشہ کے لیے تو جیسے بادشاہ تھا۔ عائشہ نے زندگی ضرورت کے مطابق جی تھی۔ سردی گرمی کے چند معمولی کپڑوں کے ساتھ اس کا پورا سال گزر جاتا تھا۔ چند ہزار روپوں سے بڑی بڑی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں اور وہ اس سب میں بھی مطمئن تھی۔ پیسے کی اہمیت فقط ماں کے علاج سے جڑی تھی ورنہ اس کے دل میں یہ ہوس تھی ہی نہیں اور شاید اسی لیے اسے شرجیل نے بھی متاثر نہیں کیا تھا کہ وہ لالچی نہیں تھی۔ اذان کے دیے تحفوں کی بات الگ تھی۔ اس کے لیے یہ سب چیزیں بھی اضافی ہی تھیں مگر عائشہ کو ان کی قدر تھی۔ وہ اسے متاثر کرنے کے لیے نہیں کچھ نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی محبت میں اس کے لیے اتنا تردد کر رہا تھا۔ کہتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ محبت کا روپ بدلنے لگتا ہے، اس کی شدت کم ہونے لگتی ہے مگر ان کا معاملہ الٹ تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو رہا تھا کیونکہ اذان کی بے یقینی کم ہونے لگی تھی۔ فقط چند مہینوں میں اس کی پرسنلٹی میں عائشہ کو واضح فرق محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح سنجیدہ تھا نہ گھٹا ہوا بلکہ اب تو ہر لمحہ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ اور سکون نظر آتا تھا۔ اس کے وہ خواب، وہ خوف جو اسے وحشت میں مبتلا رکھتے تھے دھیرے دھیرے اس سے دور جا رہے تھے اور ان کی جگہ عائشہ کی محبت نے لے لی تھی اور صرف اذان ہی نہیں عائشہ بھی اس سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی بے معنی لگنے لگا تھا۔ باوجود اس کے کہ اب بھی ایک خوف دل میں کروٹیں بدلتا تھا۔ وہ راز جو صرف عائشہ کو معلوم تھا، کچھ عرصہ پہلے وہ اسے ایک مناسب وقت پہ اذان کے سامنے کھول کر اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کا سوچتی تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ عائشہ کا ارادہ بدل گیا تھا اور اب تو عائشہ کبھی یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اذان کو سچ بتائے۔ محبت خودغرض ہوتی ہے اس کہاوت کو اس نے ان دنوں شدت سے محسوس کیا تھا۔ اس نے بڑی کوشش سے اذان کو اس بے یقینی اور اذیت کی زندگی سے باہر نکالا تھا، کیا پتا سچ جان کر وہ واپس انہی اندھیروں میں لوٹ جائے۔ کچھ یہی خدشات تھے دل میں مگر یہ طے تھا کہ وہ اب کسی قیمت پہ اذان کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

ڈور بیل کی آواز نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑا تھا۔ وہ جانتی تھی سامعیہ اسے پک کرنے آئی ہے۔ سامعیہ سے ان دنوں اس کی اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ بات شرجیل کے علم میں ہے یا نہیں۔ نہ ہی اس نے یہ جاننے کی کوشش کی تھی۔ سامعیہ اکثر اس سے ملنے آیا کرتی تھی اور اسے اس سے ملنا اچھا لگتا تھا۔ کچھ دن سے عائشہ کی طبیعت اپ سیٹ تھی جس کا ذکر اس نے فون پہ سامعیہ سے کیا تھا۔ سامعیہ نے اس کے لیے اپنی ڈاکٹر سے اپائمنٹ لے لیا تھا۔

اذان کو اس لیے نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے اپنی وجہ سے پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ان دنوں کام کی وجہ سے خاصا مصروف تھا البتہ عائشہ کے لیے وقت نکال ہی لیتا مگر پھر وہی بات کہ وہ خود بنا جانے اذان کو کچھ بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ پریشانی والی بات نہیں ہے۔ اپنا بیگ اٹھائے وہ جلدی سے باہر نکلی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر اس کے خیال کی تصدیق ہوگئی تھی۔ حالانکہ اندازہ تو خود کو بھی تھا مگر یقین جو خوشی دیتا ہے اس کا احساس ہی الگ ہوتا ہے۔ وہ ابھی سے اذان کو یہ خبر سنانے کے لیے پرجوش تھی۔ یقیناً وہ بھی اسی طرح خوش ہوتا کہ ان کا رشتہ تکمیل کی اگلی سیڑھی پہ پہنچ گیا تھا۔ عائشہ اپنے

ہی ماں بننے کی خبر سن کر خوشی سے پھولی نہیں سمارہی تھی کہ سامعیہ کی پریگننسی کی اطلاع ملنا اس کی اپنی خوشی کو چار چاند لگا گیا تھا۔ یہ وہی ڈاکٹر تھی جس کے پاس سامعیہ اکثر اپنے چیک اپ کے لیے آیا کرتی تھی۔ پچھلے دنوں بھی وہ ایک بار پھر اسی امید پہ ڈاکٹر کے پاس آئی تھی کہ شاید اب قدرت مہربان ہوجائے۔ قسمت سے واقعی اس کی رپورٹس پازیٹو آگئی تھیں اور سامعیہ کے لیے تو یہ کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ وہ جھولی جو سالوں سے خالی تھی، جس کے بھرنے کی امید بھی اب مدہم ہوتی جارہی تھی، اچانک اس خوشی کا مل جانا لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ دل اس مالک کائنات کے سجدے میں جھکا ہوا تھا۔

❁......❁......❁......❁

"مجھے آپ کو ایک خوشخبری سنانی ہے۔" وہ بیڈ پہ نیم دراز تھا۔ عائشہ اس کے سینے پہ تھوڑی ٹکائے اس کی شرٹ کے بٹن کو چھیڑتے ہوئے بولی۔

"ایک نہیں بلکہ دو خوشخبریاں ہیں۔" اس نے بے اختیار تصحیح کی۔

"تمہاری دس نیوز پہ میرا یہ ایک سرپرائز بھاری ہوگا جو میں تمہیں دینے والا ہوں۔" اپنی بیڈ سائیڈ پہ رکھا براؤن لفافہ اٹھا کر عائشہ کو دکھاتے اس نے جتاتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں...... آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میرے پاس کتنی بڑی خبر ہے، اس لیے پہلے میں بتاؤں گی۔" وہ ایک دم ہی مقابلے پہ اتر آئی، ویسے بھی اس سے بڑھ کر کوئی خبر کیا ہوسکتی تھی جو وہ اذان کو سنانے والی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے پہلے تم ہی سنادو۔" اس نے بے ساختہ ہتھیار ڈالتے کہا اور لفافے میں سے پیپر نکالنے لگا۔

"اذان یہ کیا بات ہوئی۔ آپ کو تو انٹرسٹ ہی نہیں ہے کوئی میری بات سننے میں۔ ٹھیک ہے پھر میں نہیں بتاتی۔" یک دم اٹھ کر بیٹھتے اس نے خفگی کا اظہار کیا تو اذان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اب گھٹنوں پہ سر رکھے منہ موڑے ناراض بیٹھی تھی۔ یہ اختیار بھی تو اسے اذان کی محبت نے ہی دیا تھا کہ وہ اس سے روٹھ جائے۔

"او کے...... سوری۔" ہلکا سا جھک کر اس کو بوسہ دیتے اس نے معذرت کی۔

"چلو بتاؤ میں اب پورے دھیان سے سن رہا ہوں۔" اس کا ہاتھ تھامے واپس اپنی طرف کھینچتے اس نے منانے کے انداز میں کہا۔

"وہ......" اذان کے دیکھتے وہ اب کنفیوز ہوئی۔

"کیا؟" اذان نے ابرو اچکائے۔

"انجیولی...... آج میں سامعیہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اور آپ کو پتا ہے کہ سامعیہ ایکسپیکٹ کررہی ہے۔" کچھ سوچ کر اس نے اپنے بجائے پہلے اسے سامعیہ کے متعلق بتایا تھا۔ اس کی بات پوری ہونے پہ اذان نے یک دم سکون کا سانس لیا کیونکہ گفتگو کے آدھے حصے نے اسے واقعی پریشان کردیا تھا۔

"چلو اچھی بات ہے۔" اب اس سے بڑھ کر وہ خبر پہ اور کیا کہتا۔ سامعیہ اور عائشہ میں دوستی تھی۔ شرجیل سے تو اس کے تعلقات مزید خراب ہوگئے تھے۔ اذان کو وہ مستقل بزنس میں ٹف ٹائم دے رہا تھا اور اب باقاعدہ مارکیٹ میں اس کا کھلا دشمن بن کر سامنے آیا تھا۔ اذان کو اس پہ ویسے ہی خاصا غصہ تھا مگر وہ کام کو ذاتی تعلقات سے علیحدہ رکھتا تھا۔

"ویسے میرا خیال تھا کہ شاید تم کوئی اپنی بات کروگی۔" اس نے مسکراتے ہوئے عائشہ کو چھیڑا البتہ نگاہ اب ہاتھ میں پکڑے ان پیپرز پہ تھی جو آج ہی اس کے وکیل نے اسے بھیجے تھے اور بقول اس کے یہ عائشہ کے لیے سرپرائز تھا۔

"میں بھی تو......" عائشہ نے ایک دم پلٹ کر میز پہ رکھی ڈاکٹر کی رپورٹ اٹھائی اور اذان کی طرف پلٹتے اسے اپنے متعلق بتانا چاہا لیکن لفظ رستے میں ہی دم توڑ گئے۔ اذان کے ہاتھ میں پکڑے پیپرز میں سے نکل کر کاغذ کا جو ٹکڑا بیڈ پہ گرا تھا اسے دیکھ کر عائشہ فریز ہوگئی تھی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے اور رنگ اچانک پیلا پڑنے لگا تھا۔ اذان کی نگاہ بھی اسی کاغذ پہ تھی مگر اس کے تاثرات عائشہ سے یکسر مختلف تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ پیپر اٹھایا اور نظریں سکیڑے اس پہ لکھی تحریر پڑھنے لگا۔ یک دم اس کے ماتھے پہ بل نمودار

ہوئے تھے۔ یک دم اذان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ وہ جیسے بے چین ہوگیا تھا۔ عائشہ اب بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ اذان تیزی سے ہاتھ میں پکڑے پیپرز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ عائشہ جانتی تھی اس وقت اس کے اندر کیا طوفان مچا ہوگا۔ بھلا اس سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا کہ اذان کیا محسوس کر رہا ہے۔

"تم صابر کی بیٹی ہو؟" اس نے ایک دم بے یقینی و حیرت سے عائشہ کو دیکھتے سوال کیا، عائشہ سے سانس لینا مشکل ہوگیا، انکار وہ کرنہیں سکتی تھی اور اقرار کرنے کی اس پل ہمت نہیں تھی۔ اس کے باوجود اس نے کانپتے ہاتھوں سے اذان کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر اس نے ایک دم ہی غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

وہ عائشہ کو اس کا گھر واپس دینا چاہتا تھا۔ دو تین مہینوں سے وہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح شرجیل سے وہ گھر خرید کر عائشہ کو واپس کردے۔ پتا نہیں کیوں لیکن اسے لگتا تھا کہ عائشہ کے لیے وہ گھر اہم ہے۔ اس کے پاس کوئی رشتہ نہیں تھا سوائے اذان کے مگر اس گھر میں اس کی کئی یادیں تھیں۔ وہ اکثر اذان سے اس کا ذکر کرتی تھی۔ جب بھی ماں اور بھائی کو یاد کرتی اسے اپنا گھر بھی یاد آتا تھا۔ اذان یہ کوشش پہلے سے کررہا تھا اور اچانک اس کے وکیل نے آج اسے یہ خبر سنائی تھی کہ شرجیل بناء کسی شرط کے وہ گھر واپس کرنے پہ آمادہ ہوگیا ہے۔ اذان نہیں جانتا تھا کہ شرجیل نے اسے یہ پیپرز کیوں بھجوائے ہیں جبکہ شرجیل کچھ عرصہ پہلے ہی یہ راز جان گیا تھا کہ عائشہ کا صابر سے کیا تعلق ہے۔ اذان نے آفس میں یہ کاغذ کھول کر نہیں دیکھے تھے۔ دیکھ لیتا تو اسی وقت سچ جان جاتا۔

"تم سب جانتی تھی کہ تمہارا باپ میرا مجرم ہے، تمہیں سب پتا تھا، اس کے باوجود تم میرے ساتھ جھوٹی ہمدردی کا ڈراما کرتی رہی۔" وہ اچانک ہی بدگمانی کی سرحد پہ کھڑا ہوا۔ عائشہ نے نفی میں سر ہلایا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے جاری تھے مگر اذان کو اس وقت کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی نگاہ عائشہ اور صابر کے آئی ڈی کارڈز کی کاپی پہ ٹکی تھی جو گھر کے کاغذات کے ہمراہ اسے بھیجی گئی تھی۔ چونکہ گھر صابر کی ملکیت تھا لہٰذا عائشہ نے اس گھر کے کاغذات خواجہ کو دیتے وقت باپ کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی اور اس کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ بھی ساتھ ہی دیا تھا۔ اسے کب اندازہ تھا کہ یہ کاغذات جو وہ گھر گروی رکھنے کی غرض سے دے رہی ہے ایک دن اسی کی زندگی میں آگ لگادیں گے۔

"اذان میں......" اس نے ہمت کرکے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا مگر اذان نے اسے موقع ہی نہیں دیا۔

"تم چلی جاؤ یہاں سے۔ عائشہ۔" اس نے سختی سے کہا۔

"اذان پلیز میری بات سنیں۔ مجھے ایک بار صفائی کا موقع تو دیں۔" اس نے روتے ہوئے التجاء کی۔

"میں نے کہا ناں چلی جاؤ یہاں سے، میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" وہ اس پل اتنا مشتعل تھا کہ عائشہ کیا دنیا کا کوئی شخص اسے رام نہیں کرسکتا تھا۔ یک دم اس نے عائشہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے بیڈ سے کھینچ کر نیچے اتارا۔

"اذان پلیز ایسا مت کریں۔" عائشہ نے اس کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے التجاء کی مگر اذان پہ اس وقت جو وحشت طاری تھی اسے عائشہ کی التجاء سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ زندگی میں صرف ایک انسان سے شدید نفرت کرتا تھا۔ اس شخص کی وجہ سے اس کی پوری زندگی تباہ ہوگئی تھی۔ وہ صرف اس سے نہیں اس کے پورے خاندان سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس سے جڑے ہر انسان کو تباہ و برباد کردینا چاہتا تھا مگر قسمت نے عائشہ کی صورت اس کے ساتھ بھونڈا ترین مذاق کیا تھا۔ حالانکہ وہ بیچاری اس کی گناہ گار نہیں تھی مگر اذان کی سمجھ پہ جو قفل صابر کی نفرت کے سبب لگا تھا وہ کھلنا اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ اس وقت اتنا جنونی ہو رہا تھا کہ اس کی فریاد تو جیسے وہ اس پل سن ہی نہیں رہا تھا۔ عائشہ کا ہاتھ کھینچتے وہ اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لایا اور پوری طاقت سے اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

"بہتر ہوگا تم خود یہاں سے چلی جاؤ...... ورنہ میں تمہیں دھکے مار کر گھر سے باہر نکال دوں گا۔" غصے میں پھنکارتا وہ جس تیزی سے کمرے سے نکلا تھا اسی تیزی سے پیر پٹختا

واپس کمرے میں چلا گیا، ساتھ ہی اس نے کمرے کا دروازہ بھی پوری طاقت سے بند کرلیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

شرجیل واقعی اس بار اپنا داؤ کھیلنے میں کامیاب رہا تھا۔ یہ پیپرز جو پچھلے کئی ماہ سے اس کے پاس تھے، اس نے کبھی انہیں کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ اس کی دلچسپی عائشہ میں تھی، اس کی پراپرٹی تو محض اس تک رسائی کا ایک بہانہ تھی۔ جب عائشہ ہی اس کے ہاتھ نہیں آئی تو اسے بھلا اس پراپرٹی میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ اذان نے اس حوالے سے شرجیل کے خلاف کورٹ میں ایک کیس دائر کیا ہوا تھا کیونکہ اس نے عائشہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے اس کا گھر ضرور واپس دلوائے گا۔ شرجیل اور اذان دونوں ہی اپنے وکیلوں کے ذریعے یہ جنگ لڑ رہے تھے۔ شرجیل کیس ہارنے والا تھا یہ بات بھی اس کے وکیل کے ذریعے اس تک پہنچ گئی تھی۔ اتفاق سے اس نے پیپرز دیکھے تو خود ہی مکان بیچنے پر رضا مند ہوگیا کیونکہ ان پیپرز کے ذریعے جو سچائی اس تک پہنچی تھی اس کے بعد تو جیسے اذان اس کا مقصد خود پورا کردیتا، اتنی معلومات تو شرجیل کو بھی تھی کہ صابر اس کے ماموں کا قاتل ہے۔ وہ اذان کی ذہنی حالت اور نفسیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ اب اگر یہ بات خاندان کو پتا چلتی یا اذان کے علم میں آتی تو یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسی لیے اس نے نہ صرف یہ پیپرز اذان کو بھجوا دیے تھے بلکہ عائشہ کی اصلیت سنبل اور بی بی جان کو بھی بتا چکا تھا۔

اسے اندازہ تھا کہ اب کسی بھی صورت اذان کی زندگی اور اس کے گھر میں عائشہ کی جگہ باقی نہیں رہے گی اور وہ یہی چاہتا تھا مگر صرف اتنا نہیں۔ اذان بھی تو اب اس کا دشمن تھا، اس سے بدلہ لینا بھی اتنا ہی ضروری تھا جتنا عائشہ کو نقصان پہنچانا۔ لہٰذا اب وہ اس انتظار میں تھا کیسے اپنی اگلی بازی کھیلے اور اذان کو اس کے انجام تک پہنچائے۔

❁ ❁ ❁ ❁

اس کی آنکھ کھلی تو اردگرد اندھیرا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور سیاہ گھپ اندھیری رات کی وحشت کھڑکی کے شیشوں سے اندر لاؤنج میں جھانک رہی تھی۔ کمزوری اور نقاہت سے وہ نڈھال تھی۔ یہ احساس بھی تھا کہ وہ امید جو اس کی کوکھ میں تھی عائشہ اسے کھو چکی ہے۔ اذان نے جس طرح اسے دھکا دیا تھا اس کے بعد تو یہ خوش فہمی تھی بھی نہیں کہ اب اس کے پاس کچھ بچا ہوگا۔ اپنی پوری طاقت جمع کرکے وہ قدرے مشکل سے اٹھی۔ اذان کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ جانتی تھی اندر وہ کس ذہنی حالت میں بیٹھا ہوگا۔ کتنی مشکل سے عائشہ اسے زندگی کی طرف واپس لائی تھی اور کتنی آسانی سے واپس انہی اندھیروں کی طرف لوٹ گیا تھا۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ عائشہ سے نفرت کا اظہار کرتے اس نے خود اپنا کتنا بڑا نقصان کرلیا ہے یا پھر یہ خسارہ بھی شاید عائشہ کا ہی تھا۔

بہرحال یہ طے تھا کہ اذان کی زندگی میں عائشہ کی کوئی جگہ نہیں رہی تو پھر اس گھر میں اس کی جگہ کیسے ہوسکتی تھی؟ اسے اب واقعی یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ سوچتے ہوئے اس نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

ذرا دیکھ کے چال ستاروں کی
کوئی زائچہ کھینچ قلندر سا
کوئی ایسا جنتر منتر پڑھ
جو کردے بخت سکندر سا
کوئی ایسا اسم اعظم پڑھ
جو اشک بہا دے سجدوں میں
اور جیسا تیرا دعویٰ ہے
محبوب ہو میرے قدموں میں
پر عامل رک اک بات کہوں
یہ قدموں والی بات ہے کیا؟
محبوب تو ہے سر آنکھوں پر
مجھ پتھر کی اوقات ہے کیا
اور عامل سن یہ کام بدل
یہ کام بہت نقصان کا ہے
سب دھاگے اس کے ہاتھ میں ہیں

جو مالک کل جہان کا ہے
وہ اس کے گھر سے تنہا، بناء کسی سامان، بالکل خالی ہاتھ نکلی تھی۔ جسم پہ کپڑے اور اپنی وہ سیاہ چادر جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی اس کا کل اثاثہ تھا۔ منزل نا معلوم تھی اور سفر طویل۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جائے گی۔ راستے اجنبی ہوں تو منزلوں کا تعین بھی مقدر کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس نے اب خود کو مقدر کے سپرد کر دیا تھا۔ دامن تو پہلے ہی خساروں سے لبریز تھا بھلا ان حالات میں کوئی اچھی امید کر بھی کیسے سکتا ہے؟ نجانے کتنے دن وہ پیدل چلتی رہی تھی۔ پتا نہیں کس مقام پر اس کی چپل ٹوٹی تھی اور کتنا راستہ اس نے ننگے پاؤں طے کیا تھا۔ پیر نوکیلے پتھروں سے گھائل ہوئے تو ان سے خون رسنے لگا تھا مگر جو درد اس کے اندر تھا اس کے آگے یہ تکلیف معمولی تھی۔ یہ زخم تو وقت کے ساتھ ٹھیک ہو سکتے تھے مگر اصل اذیت تو جدائی کی تھی۔
چلتے چلتے جب پاؤں شل ہو گئے تو وہ رک کر مزار کے احاطے میں بیٹھ گئی تھی۔ یہاں سے روشن سائیں اسے مزار کے اندر لے گیا۔ مزار کے صحن میں بیٹھی تو وہیں کی ہو گئی۔ جانے کے لیے کوئی جگہ بھی تو نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تو عائشہ شاید یہاں سے کہیں نہ جاتی کیونکہ اس جگہ اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا اس کے متعلق، نہ ماضی، نہ حال اور مستقبل تو نا معلوم ہی تھا اور نا امید بھی۔
وہ بھی سب خواہشات کو تیاگ کر اس مزار پہ بیٹھ گئی تھی۔ سیاہ چادر سے اس نے خود کو اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ کوئی اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شروع میں لوگوں نے اس کے متعلق بہت سی قیاس آرائیاں کیں مگر وہ اپنی ذات میں گم رہی تھی۔ اسے اب کسی کی رائے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ روشن سائیں نے بہت کوشش کی کہ اس سے اس کے بارے میں کچھ پوچھ سکیں مگر ناکام رہا تھا۔ وہ جو سب کچھ بھولنا چاہتی تھی کیسے سب کو اپنے بارے میں بتاتی۔ اس لیے اس نے کبھی اس کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
عائشہ پچھلے ایک سال سے مزار پہ بیٹھی تھی اور اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ پیچھے جو رشتہ چھوڑ آئی ہے، وہ قائم بھی ہے یا نہیں؟

❁........❁........❁........❁

وہ بہت دیر سے ڈور بیل بجا رہی تھی مگر دروازہ اب تک نہیں کھلا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ واپس جانے کے لیے پلٹی مگر دروازہ اچانک کھل گیا تھا البتہ وہ خود سامنے نہیں تھا۔ کندھے اچکائے ایک گہرا سانس لیتے اس نے قدم اندر کی طرف بڑھائے۔ دروازہ اچانک بند ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی لاؤنج کی سب لائٹس آف ہو گئیں۔ اسے شدید حیرت ہوئی۔ تھوڑی سی گھبراہٹ بھی محسوس ہوئی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی مگر یہ احساس بھی تھا کہ وہ یہاں تنہا نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا بھی موجود ہے۔ اچانک اسے اس دوسرے کی موجودگی کا احساس اپنے بہت نزدیک ہونے لگا تھا۔ اتنا نزدیک کہ وہ اس کی سانسوں کی حرارت کو محسوس کر سکتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ قدم پیچھے بڑھاتی اچانک اسے اپنی گردن پہ ایک تیز دھار آلے کی چبھن محسوس ہوئی۔ چھرے کے تیز وار سے اس کی گردن پہ گہرا گھاؤ لگایا گیا تھا۔ پہلا احساس خوف تھا جو اچانک درد میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اسے اپنے جسم سے گرم سیال نکلتا محسوس ہوا جو تیزی سے اس کے کپڑے بھگو رہا تھا۔ وہ درد سے چلانا چاہتی تھی مگر اس کی نوبت نہیں آئی کیونکہ اس کا مضبوط ہاتھ اس کے منہ سے نکلتی چیخ کا گلا گھونٹ گیا تھا۔ چند منٹوں کے بعد اس کا جسم ٹھنڈے فرش پہ بے جان پڑا تھا۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

صالحہ عزیز صدیقی

ساجد کلاس میں بیٹھا نجانے کن خیالوں میں گم تھا، استانی بچوں کی کاپیوں پر نظر جمائیں بڑی توجہ سے کام چیک کررہی تھیں۔ کلاس کے کچھ بچے اپنی کرسیوں سے اٹھ کر ادھر ادھر منڈلا رہے تھے۔ استانی کے کانوں میں کچھ زیادہ شور کی آواز آنے لگی تو فوراً ہی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”کلاس کیپ کوائٹ۔“ بچے جو ادھر ادھر گھوم رہے تھے فوراً ہی اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے لیکن ساجد اپنی دنیا میں گم ہی رہا تھا۔

”آخر ابو نے امی کو کیوں مارا؟“ یہ سوال اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ اسکول تو آ گیا تھا لیکن اس کا دماغ وہیں تھا۔ استانی اب پڑھا رہی تھیں لیکن اس کا پڑھنے میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا دل اور دماغ اپنے گھر میں ہی تھا۔ استانی کام دے کر کلاس کا جائزہ لینے لگیں، سب بچے اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ ساجد کلاس میں تو تھا لیکن دماغ اس کا گھر پر تھا۔ استانی نے ساجد کو خالی بیٹھے دیکھا تو اس کو اپنے پاس بلایا وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور استانی کے پاس پہنچ گیا۔ استانی کے زیادہ اصرار پر ساجد نے امی اور ابو کی لڑائی کا بتایا۔ انہوں نے ساجد کو سمجھا کر کام میں مصروف کردیا لیکن وہ سوچنے لگی کہ والدین بچوں کے سامنے کیوں لڑتے ہیں؟ بچے کتنا اپ سیٹ ہو جاتے ہیں۔

دوپہر میں ساجد جب گھر پہنچا تو امی کے سر میں پٹی بندھی ہوئی تھی پھر بھی وہ کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔

ساجد کی چھوٹی بہن قریب ہی کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ ساجد نے ادھر ادھر دیکھا اس کو ابو کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ خاموشی سے یونیفارم بدل کر منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ امی نے کھانا تیار کر کے میز پر رکھ دیا اور خود آرام کرنے چلی گئیں۔ وہ جب منہ ہاتھ دھو کر میز کے قریب پہنچا تو امی کو نا پا کر "امی امی" کی صدا لگاتا ہوا ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں امی بستر پر لیٹی آرام کر رہی تھیں۔ ساجد نے ضد کر کے امی کو اٹھایا اور کھانے کی میز پر لے آیا، زبردستی ان کو کھانا کھلا کر درد کی گولی دی اور سونے کی تاکید کی۔ ساجد اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ کھیلتا رہا۔ جب وہ تھک گئی تو اس کی فیڈر تیار کر کے دودھ پلایا اور سلا دیا۔ کچن کو صاف کر کے اپنا ہوم ورک کرنے لگا تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀

آج ابو کو گھر سے گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ ابو کی پرائیویٹ نوکری تھی۔ روز روز کی چھٹی سے نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اب تو ہوائی روزی پر ان کا گزارا ہو رہا تھا۔ ماں کی سمجھداری کی وجہ سے کچھ پیسے جمع کیے ہوئے تھے اور پھر خود بھی پڑھی لکھی تھیں گھر میں ٹیوشن سینٹر کھول لیا تھا۔ بانو بہت محنت سے بچوں کو پڑھاتی تھی کہ ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ ان کے بچوں کی بنیادی تعلیم بانو ہی سے ہو۔ جگہ کی کمی ہونے کی وجہ سے وہ کم بچوں کو ہی پڑھاتی تھیں بس اسی طرح سے گزارہ ہو رہا تھا۔ گھر کا سارا خرچ بانو کی ذمہ داری تھی۔ ساجد گھر کے حالات دیکھ دیکھ کر کافی سمجھدار ہو گیا تھا۔ پانچ سال کیسے گزر گئے، ساجد اب انجینئرنگ کے پہلے سال میں تھا۔ ماں کی محنت رنگ لائی۔ عذرا بھی بڑی ہو گئی تھی، آٹھویں جماعت میں آ چکی تھی۔ ماں نے گھر کو بھی اچھے طریقے سے سجا لیا تھا گھر میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔

اکبر (ساجد کا باپ) کا کہیں کچھ پتا نہ تھا۔ امی نے تو چپ سادھ لی تھی۔ ماموں نے بھی کئی بار پوچھا، امی کو معلوم ہی نہ تھا تو کیا بتاتی۔ چلتی کا نام گاڑی ہے کہتے ہیں ایک پہیہ خراب ہو جائے تو گاڑی چلنا بند ہو جاتی ہے لیکن بانو نے اپنی زندگی میں آئے ہوئے نشیب و فراز کو بڑے احسن طریقے سے نبھایا تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀

حیدرآباد سے خالہ زاد بہن آئی ہوئی تھی۔ ساتھ میں خالہ بھی آئی تھیں امی کی بیماری کا سن کر۔ ساجد کو اطمینان ہو گیا تھا کہ گھر میں کوئی آ گیا ہے، وہ اپنے سمسٹر کی تیاری میں لگ گیا تھا۔ خالہ نے گھر کا سب کام سنبھال لیا۔ خالہ کی بیٹی بے بی ابھی میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی۔ خالہ کو کراچی میں اپنے گھر کے سلسلے میں کچھ کام تھا۔ ان کو زیادہ عرصہ رہنا پڑا۔ ساجد مطمئن تھا۔ وہ کبھی کبھی اپنے ابا کے بارے میں سوچتا تھا کہ کہاں گئے؟ جب ان کی امی پر کیے گئے ظلم یاد آتے تو سوچ سے سر جھٹک کر دامن بچا لیتا تھا۔ عذرا ذرا چنچل طبیعت کی تھی۔ وہ بے بی کے ساتھ مل کر خوب ہلہ گلا کرتی تھی۔ گھر میں رونق لگی رہتی تھی۔ خالہ بے بی کو ڈانٹتی تو بانو منع کر دیتی تھیں۔

"ارے کلثوم رہنے دے۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ مت ٹوکا کر۔" بانو اپنی زندگی کا سوچتے ہوئے کہہ گئی تھی۔ عذرا بے بی کو گھسیٹتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

ساجد نے کچھ پیسے جوڑ رکھے تھے اور کمائی سے لے کر اوپر اپنا ایک کمرہ بنوا لیا تھا۔ جہاں اس کے پڑھنے لکھنے کا سامان تھا۔ بس یہ تھا کہ کوئی اس کے کمرے میں نہیں جا سکتا تھا۔ بے بی نے عذرا کو بتایا تھا کہ بھائی کے کمرے میں کرفیو لگا رہتا ہے۔

"تو کیا امی بھی نہیں جا سکتی؟" بے بی نے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"اب تو میں جا کر دکھاؤں گی۔" چمکیلی دھوپ کی تمازت نے ساجد کے چہرے کو پسینے سے بھگو رکھا تھا آج فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی۔ کافی لمبی لائن تھی اور کتنا وقت لگے گا یہ بھی اسے معلوم نہ تھا۔ آج ناشتہ بھی برائے نام ہی کیا تھا۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ سامنے سے ثنا شاہ جو اس کی کلاس فیلو تھی، اپنی دوستوں میں مگن اس کے قریب آ گئی۔

”کیا ہوا ساجد کوئی کام؟“
”نہیں کوئی کام نہیں۔“
”اچھا یہ رول تو تمہارے لیے لائی تھی اور ساتھ میں یہ کولڈ ڈرنک۔“ وہ منع کرتا رہا اور وہ پکڑا کر چلی گئی۔
”واہ رے اللہ میاں اتنی جلدی خواہش پوری کرتا ہے۔“ ساجد نے دل میں سوچا۔
نتاشا اس کی کلاس فیلو تو تھی ہی اس کی بہترین دوست بھی تھی۔ وہ دونوں اپنی پرابلم ایک دوسرے سے شیئر کرتے تھے۔ نتاشا کے باپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی گاؤں کی تھی اور دوسری پڑھی لکھی، کسی کالج کی لیکچرار تھی۔ نتاشا کا باپ نتاشا کی ماں پر بہت سختی کرتا تھا۔ زمیندار لوگ تھے، ماں شریف تھی۔ گزارا کر رہی تھی۔ آج بھی زویا اپنی دوستوں کو پارٹی دے رہی تھی کہ کسی نے پارٹی کی وجہ پوچھی تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
”آج میرے باپ کو اس کے پالتو کتے نے کاٹ لیا ہے اس خوشی میں تم سب کو پارٹی دے رہی ہوں۔“
”کچھ تو شرم کرو۔“ رینا نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو نتاشا نے اس کی مسکراہٹ دیکھتے ہوئے کہا۔
”ارے کھل کر ہنسا کرو۔ ایسے باپ کے لیے ایسی ہی پارٹی ہوتی رہنی چاہیے۔“
”چلو چلو جلدی کرو کلاس شروع ہونے والی ہے۔“ رینا نے اپنی کولڈ ڈرنک ختم کرتے ہوئے آواز لگائی۔ سب کی سب دوڑ کر کلاس میں پہنچ گئیں۔
ساجد کلاس لینے کے موڈ میں نہیں تھا وہ بہت تھک چکا تھا گھر جانے کی جلدی تھی۔ نتاشا کلاس میں ساجد کی راہ دیکھ رہی تھی وہ نہیں آیا تو اس کو فکر ہوگئی تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

ساجد کی موٹر بائیک کی آواز سن کر بے بی نے ہی دروازہ کھولا تھا۔
”عذرا کہاں ہے؟“
”وہ کام کر رہی تھی اس لیے میں آ گئی دروازہ کھولنے۔“
”ہونہہ۔“ ساجد نے گہرا سانس لیا، امی نے اس کے لیے کیری کا شربت تیار کر رکھا تھا، گرم ہوا بھی چل رہی تھی ایسے وقت میں اگر ٹھنڈا ٹھنڈا کیری کا شربت مل جائے تو ساجد کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی تھی۔ عذرا ٹھنڈا جوس بھائی کو تھماتے ہوئے بولی۔
”بھائی آج شام کسی پارک میں لے چلو۔“
”کیوں؟“ ساجد بولا۔
”گرمی بہت ہے اور پھر بے بی کو بھی آئے ہوئے کافی دن ہوگئے ہیں اس کو کہیں گھمانے بھی نہیں لے گئے۔“ ساجد کچھ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عذرا بھائی کا جواب نہ پا کر خاموش ہوگئی۔ عذرا اپنے ادھورے کام مکمل کرنے میں لگ گئی۔ بے بی گو کہ بچی نہ تھی۔ عذرا کے مقابلے میں کافی تیز بھی، بنتی ایسی تھی جیسے کچھ جانتی نہ ہو وہ بھی ساجد کا رویہ دیکھ کر کسی نظریہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

خالہ کا کام ختم ہو چکا تھا، وہ حیدرآباد جانے کو بہت اصرار کر رہی تھیں، بانو چاہ رہی تھی کہ ابھی اور رک جائیں پر خالہ نہ مانیں لہٰذا آج شام کی روانگی تھی، گھر میں بھی بیٹے اور میاں کو چھوڑ کر آئی تھیں۔ خالہ چلی گئیں تو گھر میں کافی خاموشی ہوگئی تھی۔ بانو تو اپنے بچوں کی پڑھائی میں مصروف ہوگئیں، عذرا بھی امتحان کے ڈر سے پڑھائی میں مصروف ہوگئی تھی۔ ساجد کی انٹرشپ شروع ہوگئی تھی وہ رات کو بھی دیر سے گھر آ رہا تھا۔ امی رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے بیمار ہونے لگیں۔ ساجد کو بھی کام کرنا ضروری تھا، عذرا شروع سے ہی نیند کی کچی تھی۔
ساجد کا تعلیمی سال ختم ہونے والا تھا۔ نوکری کی پیشکش ہو رہی تھی۔ وہ صرف ملٹی نیشنل کمپنی کو ہی ترجیح دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے ماں کو بھی منع کر دیا تھا اب بچوں کو پڑھانا بند کریں اور عذرا کی شادی کی فکر کریں اور رشتہ ڈھونڈیں۔
”امی......امی......امی۔“ کہتی ہوئی بیل پر سے انگلی ہٹانا جیسے بھول ہی گئی تھی۔ امی نے دروازہ کھولا سامنے عذرا کالج ڈریس میں تھی چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا اور بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا؟" بانو پریشان ہوگئی۔
"وہ امی بلے بھائی کا کتا میرے پیچھے لگ گیا تھا۔" امی نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ارے وہ پلا ہوا کتا ہے کاٹتا نہیں ہے۔"
"ارے چھوڑیں امی آج تو اس نے حد ہی کردی۔" وہ منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ بات بھی کررہی تھی۔
"چلو تم سانس بحال کرو میں کھانا لگاتی ہوں۔"
"نہیں امی ابھی بھوک نہیں ہے آپ کھالیجیے میں نے برگر کھالیا تھا۔" فون کافی دیر سے بج رہا تھا۔ امی نماز میں مصروف تھیں۔ فون پر نتاشا تھی۔ ساجد آج موبائل فون گھر بھول گیا تھا، عذرا نے ہی فون پر لڑکی کی آواز سنی تو حیرت سے بات کرنے لگی۔ نتاشا نے ساجد سے بات کرنی چاہی تو عذرا بولی۔
"بھائی فون بھول گئے ہیں کوئی پیغام ہو تو بتادیں۔" نتاشا بولی۔
"نہیں رہنے دیں میں پھر بات کرلوں گی۔" امی بھی عذرا کے پاس آکر کھڑی ہوگئی تھیں۔ فون آف ہوچکا تھا، عذرا اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔
ساجد خوشی خوشی گھر میں داخل ہوا امی بچوں کو پڑھا کر چائے پی رہی تھیں۔ ساجد کو خوش ہوتے دیکھا تو پوچھ لیا۔
"کیا ہوا ساجد...... خیر تو ہے؟"
"جی امی سب خیر ہے آپ کو ایک گڈ نیوز سناتا ہوں، مجھے میری مرضی کی نوکری مل گئی ہے۔ اب ہمارے اچھے دن آگئے ہیں۔ امی اب آپ بچوں کو پڑھانا چھوڑ دیں۔"
"ارے بیٹا اللہ نے پہلے بھی اچھے دن رکھے تھے اس مالک کا شکر ہے کہ اب بھی اچھے ہی دن ہیں۔ مبارک ہو بیٹا۔" امی یہ کہہ کر دو رکعت نماز شکرانے کے پڑھنے چلی گئیں۔ عذرا نے چائے کے ساتھ پکوڑے بنائے تھے وہ بھی رکھ دیے۔ ساجد مزے لے لے کر کھا رہا تھا، عذرا کی آواز پر چونکا۔
"وہ بھائی آج موبائل نہیں لے کر گئے تھے۔ کافی فون آئے، ایک کال نتاشا نام کی لڑکی کی بھی تھی۔" وہ پکوڑے ختم ہوتے ہی اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کو نتاشا کی مدد یاد آرہی تھی، کس کس طرح اس کی فیس جمع کروادیتی تھی۔ کبھی نوٹس کی فوٹو کاپی کروادینا، ساجد کو باری باری نتاشا کی ہمدردیاں یاد آنے لگی، ہائے اس کی قسمت باپ ہوتے ہوئے بھی باپ نہیں تھا، یہ ہی بات اس میں اور نتاشا میں مماثلت رکھتی تھی۔
"ہائے نتاشا کیسی ہو؟ یونیورسٹی چھوڑے ابھی ایک ماہ ہی ہوا ہے اور ایسا لگ رہا ہے جیسے برسوں بیت گئے۔ ایک خوش خبری ہے وہ یہ کہ میری نوکری لگ گئی ہے۔"
"واؤ ساجد مبارک ہو۔ مٹھائی تو پکی ہے تو پھر کب کھلا رہے ہو؟"
"جب تم کہو ابھی حاضر ہوجاؤں۔"
"نہ بابا ابھی میرا باپ آیا ہوا ہے۔" اس کی بات پر وہ ہنسنے لگا۔
"اچھا جب تم کہو گی تب میں مٹھائی کھلادوں گا، تھینک یو نتاشا۔"
"کس بات کا؟"
"تم نے دوران تعلیم میری بڑی مدد کی۔"
"کیسی بات کرتے ہو ساجد؟ کیا میں تمہاری دوست نہیں ہوں؟"
"ہو تاں...... یہ میں نے کب کہا کہ تم دوست نہیں ہو۔"
"اچھا ساجد پھر بات کرتی ہوں ابھی تھوڑا کام ہے بائے۔"

❁......❁......❁......❁

حیدرآباد سے خالہ، خالو اور بے بی گھر آئے ہوئے تھے۔ ان کا اب کراچی میں مستقل رہنے کا ارادہ تھا۔ جب خالو نے دیکھا کہ ساجد انجینئر بن گیا ہے اور اچھی نوکری بھی مل گئی تو خالہ کے ذریعے بے بی کا رشتہ بھی دے ڈالا۔ امی نے یہ فیصلہ ساجد پر چھوڑ دیا تھا، ساجد کو بے بی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ زیادہ تر پڑھی لکھی لڑکیوں کو ہی ترجیح دیتا تھا۔

اس کو ثناشا پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھی، غریب ہونے کے ناطے وہ آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ اب بھی وہ کھل کر اظہار محبت نہیں کر سکتا تھا۔ آج جب بے بی کا پروپوزل سامنے آیا تو وہ حیران رہ گیا۔ اس نے امی کو یہ کہہ کر منع کر دیا۔

"امی میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ جیسے ہی میں سیٹ ہوں گا آپ کو بتا دوں گا اور ہاں اگر خالو کو جلدی ہے تو پلیز ان کو کہہ دیں کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کہیں اور کر سکتے ہیں۔" امی ساجد کا جواب سن کر خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے کوئی اصرار نہ کیا۔ انہوں نے خالہ سے بہانہ تراشہ کہ ساجد کہہ رہا ہے چار پانچ سال تک تو شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے ابھی عذرا کی بھی ذمہ داری ہے پھر گھر بھی بنوانا ہے، ساجد کی طرف سے بانو ایک لمبا چوڑا بہانہ کلثوم کے گوش گزار کر گئیں۔ بانو کلثوم کے چہرے کے بدلتے ہوئے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھیں۔

عذرا نے کھانا لگایا، خالو خالہ سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے پر کلثوم خالہ خاموش تھیں، خالو سمجھ گئے تھے اسی لیے کھانا کھا کر فوراً ہی اپنے گھر جانے کی تیاری کی، ان کا ارادہ کراچی میں رہنے کا بھی ملتوی ہو گیا اور حیدرآباد روانہ ہو گئے، امی خالو کے اس فیصلے سے ناخوش تھیں خالہ بھی امی کے انکار سے ناراض ناراض لگ رہی تھیں۔ امی بھی کیا کر سکتی تھیں روک بھی نہیں پائی تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

ساجد پریشان تھا وہ گھر آیا کہ اس کے گھر کے سامنے ثناشا کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ خوشی سے جھومتا گھر میں داخل ہوا تو وہ عذرا سے باتیں کر رہی تھی۔ امی کھانا تیار کر رہی تھیں آج ثناشا پہلی بار اس کے گھر آئی تھی۔ امی کھانا کھلائے بغیر نہیں جانے دینا چاہ رہی تھیں۔ سامنے ساجد کو کھڑے پایا تو چہرے پر بھی سرخی چھانے لگی۔ ساجد کو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا آج اس کے گھر اس کا محبوب آیا تھا۔ وہ بہت شوخ ہو رہا تھا۔

"امی کیا پکایا ہے، بازار سے کچھ لے آؤں کیا؟" عذرا بھائی کے انگ انگ سے واقف تھی، وہ سمجھ گئی تھی لہٰذا تنگ کرنے سے باز نہ آئی۔

"بھائی جائیں بازار سے تکہ، بوٹی، گولہ کباب سب لے کر آئیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو، نہاری، کباب بنا لیے ہیں بس کافی ہے۔" ساجد کہاں باز آنے والا تھا۔ بہن کی فرمائش تو کم ثناشا کا استقبال اچھے طریقے سے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جب گاڑی کی چابی اٹھائی تو ثناشا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اب باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی بہت ہے۔ میں آج امی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ہی کھاؤں گی۔" ساجد حیران ہوا، ثناشا کے انداز نے اور بھی دل خوش کر دیا تھا۔ وہ رک گیا، عذرا چپکے چپکے یہ سب دیکھ رہی تھی اس کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا تھا۔ یہ تھی خالہ کو رشتے سے منع کرنے کی وجوہات، جناب پسند کرتے تھے پر اظہار کرنے سے ڈرتے تھے، محبت ایسی چیز ہے جو سب کچھ عیاں کر دیتی ہے۔ کچھ چھپتا نہیں ہے۔

"ساجد یہ کیک لائی ہوں، تمہیں کیک بہت پسند ہے ناں؟ میں نے بھی جاب کر لی ہے۔ امی کو لے کر اکیلی رہ رہی ہوں، ابو نے پیسہ دینا بند کر دیا تھا تو مشکل ہو رہی تھی۔ اب ابو تو گھر ہی نہیں آتے۔" وہ ساجد کو سب بتا رہی تھی۔ ساجد کو افسوس ہوا، اس کے غم کے آگے اپنا غم بہت چھوٹا لگا۔ وہ ثناشا کو کیا بتاتا۔ دل سے مجبور تھا آخر اس کو بتانا پڑا کہ آج اس کو مزار پر بابا میں اپنے ابو کی جھلک نظر آئی۔ اس بابا کی کشش اتنی تھی کہ کھنچتا ہوا ان کے پاس چلا گیا تھا۔

"وہ ہوش میں نہ تھے، اس کو لگا یہی اس کے والد ہیں، کافی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ یہی اس کے والد ہیں، ابھی امی کو نہیں بتایا۔ اب کیا کروں؟" ثناشا خوش تھی۔

"چلو ہم کو تمہارے والد مل گئے۔ ساجد تم ان کو لے آؤ۔"

"نہیں وہ آنا ہی نہیں چاہ رہے ان کو کچھ ہوش ہی نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر امی کو بتاؤ، دیکھو وہ کیا کہتی ہیں۔" عذرا کھانا لگاتے ان لوگوں کی ساری باتیں سن رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ امی کے گوش گزار کر رہی تھی۔ امی تو اب ہر چیز کے

لیے تیار تھیں، انہوں نے سب کچھ ساجد پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کا باپ تھا وہ جو بھی کرے گا اچھا کرے گا۔

کھانا کھا کر نتاشا نے امی کا شکریہ ادا کیا۔ عذرا بھی اس سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ دوبارہ آنے کا کہا بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ آپ کیک لائی ہیں ہم مٹھائی لے کر آئیں گے۔ نتاشا سرخ ہوگئی۔

بہاریں لوٹ گئیں، خوشیوں بھرے گھر میں پھر خاموشی چھا گئی۔ ساجد کو گتھی سلجھانے میں دیر لگ رہی تھی، امی اس کو دیکھ رہی تھیں مگر کہہ نہ پائیں۔

''بیٹا کیا سوچ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں امی۔ امی آج میں مزار پر گیا تھا نجانے اس بابا میں کیا کشش تھی کہ میں کھنچتا ہی چلا گیا۔ کافی کوششوں کے بعد پتا چلا کہ یہ میرے ابو ہیں، بہت کوشش کی کہ گھر لے آؤں لیکن مزار کے لوگوں نے منع کر دیا۔ میں واپس آ گیا۔ امی چلیں ابو کو گھر لے آتے ہیں۔'' ساجد کی نفرتیں پیار میں بدل گئیں۔ عذرا بھی ماں سے بضد ہوئی، امی دونوں کے اصرار پر راضی ہو گئیں۔

مزار پر عقیدت مندوں کا ہجوم لگا ہوا تھا، قوالی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ساجد اور اس کی فیملی نے پہلے مزار پر حاضری دی اور پھر ساجد ان کو ابو کے پاس لے آیا۔ یہ کیا؟ وہ جگہ خالی تھی۔ اردگرد کے ملنگ بابا سے پوچھا تو پتا چلا رات انتقال ہو گیا تھا۔ یہ جو مزار کے قریب قبر ہے یہ انہی کی ہے۔

''اف میرا اللہ چہرہ دیکھنا ہی نصیب نہ ہوا۔'' ماں کے آنسو، بہن کی رونے کی آواز کس طرح سے ساجد نے ان کو سنبھالا، کچھ دیر بیٹھے رہے اور واپس آ گئے۔ خاموشی سے سوئم کی فاتحہ ہو گئی۔ نتاشا بھی آ گئی تھی بکل چار افراد نے سوئم کی فاتحہ کر لی۔ خالہ خالو نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ ماموں جو شروع شروع میں آتے تھے وہ بھی آسٹریلیا شفٹ ہو گئے تھے امی اب بالکل تنہا رہ گئی تھیں ایک ابا کے ملنے کی امید تھی وہ بھی اب ختم ہو چکی تھی۔

عذرا ماں کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ نتاشا آپی کو لے آئیں۔ اب بھائی کی شادی کر دیں، امی عذرا کے چکر میں تھیں کہ پہلے اس کی شادی ہو جائے لیکن ابھی تک کوئی صحیح رشتہ نہیں آیا تھا۔ اب عذرا کی ضد کے آگے امی مجبور ہو گئیں۔ ساجد سے رائے لی تو اس نے کہہ دیا جیسے آپ کی مرضی، امی مسکرا دیں۔

''ہوں تو جناب شادی کے لیے تیار ہیں۔'' کیونکہ نتاشا کب تک امی کے سہارے زندگی گزارتی امی کی بھی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ اس کے والد ایسے ایسے رشتے بھیج رہے تھے کہ نتاشا پریشان ہو گئی تھی۔ جب ساجد نے اپنی فیملی کو ان کے گھر بھیجنے کا کہا تو نتاشا بہت خوش ہو گئی تھی۔ اس نے کہہ دیا امی سے۔

''ساجد کی امی اور بہن آپ سے ملنے آ رہی ہیں، شام میں آئیں گی، میں ابھی آفس جا رہی ہوں، رقیہ سے کہہ دیجیے گا کہ کباب وغیرہ بنا لے گی۔'' نتاشا نے امی اور گھر کی دیکھ بھال کے لیے ایک لڑکی رکھی ہوئی تھی وہ بھی ابو گاؤں سے لے آئے تھے۔

شام ڈھل رہی تھی، ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں درخت کے پتوں سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھیں۔ نتاشا بھی نہا کر نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ سرخ اور ہلکے نیلے رنگ کا لباس اس پر جچ رہا تھا۔ نتاشا صرف اور صرف ساجد کے لیے ہی تیار ہوئی تھی۔ بالوں کو ڈرائی کرتی سوچوں میں گم تھی۔

ساجد اپنی امی اور بہن کے ساتھ نتاشا کے گھر آیا اور نتاشا کو تیار دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ بانو نے نتاشا کو انگوٹھی پہنائی اور نتاشا کی والدہ سے شادی کی تاریخ طے کرنے لگیں۔ آج ساجد کی آنکھوں کی پیاس بجھ گئی تھی۔

ختم شد

میرے سکندر

قرۃ العین سکندر

گزشتہ قسط کا خلاصہ

نگینہ اور چودھری اہل میں تلخ کلامی دیکھ کر زرینہ بیگم فوراً مداخلت کرتی ہیں اور چودھری اہل کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں اور ان کے جانے کے بعد وہ نگینہ کو سخت الفاظ میں برا بھلا کہتی ہیں اور اس بحث سے بچنے کے لیے نگینہ، زرینہ بیگم سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہیں تو زرینہ بیگم چپ ہوجاتی ہیں۔ عابی کی طبیعت خرب ہوجاتی ہے جب اس کی ماں دیکھنے آتی ہیں تو عابی ان سے اہل سے شادی نہ کرنے کا کہتی ہے اور عابی کی طبیعت مزید خراب ہوجاتی ہے اپنے محبوب سے دور ہونے کا سوچ کر۔ میرب سکندر کو بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچالیتی ہے اور اس کے گھر والوں کے آنے کے بعد کافی دیر سے گھر پہنچتی ہے تو اس کے والد عثمانی صاحب کافی پریشانی سے بیٹھے ہوئے ملتے ہیں اور اس کے دیر سے آنے کا پوچھتے ہیں جس پر میرب سارا قصہ سنا دیتی ہے۔ چودھری رب نواز فون کر کے اہل سے اس کے نا آنے کو پوچھتے ہیں اور اس کو سکندر کے ایکسیڈنٹ کا بتا کر کہتے ہیں کہ وہ سکندر سے مل آئے اور دو دن تک گاؤں واپسی کی بھی تاکید کرتے ہیں۔

اب آگے پڑھیے

❁.......❁.......❁.......❁

"سنو تم گاڑی تیار رکھنا میں ایک گھنٹہ میں تیار ہوتا ہوں، راستے میں پھل بھی لینے ہیں، مجھے اپنے کزن کے پاس جانا ہے۔" اہل نے اسے پوری بات بتائی اور نہال نے اس کی بات سن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یار پہلے کچھ کھا تو لیتے۔" نہال نے تعجب سے کہا۔

"ہونہہ، بھوک نہیں ہے تم ویسا کرو جیسا میں نے کہا ہے۔" اس نے بے دلی سے کھانے کی طرف نگاہ ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے نہانے اور تیاری تک نہال نے پہلے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اس کے بعد کار میں پٹرول اور پانی چیک کیا اور اہل کی آمد سے پہلے پھولوں کا ٹوکرہ بھی گاڑی میں رکھوا دیا تھا۔ اہل جب بھرپور تیاری میں آیا تو نہال کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

اگرچہ اہل دو تین دن سے ملگجے سے حلیے میں تھا مگر اس وقت شیو تازہ بنائے اور بہترین لباس میں بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کی بری حرکتیں اس کے چہرے کی خوب صورتی کو گھن کی طرح چاٹ رہی تھیں۔ اس کا اصل کردار اس کی راہ میں کانٹے بکھیر رہا تھا۔

"واہ...... شہزادے لگ رہے ہو۔" نہال نے اس کی دل سے تعریف کی تو وہ مسکرا دیا، جب وہ لوگ ہاسپٹل پہنچے تو اس وقت سکندر کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کیا جا رہا تھا۔ وہاں چودھری شاہنواز اور بیگم شاہنواز کے ساتھ ایک لڑکا افتخار بھی تھا جو پہلی مرتبہ اہل نے دیکھا تھا۔ چودھری صاحب نے والہانہ طریقے سے اہل کو گلے سے لگایا۔

"برخوردار اچھا لگا تمہارا یہاں آنا۔" بیگم شاہنواز اس وقت غیر متوقع طور پر داماد کو دیکھ کر کھل سی گئیں جبکہ خود اہل ابھی تک اس ساری بات سے ناواقف تھا، یہ ساری بات اس وقت بڑوں کے درمیان ہی طے پائی تھی اس میں بچوں کا کوئی کردار نہ تھا، حتیٰ کہ ابھی تک سکندر کو بھی رائے کے لیے اہل کا حوالہ نہ دیا گیا تھا۔

"سکندر کیسا محسوس کر رہے ہو؟" سکندر، اہل سے چھوٹا تھا اور اس ناتے اہل کے لہجے اور انداز دونوں میں شفقت سی تھی۔ اس رویے سے چودھری شاہنواز نے بیگم شاہنواز کو دیکھا، جیسے پوچھ رہے ہوں دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میرا انتخاب بہترین ہے، آخر میرے بھائی کی ہی اولاد ہے۔ سکندر نے مسکرا کر اہل کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یار بہتر ہی ہوں بس اماں ذرا زیادہ پریشان ہو گئی ہیں اب تو چل پھر رہا ہوں، بس ہاتھ کی پٹی کھلنے میں وقت لگے گا۔" سکندر نے ہنس کر کہا۔ چودھری شاہنواز کی نظر پھلوں کے ٹوکروں پر پڑی تو وہ ہنس دیئے۔

"یہ رب نواز بھی ناں، اس نے یہاں بھی تکلفات شروع کر دیئے ہیں۔"

"جی ابا نے کہا تھا خالی ہاتھ نہ جانا۔" اہل نے سادگی سے بتایا، آخر کو ان لوگوں کا گھرانہ تو ایک ہی تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان کے والد محترم نے اپنی زندگی میں ہی آنے والی پریشانیوں اور خطرات کے پیش نظر پہلے ہی بٹوارا کر دیا تھا تاکہ دونوں گھرانے حسن سلوک سے رہیں اور اس بات کو وقت نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ سب پیار سے رہ رہے تھے۔ اپنی اپنی اراضی میں وہ اپنے حساب کتاب میں مگن تھے پھر باتوں ہی باتوں میں دو گھنٹے کیسے گزرے حساس ہی نہ ہو سکا۔ اس کے بعد اہل نے اجازت طلب کی۔

"جی بس ہمارا ابھی کام مکمل ہو گیا ہے ہم بھی سکندر کو سیدھا گھر ہی لے جا رہے ہیں۔" چودھری شاہنواز نے بتایا۔

"تم نہیں چل رہے گاؤں، یہاں کچھ کام تھا کیا؟" سکندر نے براہ راست اہل سے دریافت کیا۔ اہل لمحہ بھر کے لیے گڑبڑایا پھر تحمل سے بولا۔

"ہاں ابا نے کچھ زمینی کاغذات کے بارے میں بھیجا تھا کل واپسی ہو گی۔" اہل نے سنبھل کر جواب دیا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔" اہل لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا اس کے جانے کے بعد شاہنواز نے خاموشی توڑی۔

"سکندر بیٹا، تمہیں اہل کیسا لگتا ہے؟" شاہنواز کے کہنے پر سکندر نے اچنبھے سے ان کو اور پھر بیگم

شاہنواز کو دیکھا۔

"میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھ سکا ابو، وہ ہمارا کزن ہے اور کزن ہونے کے ناتے اپنا ہے بس۔" سکندر نے حیرت سے جواب دیا۔

"اوہو بیٹا...... دراصل ہم لوگ کسی اور ہی انداز سے اہل کو دیکھ رہے ہیں۔ تم نے دیکھا ہے کہ یہاں رشتے ناتوں کا معیار وڈیروں کو نبھانا پڑتا ہے، تمہاری باجی عابی کے لیے ہم نے اہل کو پسند کیا ہے، میں جانتا ہوں کہ اس میں کچھ برائیاں ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی دور ہو جائیں گی۔" چودھری شاہنواز نے سکندر کو اعتماد میں لینا چاہا مگر سکندر کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بابا جان وہ سب تو درست ہے مگر اردگرد اور بھی تو اونچے خاندان ہوں گے صرف اہل ہی کیوں؟ آپ جانتے ہیں کہ اس کے کردار میں جھول ہے۔" سکندر خود کو یہ باور کروانے سے روک نہیں پایا اور اس کے اتنا کہتے ہی چودھری شاہنواز بتھے سے اکھڑ گئے۔

"یہ لن ترانیاں بھی دشمنوں کی ہی پیدا کردہ ہیں، تم نے دیکھا وہ کس قدر مہذب انداز میں مل کر گیا۔" چودھری شاہنواز کا غصہ دیدنی تھا۔

"اچھا بھئی اب جانے بھی دیں ان باتوں کو، گھر چلتے ہیں، مجھے تو اس ہاسپٹل کے ماحول میں سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی ہے۔" بیگم شاہنواز نے برا سا منہ بنایا جس پر سکندر اور شاہنواز دونوں مسکرا دیے۔ جانتے تھے کہ بیگم ماحول کا تناؤ کم کرنے میں سرگرداں ہیں۔

❁......❁......❁......❁

جس وقت گھر میں چودھری شاہنواز بیگم شاہنواز اور سکندر کی آمد ہوئی اس وقت عابی اپنے کمرے میں نہیں بلکہ شاہنواز کے کمرے میں کئی سالوں سے بند مقفل بکس کو کھولے ماضی کے دریچوں میں گم تھی۔ اس کی پھوپو مہ پارہ کی تصاویر اس وقت شاہنواز کے بیڈ پر بکھری ہوئی تھیں، اس نے سن رکھا تھا کہ اس کی ایک پھوپو نے گھر میں بغاوت کی تھی اس کی پھوپو کو تعلیم کے حصول کے لیے شہر ہاسٹل پڑھنے بھیجا گیا تھا مگر وہاں وہ محبت جیسے مرض میں مبتلا ہوگئی تھیں پھر انہوں نے روایت پسندی کی تقلید نہ کی تھی بلکہ اپنی پسند کو ترجیح دی اور اپنے باپ کے سامنے اپنے پسندیدہ شخص کا نام رکھ دیا تھا۔ ان کے باپ کا غصہ دیدنی تھا، اس کے دونوں شادی شدہ بھائی غیرت مندی میں اس کا قتل کرنے کے درپے ہوگئے تھے۔ بھابیوں نے اپنے چہرے دوپٹے میں چھپا لیے تھے۔ انہونی ہوگئی تھی، وہ جو سالوں اس حویلی میں نہ ہوا تھا وہ ہوگیا تھا، محبت کا نام یہاں نفرت کی نگاہ سے لیا جاتا تھا۔ اس کی اس خودسری کو اس کے باپ نے اسے جائیداد سے ہی نہیں عاق کر کے پورا کیا بلکہ اس کو تاعمر اس گھرانے سے بے دخل بھی قرار دے دیا تھا۔ اسے نفرت کی ایسی مار ماری تھی کہ کسی نے بھی اس سے ہمدردی تک نہ کی تھی۔ اب وہ ایک ایسا لفظ اپنے منہ سے نکال بیٹھی تھی کہ اگر اس کے بعد وہ اس کے حق میں نہ بھی رہتی تاعمر یہ اس کے ماتھے کا داغ بن جاتا، اس کے ماتھے پر یہ بدنامی رہ جاتی اور وہ کیسے اس بدنامی کے ساتھ جیتی۔ سو اس نے اس محبت کو روگ نہ بننے دیا تھا اس نے بہت ترلے اور منتیں کی تھیں اپنے بابا کے سامنے اس نے اپنا سر جھکا کر ان کے قدموں میں بیٹھ کر فریاد کی تھی، صرف ایک بار اس کے انتخاب کو بھی دیکھ لیں، پرکھ لیں مگر وہ ہار گئی تھی اس کے بابا نے اس کو ٹھوکر مار دی تھی اور تاعمر اس سے نہ ملنے کی قسم کھائی تھی۔ کہاں ممکن تھا جو شہاب عالم کہتے ان کی اولاد ان کا کہنا نہ مانتی ان کا حکم رد کر دیتی۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔

آج وہ ماضی کا گھروندہ جو بکھر گیا تھا ان تصاویر میں پھر سے ایک ہوگیا تھا، تینوں بہن بھائی اکٹھے کھڑے باپ کی شفقت میں مسکرا رہے تھے۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی، ماضی جو شفاف تھا، جہاں معصومیت تھی، بچپن سے لڑکپن تک کا ستھرا ساتھ تھا، جو جوانی کی دہلیز پر پہنچتے ادھڑ گیا تھا۔ اس وقت وہ سب الگ تھے اور عابی اس وقت ان تصاویر میں اتنی گم تھی کہ اسے اپنے عین پیچھے باپ کی آمد کا احساس تک نہ ہو سکا تھا اور بیگم ثریا کا تو یہ منظر دیکھ کر رنگ

ہی فق ہو گیا تھا۔

"عابی......" اچانک ہی چوہدری شاہنواز کی گونج دار آواز نے اس کے اوسان خطا کر دیے۔ اس نے تڑپ کر بجلی کی طرح مڑ کر پیچھے دیکھا۔ اپنے عین سر پر اپنے باپ کو اس قدر غضب ناک انداز میں دیکھ کر وہ خوف میں جکڑ گئی اور تھر تھر کانپتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی ہماری اجازت کے بغیر ہمارے اس بکس کو کھولنے کی۔" چوہدری شاہنواز کا لہجہ کرخت تھا اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عابی پر ہاتھ اٹھا دیں۔ عابی نے مجرموں کی طرح سر جھکا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ شرمسار تھا۔

"جاؤ دفعان ہو جاؤ یہاں سے اس سے قبل کہ میرا ہاتھ تم پر اٹھ جائے۔" چوہدری شاہنواز نے شدید اشتعال میں کہا تو عابی بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

"یہ سب منحوسیت یہاں سے صاف کرو۔" چوہدری شاہنواز کہہ کر وہاں سے طویل مسافت کی تھکن لیے مردانے میں چلے آئے تھے۔ انہوں نے نجانے کیوں اب تک یہ تصاویر سنبھال کر رکھی تھیں، وہ جب بھی تنہا ہوتے، سب گھر والے رب نواز کی طرف جاتے تو رات کی تنہائی میں چپکے سے ان تصاویر کو نکالتے تھے ان تصاویر سے دل کو جہاں اداسی ملتی تھی کہیں نہ کہیں انہیں پارو کی یاد بھی سکون سا دیتی تھی۔ پارو ان کی اکلوتی بہن تھی، جو ان سے فرمائشوں کا سلسلہ جاری رکھتی تھی۔ وہ کھلی آنکھوں ماضی میں پہنچ چکے تھے۔

کچی سوندھی مٹی کی خوشبو میں وہ سب کھیتوں میں آ جھکے تھے۔

"لی پارو، کم کھا موٹی ہو جائے گی۔" ثریا نے ہنس کر پارو سے کہا تھا۔

"ہو جانے دے بھابی میرے ابا کے کھیت ہیں۔" پارو نے بھی ہنس کر کہا تھا۔ رسیلے پکے آم کھانے میں اس کو بہت ہی مزہ آ رہا تھا اور وہ گٹھلیاں یونہی پھینکتی جا رہی تھی۔

"لے جھلی نہ ہو تو، اگر تیرے ابا کے کھیت ہیں تو کیا سارے پھل ہی کھا جائے گی اس میں تیرے ویروں کا بھی حصہ ہے۔" اس وقت بیگم رب نواز کلثوم نے اسے خفگی سے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"دیکھ بھابی تو جب بھی بات کرنا حصوں کی ہی بات کرنا...... ارے سب کا ہی حق ہے، میں اکیلی کہاں اس سب پر حاوی ہوں۔" وہ بھی سادگی سے بولی تھی۔

"دیکھ پارو جو جی میں ہوتا ہے ناں میں تو وہی کہتی ہوں، دوسروں کی طرح مجھے دکھری باتیں نہیں آتی ہیں۔" بیگم کلثوم نے بیگم ثریا کی طرف دیکھ کر جتایا تھا۔

"تم مجھے کچھ سنا رہی ہو تو صاف صاف بولو۔" بیگم ثریا نے بھی سخت خفگی سے کہا تھا۔ اچھا خاصا ماحول خراب ہونے لگا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے، میں کہتا ہوں کہ تم سب ابا کا ہی لحاظ کر لو، وہ قریب ہی موجود ہیں۔" چوہدری شاہنواز اپنی بیگم کو تو کہہ ہی سکتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنی بیگم کو ڈانٹ دیا تھا۔

"ہاں آپ کا سارا غصہ مجھ پر ہی اترتا ہے، یہ ساری بھڑاس نکالتی رہے، اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔" ثریا بیگم نے بھی مظلومیت کا رونا رویا تھا۔ اگرچہ یہ کسی حد تک درست بات بھی تھی۔ کلثوم بیگم طنز کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

"ارے ارے میری پیاری بھابی میں سچ کہتی ہوں جب بھی وونٹنگ ہوئی ناں میرا ووٹ آپ کے ہی حق میں ہوگا، جانتی ہیں ناں، ابا کی جان ہے پارو میں۔" پارو نے اترا کر کہا تھا اور کلثوم بیگم جل بھن کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

پودے پر مزید ... بدلے گئے

"نہ شہر جا کر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں جتنا پڑھ لیا کیا کم ہے، وہ میرا ابھرا ہے میرا اویر ہے عزیز اس کو اتنی پڑھی لکھی لڑکیاں نہیں چاہیں۔" بیگم کلثوم نے برا سا منہ بنا کر کہا تھا۔

"یہ تو اب ابا کا ہی فیصلہ ہوگا، ہم تو صرف مشورہ دے سکتے ہیں۔" رب نواز باپ سے ڈرتا تھا جبکہ چوہدری شاہنواز حقیقت میں باپ کی عزت کرتا تھا۔ شہاب عالم

اس وقت خاموش تھے۔

"دیکھ ابا، میں نے وہی کرنی ہے، جو کہا ہے، میں جانتی ہوں کہ سب میرے پڑھنے لکھنے کے خلاف ہیں مگر میں نے کبھی پہلے تیری کوئی بات ٹالی ہے جواب ٹالوں گی، میں نے چپ چاپ اس عزیز کے لیے ہاں کہہ دی، ابا تو جانتا ہے ناں کہ میں نے کبھی آنکھ بھر کر اس کو دیکھا تک نہیں، جو میرے ابا نے کہا سو میں نے مان لیا۔ اب تو بھی تو میری بات مان لے ابا۔" وہ رو دینے کو تھی، اس کی غزالی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسو کہاں وہ برداشت کر سکتے تھے۔

"پارو شہر جا کر رہے گی ہاسٹل میں، پڑھے گی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے، پڑھنے کے بعد وہ بیاہ بھی وہیں کرے گی جہاں میں نے کہا ہے۔" شہاب عالم نے دبنگ لہجے میں کہا تھا۔ ماحول میں سکوت چھا گیا تھا۔ اس بہ ظاہر خاموشی کے پیچھے بہت بڑی کھلبلی مچی ہوئی تھی اور ان کے لہجہ میں تو جی حضوری تھی مگر پیچھے واویلا ہو گیا تھا، ابا کے جاتے ہی زمینوں پر کلثوم بیگم نے شور ڈال دیا تھا۔

"نا میں کہتی ہوں کہ میں اس کی نند بھی لگتی ہوں، اس کا ہی کوئی لحاظ رکھ لیتا، میرا ویرا اتنی آزاد خیال لڑکی کو برداشت کر رہا ہے، اس کی نیک فطرت ہے بھلا کہاں آنکھوں دیکھی مکھی کوئی نگلتا ہے، میں کہتی ہوں یہ لڑکی ناک کٹوائے گی ایک دن۔" کلثوم بیگم کا واویلا جاری تھا، ساس تو تھی نہیں کہ روکتی، ثریا بیگم نے اسے چپ کروانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ سنتی بھی کہاں تھی، خاطر میں ہی کسی کو نہیں لاتی تھی۔ اس کا بولنا بند نہ ہوا تو پارو بول اٹھی تھی۔

"میں ماہ پارہ ہوں اور کس کی جرأت ہے کہ مجھ پر الزام تراشی کرے، میں ابا سے صاف کہوں گی آج۔" اس کا اتنا کہنا تھا کہ کلثوم بیگم کی بولتی بند ہو گئی تھی۔ اسے سسر کا لحاظ تھا یا نہیں مگر اس جائیداد کی منتقلی تک اسے احساس کرنا ہی تھا، وہ تو دولت کی پجارن تھی، اس کا شوہر رب نواز اور وہ خود اس رشتے کے حق میں اس لیے بھی تھے کہ اس طرح ان کی بہن ماہ پارہ کے حصے کی زمین بھی ان کے ہی قبضے میں آ جاتی تھی۔ عزیز ایک سیدھا سادا سا جوان تھا، اسے تو ماہ پارو کی خوبصورتی ہی بھا گئی تھی۔ اس سے زیادہ نہ تو اس کی سوچ تھی نہ ہی چال بازی اس کی فطرت کا حصہ تھی مگر یہ رشتہ تو سراسر رب نواز اور کلثوم کی ملی بھگت تھی۔ ان کو دولت کی ہوس تھی۔

ماہ پارو شہر جا کر رہنے لگی تھی مگر ہر چھٹیوں پر اس سے ساری روداد سنی جاتی، اس کی ایک ایک نقل و حرکت پر نگاہ رکھی جاتی تھی، جب اس کا آخری سال تھا اس وقت اس کی شادی کی تیاریاں گھر میں شروع ہو چکی تھیں۔ امتحانات کے بعد جب وہ واپس لوٹی تو یہاں تو حالات ہی ایسے تھے کہ جیسے اب وہ آج کل میں وداع ہو گی۔ ہر وقت چہکنے والی تتلی اس وقت چپ تھی۔ جلد خاموشی اس کے لبوں پر طاری رہتی تھی، سب نے اپنی اپنی دانست میں ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ اس چپ کو توڑ ڈالے اور اسی طرح مسکرائے کھلکھلائے جیسے وہ پہلے مسکراتی اور کھلکھلاتی تھی مگر اس کے لبوں کی مسکان تو شاید شہر میں بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

پھر ایک دن اس نے اس خاموشی کو توڑ دیا تھا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کو مایوں بٹھانے کی رسم ہو رہی تھی جب پیلے جوڑے میں وہ سیدھی باپ کے روبرو آن کھڑی ہوئی تھی۔

"ابا مجھے تجھ سے کچھ کہنا ہے۔" شہاب عالم تو اس کی وداعی کا سوچ کر پہلے ہی اداس سے رہتے تھے، اس وقت بھی انہوں نے اس کو بہت پیار سے دیکھا تھا۔

"بچی ان موقعوں پر اس طرح منہ اٹھائے ادھر ادھر نہیں پھرتے۔ بدشگونی ہوتی ہے۔ تیری ماں زندہ ہوتی تو وہ تمہیں سمجھاتی مگر بہر حال بول میری بچی۔" شہاب عالم بولے تھے۔

"ابا میں یہ شادی نہیں کر سکتی کیونکہ میرے دل کے تار کسی اور سے جڑ چکے ہیں۔" اس وقت وہ شہاب عالم کے روبرو کھڑی ہوئی تھی۔ شہاب عالم کا ہاتھ اس پر زندگی میں پہلی مرتبہ اٹھا تھا۔

"اگر تو یہ مذاق ہے تو انتہائی گھناؤنا ہے، جاؤ جا کر اندر بیٹھو۔ سب لڑکیاں سکھیاں بیٹھی ہیں۔" وہ کہہ کر پلٹنے لگے تھے جب وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

"ابا میرے پیارے ابا، وہ عزیز کسی طرح بھی میرے جوڑ کا نہیں ہے، دیکھ میری خوبیاں دیکھ، اس میں کیا ہے سوائے زمین کے۔ میں نے جس کو چاہا ہے، جس نے مجھے اپنانے کا وعدہ کیا ہے، اس میں لاکھ گن ہیں، ابا صرف ایک بار تو اس سے مل لے، اس کی شکل دیکھ لے۔" وہ رو رہی تھی، تڑپ رہی تھی، شہاب عالم بے یقینی سے اپنی لاڈلی بیٹی کا جھکا ہوا سر دیکھ رہے تھے۔ سر تو آج اس نے سب کا ہی جھکا دیا تھا۔ شاہنواز کی آنکھوں میں دکھ تھا، مگر رب نواز کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"بے شرم، بے غیرت یہ سب کہتے تجھے حیا نہیں آئی۔" رب نواز نے اسے دھمو کے پر رکھ لیا تھا اور چودھری شہاب عالم کے لیے جب یہ سب قابل برداشت نہیں رہا تو انہوں نے گرج دار آواز سے رب نواز کو روک دیا تھا۔

"بس کر رک جاؤ۔" فضا میں بے حد اداسی گھل گئی تھی۔ پراسراریت اور یاسیت بھری۔

"اس کو میں نے بڑے مان سے شہر پڑھنے کے لیے بھیجا تھا، کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ ایسا شدید قدم اٹھائے گی، میری طرف سے اب یہ مر چکی ہے، اس کو کہہ دے شاہنواز، اس کو کہہ دے کہ یہ جہاں چاہے اپنا منہ کالا کرے مگر اس کے بعد مجھے اپنی شکل نہ دکھائے، یہ میرے لیے آج کے بعد مر چکی ہے۔" شادمانی اداسی میں بدل چکی تھی۔ اپنی من پسند ہستی کو پانا اتنا بڑا گناہ تو نہیں تھا، فقط ایک شخص کی قربت کی آرزو اس کے خواب بننا اور اس کو چاہنا کوئی بھی گناہ نہیں تھا پھر کیوں اس کے بابا نے اس کو اتنی بڑی سزا سنا دی تھی۔

وہ روتی پھوٹ پھوٹ کر، سب ایک ایک کر کے اپنے اپنے کمروں میں بند ہو گئے تھے، گھر میں سوگواری، خاموشی تھی، ساری عورتیں گوٹھ میں طرح طرح کی باتیں بنا رہی تھیں، سب تحیر زدہ تھے کہ شہاب عالم کی بیٹی نے اتنی جرأت کر کیسے لی تھی۔ کیونکہ شہاب عالم صاحب کے رعب و دبدبہ کے سامنے تو ان کے اپنے شیر جیسے بیٹے گیدڑ بن جاتے تھے، وہ ایک دبنگ دار شخصیت کے مالک تھے مگر رفتہ رفتہ وقت نے سب کچھ بتا دیا کہ وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی ایک بیٹی کے سامنے اپنی اکڑ اور انا، اپنی شان اونچی شخصیت اور اونچے شملے کو بہت ہی پیچھے رکھ دیا تھا، ان کو تو مہ پارہ میں ہی سب کچھ دکھائی دیتا تھا، اپنی مرحوم بیوی اور اپنی مرحوم ماں۔ وہ اپنی ماں اور اپنی بیوی کا عکس دیکھتے تھے مہ پارہ میں۔ مہ پارہ کی چال ڈھال اپنی دادی جیسی تھی تو اس کی شوخی و شرارتی پن اس کی اپنی ماں پر تھا اس لیے ہر ہر بات وہ اپنی منوا جاتی تھی منوا تو اس مرتبہ بھی وہ گئی تھی مگر اس کے لیے اسے اپنا سب کچھ ہار دینا پڑا تھا۔ اپنے باپ کا اونچا شملہ روند دیا تھا اس نے مگر پایا تھا من چاہا جیون ساتھی۔ اس کا اپنا ہی مطمع نظر تھا کہ اس کو تعلیم نے اس کے اس حق سے روشناس کروایا ہے، وہ اپنے دل کے ہمراز کو اپنا جیون ساتھی بنانے کی تمنائی ہے مگر یہاں اس کی سنتا ہی کون تھا؟ اس کے سامنے تو ایک گمبھیر خاموشی کا طوفان تھا۔

اس کو وہیں زمین پر ڈھیر ہوتے دو زانو بیٹھے نجانے کتنا وقت بیت گیا تھا جب ثریا بیگم نے دل میں اس کے لیے موجود ہمدردی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس سے کہا تھا۔

"نی نمانی، کب تک یونہی پتھر کا بت بن کر بیٹھی رہے گی، چل اندر آ کر لیٹ جا۔" ثریا بیگم کی آواز میں نمی سی تھی، ایسا کچھ تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اب اس لڑکی سے تعلق کھو دیں گی۔ اس نے دیکھا تھا کہ اس کے دیور کے بس میں ہوتا تو اس کے ٹکڑے کر دیتا۔ اس کے اپنی شوہر کے بس میں ہوتا تو اس کو دھکے دے کر نکال دیتا، ابھی اور اسی وقت مگر وہ اس کی بیوی بھی تو تھی، اسے اندازہ تھا کہ اپنی لاڈلی بہن کو اس طرح اس حالت میں دیکھنا شاہنواز کے لیے کس قدر اذیت ناک ہے۔ اس لیے تو وہ اپنے شوہر کے دل کی بات بھانپ کر اس وقت پارو کو لے جانے کے لیے آئی تھی۔ پارو اس کے ہمراہ کمرے تک آئی اور اچانک ہی بھابی کے گلے لگ کر رو دی تھی۔

"بھابی بتائیں نے ایسی کون سی خطا کی ہے، ایک ذرا سا اپنا حق ہی تو مانگا ہے، وہ عزیز جسے کسی بات کی سمجھ ہی

نہیں ہے، جب کہو بیٹھ جاؤ بیٹھ جاتا ہے جب کہو اٹھ کر کھڑا ہو جا، کھڑا ہو جاتا ہے، وہ کولہو کا بیل لگتا ہے، میرا مزاج، میری شخصیت سے وہ میل کھاتا ہے کیا بھابی؟ جسے میں نے چاہا، اپنے من مندر میں ایک اونچے مقام پر اسے بٹھایا، یہی قصور ہے ناں میرا کہ میں نے حق مانگ لیا۔" وہ رو رہی تھی۔

"پارو تو نے اپنا حق مانگنے میں بہت دیر کردی میری بہن، ہم نے دیکھا تھا کہ تو کچھ بدلی بدلی سی ہے مگر اس لیے چپ تھے کہ شاید اپنے گھر بیاہ کر جانے کا ملال ہر لڑکی کو اداس سا کر دیا کرتا ہے مگر تیری چپ کی اصل وجہ یہ بھی ہے تو ہم نے سوچا بھی نہ تھا۔" وہ درد سے بولی تھیں، پارو مسلسل رو رہی تھی۔

"پارو ہو سکے تو دوبارہ یہاں مت آنا، جب تو نے اپنا من پسند جیون ساتھی چن ہی لیا ہے تو میری تو دعا ہے کہ تو جہاں رہے سکھی رہے اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ اس طرح اس شخص کو یہاں لائے گی، ملوائے گی، عزت کا تاج اس کے سر پر رکھوا سکے گی تو یہ تیری سراسر بھول ہے بلکہ میں تیری سچی دوست اور بھابی ہوں، میں یہی کہوں گی کہ ایسی غلطی کبھی بھی مت کرنا تو چپ چاپ شہر چلی جانا وہاں اپنا گھر بسا لینا۔ اگر تو نے اس شخص کو ایک بار بھی اس کوٹھے میں لانے کی غلطی کی تو......" نجانے کیوں ثریا بیگم چپ کر گئی تھی۔

"تو کیا بھابی...... کیا ہوگا اگر وہ شخص یہاں آ گیا تو؟" وہ حیرت سے گنگ تھی۔

"تو اسے مروا دیا جائے گا۔ تو نہ تو پھر کسی اور کی بیوی بن سکے گی اور نہ ہی اس شخص کی جسے چاہتی ہے۔" ثریا بیگم نے دوٹوک الفاظ میں وہ کہہ دیا تھا جو سولہ آنے سچ تھا اور یہ سچ سن کر وہ کانپ گئی تھی، اپنے من چاہے شخص کو کھو دینا اور اس کے بعد اس کو مرتے دیکھنا اس کے بس کا روگ ہی نہ تھا، بس وہ ایک لمحہ ہی تھا جب اس نے دل میں مصمم ارادہ باندھ لیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جائے گی مگر اس کے نام بھی یہاں کسی کی سامنے لب پر نہ لائے گی۔

صبح سویرے اسے چودھری شہاب نے ڈرائیور کے ساتھ شہر بھیج دیا تھا، جاتے وقت انہوں نے اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا مگر اسے ڈرائیور کے ہاتھوں وہ سارے زیورات دے دیئے تھے جو انہوں نے اس کی شادی کی غرض سے تیار کروائے تھے، یہ بھی ان کی محبت کا ایک انداز ہی تھا۔ مہ پارہ نے بہت چاہا کہ وہ باپ سے مل لے وہ روتی بلکتی رہی مگر اس کو کسی نے بھی شہاب عالم سے ملنے نہ دیا تھا اور وہ ہمیشہ کے لیے شہر چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد شہاب عالم کو چپ لگ گئی تھی، کسی نے بھی شہاب عالم کے کہنے پر پلٹ کر یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ آیا کہ اس کی شادی بھی ہوئی کہ نہیں، یہ سب ایک راز ہی رہ گیا تھا مگر بہت سال پہلے شاہنواز نے ایک مرتبہ اپنی نمانی بہن کو ایک شاپنگ پلازہ میں دیکھا تھا، وہ اپنی گود میں ایک گول مٹول بچی کو اٹھائے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پر زندگی کی روشنی بکھری ہوئی تھی۔ شاہنواز اور پارو کی نگاہیں آپس میں ٹکرائی تھیں اور اس کے بعد وقت جیسے اپنی چال چلنا بھول گیا تھا، شاہنواز وہیں سے پلٹ جانا چاہتا تھا مگر اس کی بہن نے اپنے بھائی کا راستہ کاٹ کر روک لیا تھا، اس کی آنکھوں میں لبالب آنسو تھے۔

"بھائی چلے جانا، بس اتنا بتا دو کہ ابا کیسے ہیں؟" اس کا لہجہ اشکبار تھا شاہنواز کے چہرے پر سرد مہری تھی۔

"اب کس منہ سے تم اپنے باپ کے بارے میں پوچھ رہی ہو، تم نے تو اسی دن اپنے باپ کو مار دیا تھا جب اپنی چاہت کو اپنی باپ کی عزت پر ترجیح دی تھی، اس کو میں نے پہلی مرتبہ روتے دیکھا تھا۔ وہ چٹان جیسا شخص اس دن پہلی مرتبہ میرے سامنے رویا تھا۔ اس کے بعد اگلے دن ابا نے ہم دونوں بھائیوں کو بلایا اور ہمارے سامنے ہی زمین کا بٹوارہ کر دیا تھا، زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور وہ تاریک کالی رات تھی جب ابا تیسرے دن تمہارے جانے کے بعد اس دنیا سے ناتا توڑ گئے تھے۔ یہ تم جانتی ہو کہ ابا کے چہرے پر دکھ، درد اور انتظار تھا، بے یقینی تھی، یہ سب سوغات تمہاری دی ہوئی تھیں۔" شاہنواز کہہ کر رکے نہیں تھے، نا انہوں نے پارو کے چہرے پر بکھرتے زلزلے کو دیکھا تھا۔

وہ سیدھا چلتا چلا گیا تھا، اس کے بعد اس نے دوبارہ پارو کو نا تو تلاشا تھا نا ہی اس کو دیکھا تھا لیکن ایک بات تو طے تھی کہ پارو اپنا گھر بسا چکی تھی اور اب ایک بچی کی ماں بھی تھی۔

"سنیے؟" اچانک ثریا بیگم کی آواز اسے ماضی کے دریچوں سے حال میں لے آئی تھی۔

"جو ہوا اسے بھول جائیں، بچی ہے، غلطی ہوگئی ہے، اب کمرے میں بند رو رہی ہے۔" وہ دکھی تھیں مگر بیٹی اور شوہر دونوں کا ہی دکھان کا مشترک دکھ تھا۔

"بیٹی کو سر پر نہ چڑھاؤ، رونے دو، اس سے پہلے کہ وہ ہمیں رلائے۔" دل کا دکھان کی زبان پر آ ہی گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے کہ ہماری بیٹی ایسی حرکت کرے، کیسی باتیں کر رہے ہیں کوئی، کوئی وقت قبولیت کا وقت بھی ہوتا ہے۔" ان کا دل وسوسوں کا شکار ہو چلا تھا، اس ایک خوف کے پیش نظر انہوں نے اپنی بیٹی کو کبھی گھر سے زیادہ باہر جانے ہی نہ دیا تھا۔ اس کو گھر میں ہی قید کر کے رکھا تھا، اس پر بظاہر کوئی روک ٹوک تو نہ تھی مگر انہوں نے اس کو درست اور غلط میں واضح طور پر فرق کروا دیا تھا، ان کا انداز اور حد بندی کا طریقہ ایسا تھا کہ عالی خود ہی اپنی زندگی میں ایک مخصوص سمت تک ہی جاتی تھی مگر دل ایک ایسا نادان پنچھی ہے جس کی اڑان ضروری نہیں کہ اپنی ہی سرحد تک محدود رہے اس کی اڑان تو غیر سرحدوں پہ بھی ہو جاتی ہے اور اس دل کے ہاتھوں ہی مجبور ہو کر انسان بسا اوقات کچھ ایسے فیصلے بھی کر لیتا ہے جہاں مقدر میں پچھتاوں کے سوا کچھ نہیں لکھا جاتا، وہ شام شاہنواز کو اداسی اور آزردگی میں گھلی ملی تھی۔ سارے زخم جیسے کسی نے ادھیڑ دیئے تھے۔ سارے غم ایک ایک کر کے سامنے آتے چلے گئے تھے۔ اپنے باپ کو کھو دینے کا دکھ ایسا تھا کہ جس کا کوئی بھی مداوا نہ تھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے باپ کی وصیت کے پیش نظر کبھی بھی پلٹ کر اپنی بہن سے ملنے کی خواہش ہی نہ کی تھی۔ جس باپ نے اپنی وصیت میں ہی لکھ دیا تھا کہ وہ دل کے ہر رشتے میں ماہ پارہ کو عاق کر چکے ہیں وہ اسے کیسے وراثت میں کچھ دے دیتا؟

⚙.........⚙.........⚙.........⚙

"چل اٹھا یہ سارے کپڑے اور بھاگتی دکھائی دے۔" شبو نے تیکھے لہجے میں اپنے گاؤں کی سکھیوں کو کہا، کلثوم کو ان کا یہ انداز ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، ہوا یہ تھا کہ شبو نے ان سے کچھ ملبوسات منگوائے تھے، وہ دوسرے گاؤں میلے پر گئی تھیں وہاں سے سب نے حسب استطاعت اس کے لیے بہترین ملبوسات لیے تھے مگر جب یہاں لا کر شبو کے سامنے ڈھیر کر دیئے مگر اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

"ایک بھی کام کا نہیں ہے۔" اس کا منہ بن گیا تھا، قدرے فاصلے پر بیٹھی کلثوم بیگم نے اس کا مزاج دیکھا تھا، اس وقت وہ بالکل چپ رہی تھیں۔

"تو ایسی کون سی شے ہے جس پر پسندیدگی کی مہر لگا دے، تیرے تو نخرے اب آسمان کو چھونے لگ گئے ہیں اتنی اکڑ اچھی نہیں ہوتی۔" یہ ساتھ والے پنڈ کی لڑکی تھی جو کسی کی کمین اور مزارع سے نہ تھی بلکہ وہ خود بھی وڈیرے کی بیٹی تھی، بھلا شبو عام لڑکیوں کو منہ ہی کہاں لگاتی تھی کجا یہ کہ ان سے دوستی بھی گانٹھ لیتی۔

"تو مجھے سبق نہ پڑھا، تجھے یہ گندے پھیکے رنگوں والا کچے رنگ والے کپڑے لیتے کچھ احساس ہی نہ ہوا۔" وہ ابھی تک اپنی ہی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

"نہ کچھ تو خیال کر، تیرے لیے وہ تر سا تر سی ہر شے اٹھا لائی ہیں کہ کوئی تو تجھے بھلی لگے گی مگر تیرے نخرے ہی کم ہونے میں نہیں آ رہے ہیں۔" کلثوم بیگم سے اب مزید چپ نہ رہا گیا تھا۔

"ہاں تو نخرے کیوں نہ کروں، وڈیرے رب نواز کی اکلوتی دھی ہوں، وہ بھی لاڈوں والی۔" وہ نخوت سے بولی۔

"حق ہا، تو کیا ہم فالتو ہیں؟" اس کی دوست حمیدہ کو تاؤ آیا۔

"ارے نہیں مگر میرے جیسی بات کہاں، میں تو جو بات کہوں وہی میرے ابا من وعن پوری کر دیتے ہیں دیکھ

لینا میرا ہر بھی میری پسند کا ہوگا۔" اس نے اٹھلا کر پورے یقین سے کہا۔

"اللہ اللہ کچھ تو لحاظ کر یہ کیا کہہ دیا تو نے۔" کلثوم بیگم نے حیرانی سے اپنی بیٹی کو دیکھا جواب کچھ زیادہ ہی بدزبان اور منہ پھٹ ہو چکی تھی۔

"لو جی اس میں برائی ہی کیا ہے، انسان اپنا من پسند جیون ساتھی چن لے اور اس کے ساتھ زندگی گزارے، کسی بھی ان چاہے شخص کا ساتھ تکلیف دہ ہوا کرتا ہے وہ انسان کو برداشت نہیں ہوسکتا۔" وہ کہاں کسی کی بات کو بھی خاطر میں لانے والی تھی اور اس وقت بھی من مانی کر رہی تھی۔

کلثوم بیگم کا چہرہ اتر گیا تھا، برسوں پہلے اپنی نند کو بہت سارے طعنے دیئے جانے کے بعد بھی اب ان کی اپنی بیٹی وہی الفاظ دہرا رہی تھی۔ اگرچہ موت برحق ہے اور اللہ تعالیٰ نے موت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے مگر اس نے شہاب عالم کو سنانے میں اور ان کے دل کے دورہ پڑنے میں کوئی بھی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، ان کو تکلیف دی تھی مگر اس میں شدت کا سبب کلثوم کے وہ طعنے وتشنع بن گئے تھے جو وہ مسلسل جاری رکھے تھی اور اب اس کے سامنے اس کی بیٹی وہی سب کہہ رہی تھی۔

"ہائے نی کتنی بے شرمی سے اپنے ویاہ کا ذکر کر رہی ہے کچھ تو لحاظ کر جا۔" اس کی دوست نے اسے احساس دلایا جبکہ اس کے دائیں اور بائیں کھڑی سکھیاں کھی کھی کرنے لگی تھیں۔

"یہ دیکھ ریشمی لباس اور یہ جو کڑھائی والا کرتا ہے وہ خاص تیرے رنگ کو دیکھ کر پسند کیا ہے اور یہ جارجٹ کا لباس تو بالکل شہری طرز پر بنا ہے مگر تو ہے کہ تیرے نخرے ہی نہیں مل رہے۔" حمیدہ نے دوبارہ سے ایک ایک شرٹ پیس اٹھا کر ہوا میں لہرایا۔ بات بدل گئی تھی مگر کلثوم بیگم کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"یہ سب اچھے ہیں مگر میرے لائق نہیں، تو نہیں سمجھے گی، خیر جانے دے۔ میں دو دن بعد اپنے ابا کے ساتھ شہر جا کر لے آؤں گی۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی پھر ایک ایک کر کے ساری سکھیاں وہاں سے چھٹ گئی تھیں، اس کی ماں اور وہ بالکل تنہا رہ گئے تھے تو تب کلثوم بیگم اٹھ کر اس کے پاس آ گئی تھیں۔ شبو حیرانی سے ماں کے چہرے پر طاری سنجیدگی کو ملاحظہ کر رہی تھی۔

"بات کیا ہے آخر، اس قدر پریشان سا چہرہ کیوں بنا رکھا ہے؟" وہ تحیرزدہ انداز میں بولی۔

"تو نے آج جو کچھ اپنی سہیلیوں کے سامنے کہا ہے ناں، وہ دوبارہ اپنی زبان پر کبھی مت لانا۔" کلثوم بیگم کے انداز میں قطعیت تھی۔

"ارے میں نے ایسا کون سا غلط جملہ بول دیا، بس اتنا ہی تو کہا تھا کہ پسند کا ویاہ کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔" اس کی بات پر کلثوم بیگم کا ہاتھ اس کے منہ پر اٹھتے اٹھتے رہ گیا تھا۔

"آج کے بعد کہا ناں تیرے منہ سے نہ یہ لفظ نکلیں اور نہ تو ایسی سوچ پالنا۔ ہم نے کرنا ہے تیرا ویاہ اور جس سے بھی چاہیں گے کریں گے دوبارہ یہ لفظ کہے تو میں برداشت نہیں کروں گی۔" یہ جملے تو اسے اپنی ہی بیٹی کی زبان سے تازیانہ لگ رہے تھے، چابک کی مار جیسے وہ جملے اس کی رگ وپے میں سرایت کر گئے تھے، وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں مگر شبو شش وپنج کا شکار ہو چلی تھی۔

"یہ سب آخر ہے کیا؟"

❁ ❁ ❁ ❁

دوسرے روز ہی شبو نے شہر جانے کی ضد کر ڈالی تھی، کلثوم بیگم سے وہ خفا تھی اس لیے ان سے بالکل بات چیت ترک کر دی تھی، اس وقت اس کا مخاطب اس کا اپنا باپ تھا۔ ابھی بھی شہر سے آیا ہوا تھا اور اس وقت ناشتے میں بہت ہی خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ دیسی گھی سے تربتر پراٹھے، آملیٹ، آلو کے پراٹھے اور میٹھی لسی کے علاوہ گڑ والے چاول بھی تھے۔ شہاب عالم نے جس طرح اپنی بیٹی کو سر پر چڑھا رکھا تھا اب رب نواز نے اس سے بھی زیادہ اپنی چہیتی بیٹی شبو کو سر پر اٹھا رکھا تھا، وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی رنگ میں ڈھال لیتا ہے، رب نواز شبو کی معمولی لاپروائیوں، بے اعتنائیوں اور اس کی ضدی طبیعت اور

ہٹ دھرمیوں کو انتہائی سہولت سے نظر انداز کر جاتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ حد سے زیادہ منہ پھٹ اور خودسر ہو چلی تھی، اگر کوئی ملازمہ اس کے حسب منشا کھانا نہ لاتی، اس کا من پسند سالن نہ پکاتی وہ مرنے مارنے پر تل جاتی تھی ہاں آستینیں تک چڑھالی جاتی تھیں۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اہل کے ساتھ چلی جانا شہر۔" رب نواز نے اس سے کہا تو وہ پرجوش سی ہوئی اور ابا کی اس بات سے خوش بھی ہوگئی تھی آخر وہ وڈیرے رب نواز کی بیٹی تھی۔ اس کی کوئی بھی بات کہاں رد کیے جانے کے قابل تھی۔

"یوں بھی اب اہل کی منگنی کے لیے ساری تیاری تمہیں اور تمہاری ماں کو ہی کرنی ہوگی۔" چودھری رب نواز نے تحمل سے مسکراتے ہوئے کہا تو لسی کا گلاس جو اہل لبوں تک لے جارہا تھا یوں ہی ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔

"کیا مطلب ابا، میں سمجھا نہیں؟" اہل پر تحیر نگاہوں سے باپ کو دیکھا۔

"ہم نے تیرا رشتہ مانگا ہے عابی کے لیے اور اس کے لیے تیرے تایا نے نیم رضامندی دے دی ہے۔" انہوں نے فقط اس تک اطلاع دینے کا فریضہ انجام دیا۔

"مگر ابا شادی میں اپنی پسند سے کروں گا۔" اہل کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی لیے ہوئے تھا، رب نواز نے بری طرح سے چونک کر اپنے ہونہار بیٹے کو دیکھا، جہاں نروٹھے پن کے تاثرات تھے، یعنی وہ باپ کے اس فیصلے سے مطلق خوش نہ تھا۔ اس نے اپنی مرضی کا کہا تو اس میں ضرور کوئی کہانی پوشیدہ تھی، کچھ لمحوں کے لیے سب خاموش ہوگئے تھے۔ اس خاموشی کو رب نواز نے ہی توڑا۔

"دیکھ اہل، ہم نے جو کہا ہے وہ خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے، تو اب تک اراضی کا ایک بڑا حصہ بیچ چکا ہے، اگر تو اسی طرح نوازشات کا سلسلہ جاری رکھے رہا تو پھر خود تو کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جائے گا، عابی کے حصہ میں وسیع اراضی آئے گی، اس کی شادی کے بعد وہ ساری اراضی تیری ہو جانے والی ہے، مجھے اپنے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ایک بہت بڑا حصہ ابھی حال ہی میں چودھری شاہنواز کے حصے میں آیا ہے، اس کا بیٹا تیری طرح نکما نہیں ہے، نہ ہی محنت سے بھاگتا ہے، اس نے خوب محنت سے نہ صرف تعلیمی سلسلہ جاری رکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے باپ کے وراثتی سلسلہ کو بھی دراز کیا ہے۔" اپنا اور سکندر کا تقابلی جائزہ اس وقت اہل کے لیے سخت اذیت کا سبب بن رہا تھا جبکہ یہاں گھر کا ہر فرد ہی نہیں کچھ ملازمائیں بھی ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ اہل کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا مگر باپ کی بات کی تردید کا اس میں حوصلہ نہیں تھا کہ وہ سچ ہی تو کہہ رہے تھے۔

"اب رہی بات من پسند شادی کی تو کس نے روکا ہے تو ایک چھوڑ چار چار شادیاں کر، یہ معاملہ تیرے اختیار میں ہے مگر یاد رہے کہ وہ دوسری، تیسری چوتھی کبھی بھی اس حویلی میں نہیں آسکے گی، اسے شہر کے گھر میں رکھ، اس کو بنگلہ لے دے، ناز نخرے اٹھا مگر اس کو وہ حیثیت نہیں مل سکتی جو ایک خاندانی بہو کو مل سکتی ہے۔" چودھری رب نواز نے باتوں ہی باتوں میں اسے بہت کچھ جتا بھی دیا تھا اور اس کی حد بندی بھی اسے باور کرادی تھی۔

"تو کیا ابا جان آپ مجھے دوسری شادی کی خوشی سے اجازت دے دیں گے ایسا نہ ہو کہ بعد میں......" وہ مکر جانے کا لفظ زبان تک لاتے لاتے رہ گیا تھا مگر اس کا مقصد اور اس کا جملہ جو ادھورا تھا سمجھ کر رب نواز سخت برافروختہ ہوئے تھے۔

"تو کملا ہے کیا، اس لڑکی کے پیچھے اپنے باپ کی زبان پر شک کر رہا ہے۔ تو نا سمجھ ہے ایسی لڑکیاں فقط خریدی جاتی ہیں، ان کو اپنا نام نہیں دیا جاتا۔" رب نواز نے نگینہ کا نام نہیں لیا تھا لیکن ان کے الفاظ اور ان کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ نگینہ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں، وہ اہل کی ایک ایک نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہیں، اہل کو اندازا تھا، شک بھی تھا مگر آج چودھری رب نواز کی باتوں سے یقین ہو چلا تھا۔

"ابا جان میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" اہل گڑبڑا سا گیا۔

"جو بھی مطلب تھا خیر جانے دے، ہم نے تیری اور عابی کی منگنی کا طے کرلیا ہے، اس کی تیاری کے سلسلہ میں تو اپنی ماں اور بہن کو شہر لے جا اور جتنی مرضی رقم خرچ کر، کوئی مسئلہ نہیں لیکن ایک بات کا دھیان رہے وہ لڑکی جس کی تجھے چاہ ہے وہ تیری پہلی بیوی نہ بننے پائے، پہلے تو عابی کو اپنا نام دے گا، اس کے بعد تو اس سے شادی کرسکتا ہے مگر مجھے اپنے کسی کارندے سے اطلاع ملی ہے کہ تو نے اسے اپنا نام دینے میں جلدی کی ہے تو میں تجھے اپنی تمام جائیداد سے عاق کردوں گا تو جانتا ہے ناں وہ تتلی تیرے پیسوں پر ہی پنکھ پھیلائے بیٹھی ہے، رقم نہ رہی تو اڑنے میں دیر نہیں کرے گی۔" رب نواز کو چال چلنی آتی تھی، وہ اپنے بیٹے کے تمام عیبوں سے واقف تھے، اس کی ہر ہر حرکت کے گواہ تھے ان کی اس قدر معلومات پر کلثوم بیگم بھی حیران بیٹھی تھیں مگر دل کے کسی کونے میں ان کو اس بات سے بہت تقویت ملی تھی کہ ان کا شوہر فقط ظالم نہ تھا بلکہ اپنے بچوں کے مستقبل کے حوالے سے فکر مند بھی تھا اور وہ جانتے تھے کہ اہل کو دونوں ہاتھوں سے پیسے لٹانے کی بیماری ہے اس لیے انہوں نے اہل کو ایک ایسے رشتے سے منسلک کرنا چاہا تھا جہاں اس کو دولت کی کمی نہ رہتی، جہاں تک ان کا تجزیہ تھا، عابی ایک سیدھی سادھی لڑکی تھی، جس کے پر شادی سے پہلے ہی اس کے باپ نے خود کاٹ ڈالے تھے، عابی کی کم گوئی کے تو سب ہی گواہ تھے، اور یہ ہی عابی کی خوبی تھی کہ اس جیسی منہ میں زبان ہو کر بھی گونگی رہنے والی بہو کہاں مل سکتی تھی اور اس لیے انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر عابی کا انتخاب کیا تھا۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا بیٹا کسی اور کی زلف کا اسیر ہو چکا ہے مگر ان کو اپنے بیٹے کی اس کمزوری کا بھی علم تھا کہ وہ کبھی بھی اس عورت کو اپنا نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کو دولت کے ترازو میں تول نہ دے اور دولت کے حصول کے لیے اسے ہر صورت میں اپنے باپ کا فرماں بردار ہی رہنا ہوگا، چاہے وہ یہ فرماں برداری دل سے قبول کرے یا پھر اس میں دکھاوا رکھے۔

اہل کے پاس اس کے علاوہ کوئی بھی اور راستہ نہیں بچا تھا اور اس ساری صورت حال میں اہل کی خاموشی اس کی نیم رضامندی تھی۔ اس وقت ماحول کا تناؤ کم کرنے کے لیے شبو اپی کی جانے والی شاپنگ کا ذکر کرنے لگ گئی تھی۔ اہل الجھن زدہ انداز میں ناشتے سے فراغت کے بعد اپنے کمرے میں بیڈ پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ کیا وہ مان جائے گی، نگینہ تو پہلے ہی اس کی ذات کے حوالے سے انجانے خدشات میں مبتلا تھی اس پر ابا کی یہ سخت شرطیں، وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا مگر اس نے ایک بات تو دل میں ٹھان لی تھی جیسا سنا تھا کہ دلہن وہی جو پیا من بھائے اور اس کے حسن کو تو صرف نگینہ ہی بھاتی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر مطمئن سا ہو کر آنکھیں موند لی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

عابی کا رو رو کر برا حال تھا جبکہ نصیرہ اس کی دوست اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"تم اپنے بھائی سے بات کر کے دیکھو۔" اس وقت نصیرہ کو یہی بات سوجھی تھی۔

"اور کیا وہ میرے کہتے ہی مان جائے گا؟"

"اس کو بتا تو دو۔" نصیرہ بضد ہوئی۔

گھر میں سب ہی عابی اور اہل کے رشتے کو لے کر راضی تھے۔ کسی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا اور تو اور عابی جو سوچتی تھی کہ سکندر کے آجانے سے حالات سنور جائیں گے اور سکندر ضرور اس کے حق میں کچھ تو بولے گا مگر وہ بھی ابا کے فیصلے کے سامنے چپ تھا۔ اب تو عابی نے امید ہی چھوڑ دی تھی اس پر نصیرہ کے ہاتھ اسے بختو کا پیغام ملا تھا کہ اسے تقدیر کا لکھا ہوا سمجھ کر قبول کرلے۔ اس دکھ میں اسے بار بار تڑپ تڑپ کر رونا آرہا تھا۔ اسے اطلاع ملی تھی کہ اس کی منگنی کی رسم کے لیے سر شام ہی سب آجائیں گے۔ اسے سخت ذہنی اذیت کا سامنا تھا۔ اسی وقت سکندر کمرے میں آیا۔

"کیا بات ہے آپو، رو کیوں رہی ہو؟" عابی نے روتے ہوئے اپنے بھائی کو دیکھا۔

"بس دل اداس سا تھا، ایسا کچھ بھی نہیں۔" وہ بات کو

چھپا گئی تھی، وہ اپنے آنسو اپنی ہتھیلی کی پشت سے صاف کر رہی تھی۔

"میں اب سمجھا تم ودائی کے خوف میں مبتلا ہو مگر اتنی جلدی ہم تم سے جان چھڑانے والے نہیں ہیں میری بہن۔" سکندر مسکرایا تو عابی بھی زیرلب آنسوؤں کو پس پشت ڈال کر مسکرا دی۔

نصیرہ نے اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھا، اس کا خیال تھا کہ یہ سنہری موقع تھا مگر نجانے کیوں عابی دل کی بات دل ہی میں دبا کر رہ گئی تھی اور سکندر اسے پیار سے سمجھاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

❁....❁....❁....❁

تپتے منڈیر کی تپش لیے
اداس شام میں
کس قدر مرجھائی
غمگین و تنہا
گھنیری شاخوں کی اوٹ میں بھی
جلتے سلگتے بے سائباں وجود
کس قدر ہراساں
ویراں خود میں
اداسی کا سمندر دل میں
موجزن رکھے
جیے جا رہے ہیں
کب تلک رہیں گی
کبھی تو ڈھلیں گی
یہ اداس شامیں

اسی وقت کمرے میں ثریا بیگم آئی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں منگنی کا خوب صورت دیدہ زیب لباس تھا، یہ لباس بے حد نفیس تھا، آتشی لباس جو آنکھوں کے رستے دل میں اپنا گھر کر رہا تھا۔

"دیکھ میری دمی رانی کے نصیب کتنے اونچے ہیں، یہ لباس دیکھ۔" واقعی لباس بے حد دیدہ زیب تھا، سب کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

"یہ لباس میں نے بختو کے ساتھ جا کر منتخب کیا ہے، میری آنکھوں میں تو کوئی لباس ہی نہیں جچ رہا تھا، بھلا ہو بختو کا اس نے اس لباس پر انگلی رکھ دی۔ کہنے لگا اپنی بی بی جی پر یہ رنگ بہت بھلا لگے گا۔" ثریا بیگم اپنی ہی دھن میں مگن تیزی سے ساری روداد سنا رہی تھیں، یہ جانے بغیر کہ یہ سب سن کر عابی کا چہرہ یک دم دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ دل میں ماتم برپا تھا، نوحے گونج رہے تھے اس نے آگے بڑھ کر اس لباس کو تھام لیا تھا۔

"وقت پہ تیار ہو جانا۔" اور وہ واقعی بختو کے منتخب کردہ لباس میں چودھری رب نواز اور ان کی فیملی کی آمد سے قبل ہی بھرپور طریقے سے تیار ہو گئی تھی۔ جب بختو کو حکم نامہ ملا تھا کہ گجرے نصیرہ کو عابی کے کمرے میں دے آئے۔ بختو اس وقت بے حد مضمحل سا تھا۔ اس نے دیکھا عابی اس کے ہی منتخب کردہ لباس میں کسی اپسرا کی مانند دکھائی دے رہی تھی، ہاں اس کا چہرہ سوگوار سا تھا۔

تم پاس نہیں ہو تو کیا
دید کی آس و یاس میں چند سانسیں ہی رہنے دو
مت پابندی لگاؤ اس چشم نم پر
اسے آزاد رہنے دو
باقی بچا جو یہ گمنام رشتہ
تمہارے نام کے یہ چند آنسو ہی رہنے دو

دونوں کے دل اس وقت آنکھ ملتے ہی ملول سے ہو گئے تھے۔ عابی کا تو رو رو کر برا حال تھا مگر اس وقت وہ بالکل چپ تھی اور بختو کا دل اب سلگ اور رو رہا تھا، وہ عابی کے منگنی کے تقریب کے سارے انتظامات خود سنبھال رہا تھا، شامیانہ لگوایا اور باقاعدہ ہر طرف مٹھائی تقسیم کروائی تھی۔

باہر گہما گہمی سے اندازہ ہوا کہ عابی کے متوقع سسرال والے آ چکے ہیں۔ بختو اپنی زخمی نگاہیں سنبھالے باہر نکل گیا تھا۔ بعض لوگوں سے محبت کرنے پر..... لگتا ہے کہ وہ دل میں سما جاتے ہیں مگر ہمارے ہاتھوں کی لکیروں میں ان کا گزر بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

کب تلک روئے کوئی
اپنی حسرت ناتمام پر
اپنی ہستی پامال پر
اپنے شب و روز پر
اپنے بکھرے حالات پر
اپنے تشنہ خواب پر
اپنی خالی ہتھیلیوں پر
اپنے افسردہ جذبات پر
کب تلک روئے کوئی

کچھ ایسی ہی صورت حال اس وقت اس کی بھی تھی، اسے جب اہل کے ہمراہ بٹھایا گیا تو اس نے ذرا کی ذرا دور کھڑے بختو کو دیکھا جو اداس سا اس کے چہرے پر بکھرے سوز کو دیکھ رہا تھا۔ غربت ایک ایسی سزا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی سزا نہیں ہوتی۔

"ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی لگ رہی ہے۔" کلثوم بیگم نے خوشی سے کہا تو ثریا بیگم کے دل میں کچھ خدشات سے ابھرے، اپنی بیٹی کو انہوں نے جس گھرانے میں بیاہنے کی ٹھانی تھی وہ ان کا اپنا ہی خاندان تھا مگر اہل اور اس کی ماں جو اب ان کی ہونے والی سمدھن تھیں، ان دونوں کے مزاج کی خوب دھوم تھی۔ چہ جائیکہ کہ دونوں گرم مزاج ہیں، اپنے سامنے کسی دوسرے کی چلنے نہیں دیتے ہیں، اہل کے چہرے پر اس وقت چھائی سنجیدگی بھی ثریا بیگم کو شش و پنج میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ ماں تھیں اور ہر طرح کے وسوسے ان کے دل میں سر اٹھا رہے تھے۔ ان کو یہ خوف تھا کہ نجانے وہ کیا سوچ رہا ہے، اس کے چہرے پہ اس نئے بندھن میں بندھنے کی خوشی ہی نہ تھی۔ اس نے ایک نظر بھی اٹھا کر اپنے پہلو میں بیٹھی ہوئی تک سک سے تیار عالی کو نہیں دیکھا تھا بلکہ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھا رہا تھا جیسے وہ کوئی تو دہ ہے، کوئی مجسمہ ہے، اس کے احساسات و جذبات سے عاری چہرہ دل میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے تھے۔ شاید رب نواز نے بھی یہی محسوس کیا تھا۔ اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر اہل کے کان میں نجانے کیا کہا کہ وہ ایک دم ہی اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا تھا اور اس کے چہرے پر اچانک ہی مصنوعی سی مسکان ظاہر ہوئی تھی، ثریا بیگم نے گہری سانس لی تھی۔

وہ کسی حد تک مطمئن ہوگئی تھیں، بے حد قیمتی ہیرے کی انگوٹھی اس وقت اہل نے عالی کی مخروطی انگلی میں پہنائی اور جواباً عالی کی جانب سے بھی انگوٹھی اور گھڑی پہنائی گئی تھی۔ ساتھ ہی شگن کے طور پر ہزار کی ایک بہت گڈی اس وقت اہل کو دی گئی تھی۔ شاہنواز اور رب نواز دونوں اس وقت ایک دوسرے کے گلے لگ کر ملے تھے، ان کی سوچ میں آج یہ رشتہ مزید مضبوطی اختیار کر گیا تھا۔

عالی کے چہرے پر حزن و ملال چھا رہا تھا حتیٰ کہ تصاویر کے وقت بھی وہ ہلکا سا بھی بمشکل مسکرا نہ سکی تھی۔ اس کی آنکھیں اس کے چہرے کو پر ملال بنا رہی تھیں، عجب وحشت سی تھی اس وقت تو سب کچھ اچھا ہو گیا تھا مگر سب کے جاتے ساتھ ہی ثریا بیگم سیدھا اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"کیا بات ہے عالی؟ میں ماں ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ تمہاری خاموشی کے پیچھے کوئی بہت بڑی وجہ ہے۔" عالی نے تو پہلے ہی دل میں ٹھان لی تھی کہ مرتے مر جائے گی مگر بخت کا نام زبان پر نہیں لائے گی کہ اس طرح اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔

"اماں مجھے اہل پسند نہیں، اس کے علاوہ کوئی بھی بات نہیں ہے تو اپنی عقل کے گھوڑے نہ دوڑا۔" وہ بے حد بے زاری سے بولی۔

"اچھا تو کہتی ہے تو مان لیتی ہوں مگر میری بچی یہی قسمت کا لکھا ہے اسے جتنی جلدی قبول کر لے گی اتنا ہی اچھا ہوگا اور سن شبو ابھی ادھر ہی ہے تو ذرا اس سے احتیاط سے بات کرنا، سب جا رہے تھے تو شبو نے ضد پکڑ لی تھی کہ وہ ابھی واپس نہیں جائے گی، اب اس کی ضد تو چودھری رب نواز کی ضد بن جاتی ہے، تیری کسی بھی بات سے اہل کے لیے خفگی کا اظہار نہ ہونے پائے۔" ثریا بیگم اس کو نئے احکامات جاری کر رہی تھیں، وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

قسمت کا لکھا ہی تو زہر مار کر رہی تھی۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے جب شبو کمرے میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"بھابی جی، کہیے کیا آ جاؤں اندر؟" وہ ہنس کر پوچھ رہی تھی۔ انکار ویسے بھی کہاں ممکن تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

اسے پسند نہیں آیا ہے
میرا نظر آنا
سو اب یہ ٹھان لی ہے
کہ نہ دکھائی دوں
کرنا شکوہ تو خدا کو بھی
ناپسند ہے ناں؟
اس لیے سوچا ہے
کسی کو نہ دکھائی دوں
میری آواز سے نفرت
مجھے خود ہوگئی ہے
میں نے یہ طے کیا ہے
خود کو بھی نہ سنائی دوں
اب اگر آسمان سے اترے
فیصلہ وصل
میری خواہش ہے میں
مر کر اسے جدائی دوں......!

سکندر عابی کی شادی کا کارڈ لے کر آیا تھا۔ میرب کے والد بہت محبت سے ملے تھے ان کے ہاتھ میں جب اس نے کارڈ تھمایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ زندگی کے بہت سے موضوعات پر ان سے گفتگو ہوئی۔ اس گھر کے ماحول میں بہت سکون تھا۔ میرب کے والد اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال تھے۔ ان کی بات چیت اس کے گھر کے روایتی ماحول سے بہت مختلف تھی۔ انہوں نے اسے زبردستی کھانے پر روک لیا تھا۔ جانے کیوں اس گھر کے در و دیوار سے ایک انسیت محسوس ہو رہی تھی جیسے اس گھر کے مکینوں سے اس کا کوئی رشتہ ہو۔

وہ جتنی دیر وہاں رہا اس گھر کے سحر میں گرفتار رہا۔ اور پھر لوٹ آیا۔ گھر میں عابی کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ اسے عابی کی شادی میں میرب اور اس کے والد کا شدت سے انتظار تھا وہ سب سے انہیں ملوانا چاہتا تھا ادھر عابی سسکتی ہوئی تصویر بنی اللہ سے دعا گو رہتی کہ کسی طرح یہ شادی ٹل جائے مگر تقدیر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے، شادی کے ان ہنگاموں میں جہاں سکندر کو عابی کی جدائی مار رہی تھی وہیں وہ منتظر تھا کہ آخر میرب اور اس کے والد شادی میں اب تک کیوں نہیں پہنچے؟ وہ بار بار میرب کو فون کر رہا تھا مگر اس کا فون پہلے تو کھلا تھا پھر یکدم بند ہوگیا تھا۔ اسے وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اگر اسے نہیں آنا تو کم از کم فون تو ریسیو کرلے وہ بہت پریشان تھا کہ وجہ کیا ہے نہ آنے کی پھر عابی اور اہل کے نکاح کے لیے اسے پکارا گیا تو وہ اس طرف آ گیا اور عابی رخصت ہو کر اس گھر سے چلی گئی۔ اس کے جانے سے ایک دم سناٹا چھا گیا تھا۔ جیسے کوئی اس گھر کی رونق لوٹ کرلے گیا ہے، سب ہی اداس اور اشک بار تھے مگر سکندر کو اس وقت میرب کی سرد مہری سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ وجہ جاننا چاہتا تھا۔

رونق تو میرب کے گھر کی بھی رخصت ہوگئی تھی۔ سکندر جو کی شادی کا کارڈ دے کر گیا اس نے خوشی سے زیادہ یادوں کے زخم کھول دیے تھے۔ شادی کا کارڈ کارنر ٹیبل پر ہی رکھا رہا مگر کارڈ کے اندر جو نام چھپے تھے چودھری شاہنواز اور چودھری رب نواز، ان ناموں نے سب کچھ ختم کردیا تھا۔ بابا بالکل خاموش ہو کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور سختی سے منع کردیا تھا کہ ہم شادی میں نہیں جاسکتے۔

"مگر کیوں؟" اس کے بار بار پوچھنے پر بھی بابا خاموش رہے تو اس نے کہا۔ "اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں ضرور جاؤں گی۔" تب بابا نے اس کی ضد سے مجبور ہو کر ہار مانتے ہوئے اسے ساری کہانی سنادی تھی۔ وہ روتے ہوئے اسے بتا رہے تھے کہ کس طرح اس کی ماں کی ذرا سی غلطی کی سزا یہ ملی کہ اس کے خونی رشتوں نے اس کی زندگی پہ قفل لگادیے اور مرنا جینا بھی ختم کردیا تھا۔

"تمہاری ماں اس غم کو اپنے اندر پالتے پالتے اس دنیا سے چلی گئی۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیسے تمہیں وہاں جانے کی اجازت دوں مگر میرا دل کہتا ہے سکندر اچھا لڑکا ہے۔ کبھی موقع ملے تو اسے ضرور بتانا شاید رشتوں کی دراڑیں کچھ کم ہو سکیں۔" بابا دلگرفتہ سے ہو کر آنکھیں موند کر سارا دن کمرہ میں بند رہے اور میرب اس موڑ پر حیران تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ سکندر سے دل کا رشتہ اور دشمنی کا رشتہ کیسے کٹے گا یہ سفر۔

سکندر کو اس کی بے اعتنائی کی اصل وجہ بھی معلوم نہ ہو پا رہی تھی۔ عجیب سی کشمکش میں گرفتار تھا وہ اور دوسری طرف میرب نے بابا سے خاموشی کا ایک بالکل ہی انوکھا عہد باندھ لیا مگر سکندر کو ہنوز میرب سے اس کی اس سرد مہری کی اصل وجہ دریافت کرنا تھی۔ آخر اس نے اس قدر محبت سے پیش قدمی کرنے کے بعد اچانک لاتعلقی کی روش کیوں اپنائی تھی۔ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

کافی دنوں بعد یونیورسٹی میں اسے وہ دکھائی دیا تھا۔ بلیو شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس وہ پر وجاہت شخص اس کے ذہن و قلب پر طاری ہو رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر نظریں چرا کر ایک طرف ہٹ جانے والی تھی۔ جب اس نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"ایکسکیوز می مس میرب۔" وہ ہڑبڑائی۔ وہ اس کو پر شوق مگر اداس نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میرب کی نظریں خود بخود جھکتی چلی گئیں مگر قدم پتھر کے ہو گئے تھے۔ بے شک اس اجنبی مہربان سے اتنی انسیت اتنی نسبت ضرور تھی کہ وہ اس کی ایک پکار پر ٹھہر جاتی۔

"میں آپ سے کچھ دیر بات کرنا چاہتا ہوں، وہاں بیٹھتے ہیں۔" سکندر کے قدم اٹھے تو وہ بھی اس کی ہم قدم ہو چلی۔ سامنے ہی سیدھی روش کو پار کرنے کے بعد وہ دائیں جانب بینچ پر بیٹھ گئے۔ میرب اضطراری کیفیت میں اپنی نوٹ بک کے صفحات الٹ پلٹ کر رہی تھی اور وہ اسے دیکھ کر مبہوت ہو رہا تھا۔ اتنے دنوں کی رنجیدگی اس کے چہرے پر بکھری ایک الگ ہی داستان محبت سنا رہی تھی۔

"ایسا کیا ہو گیا ہے میرب کہ آپ کی طرف سے اس قدر اجنبیت کا اظہار ہو رہا ہے؟" سوال ہی ایسا تھا جس کا جواب میرب دینے کی سکت نہ رکھتی تھی۔

"سکندر صاحب آپ میرے کلاس فیلو اور ایک قابل احترام انسان ہیں۔ اچھی جان پہچان ہے اور اس سے زیادہ ہو بھی کیا سکتا ہے۔ میں بہر حال شرمندہ ہوں شادی میں شرکت نہ کر سکی مگر اب اس بات کے لیے کیا آپ یوں گھڑی گھڑی روک کر باز پرس کرتے رہیں گے؟" میرب نے اپنے لہجے کو قدرے مضبوط بنایا۔

"یہ بات نظریں چرا کر نہیں میری طرف دیکھ کر کریں پلیز۔" وہ اس کی گفتگو کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ سکندر کا انداز اور لہجہ دونوں ہی بھاری ہو گئے تھے۔ شدت جذبات سے مغلوب تھا لہجہ۔ میرب نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ کیوں مجھے سزا دے رہے ہیں، میں پہلے ہی بہت زیادہ الجھن کا شکار اور تھکن سے چور ہوں۔" میرب نے ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ سکندر نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں کی لالی اس کے اندرونی اضطراب کی ترجمان کر رہی تھی۔ وہ افسردگی میں لپٹی ہوئی تھی۔

پھیلا آنچل
مانگے خوشیاں
مانگے جیون
جیون ایک ادھار
پھر سے لائے بہار

آنکھوں میں محبت کے رنگ بکھرنے لگے تھے۔

"آخر ایسی کیا بات ہے، میرب مجھے نہیں بتائیں گی؟" سکندر کا لہجہ بکھرا ہوا تھا۔

"میں کیسے کہوں کہ اس ساری صورت حال میں، میں کہاں ہوں؟" میرب نے تلخی سے کہا۔

"کھل کر بات کریں، میرب میں آپ کو اتنا تو جان گیا ہوں کہ آپ کے دل میں بھی میرے لیے اسی طرح کے

احساسات پروان چڑھ رہے ہیں جن سے میں گزر رہا ہوں۔ یہ زیست کا سفر، اس میں خوشی وملال کے سائے اکیلے تنہا تو نہیں میرے نصیب میں آرہے ہے۔'' سکندر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''آپ نہیں جانتے کہ میری ماں کی وہ آخری وقت کی اذیت آج بھی میرے ذہن وقلب میں نقش ہے۔ میری ماں کے وہ آخری الفاظ کہ کاش بابا اور ان کے بھائی ان کو صرف ایک مرتبہ گلے لگا کر اپنا لیں۔ وہ تو ان کی اپنی تھیں مگر صرف ایک فیصلے کی پاداش میں ٹھکرا دی گئی تھیں...... یہ سب جو ہوا بہت غلط ہوا اور اس میں سب سے زیادہ آگے اور پیش پیش رہے آپ کے بابا۔ سکندر آپ کے بابا تھے وہ جنہوں نے آخری آس بھی میری ماں کی توڑ دی تھی۔'' وہ روہانسی ہوئی۔ سکندر اس کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کو سمجھنے میں خود کو ہلکان کر رہا تھا۔ اسے تو یہی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس وقت بے جوڑ گفتگو کیوں کر رہی ہے۔ بات تو اس کی اور میرب کی ہو رہی تھی۔ اس میں اس کے والدین کا کہاں سے ذکر آ گیا اور اس وقت میرب کیوں اپنی ماں کی وفات کا ذکر کر رہی ہے۔

''میرب ان سب باتوں سے میرا اور میرے بابا کا بھلا کیا واسطہ ہے؟'' سکندر دم بخود ہوا۔

''کیونکہ آپ کے والد محترم میرے بڑے ماموں جان ہیں۔'' میرب نے بالآخر وہ انکشاف کر ہی ڈالا جس سے سکندر بالکل بے خبر تھا۔

''مگر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ یہ نہیں ہوسکتا۔'' سکندر بے طرح پریشان دکھائی دینے لگا۔

''کیوں نہیں ہوسکتا؟ آپ کا کیا خیال ہے میں آپ سے غلط بیانی کر سکتی ہوں، ہرگز نہیں، یہ سب سچ ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی، چہرہ چٹان جیسا مضبوطی لیے ہوئے تھا اور پھر اس نے ساری روداد کہہ سنائی تھی سکندر کو جسے سن کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''تو گویا ہماری محبت کو نفرتوں کی آنچ کا سامنا ہے۔'' تھکن اس کے لہجے میں اتر آئی تھی۔ وہی ظالم سماج، وہی روایتی کہانی، وہی رشتوں کی داغ بیل مگر کہیں نہ کہیں اس میں نیا پن تھا۔ محبت کا انوکھا احساس، یہ محبت ہی تو ہے جو ہر دل پر نئے انداز نئے قرینے اور نئی محبت سے جلوہ گر ہوا کرتی ہے۔

''میں تو بن گیا ہوں اور تو میں بن گیا ہوں میں تن ہوں اور تو جان ہے۔ پس اس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔'' اس وقت سکندر اور میرب کی بھی یہی کیفیت تھی۔ محبت نے ان کو یکجان کر دیا تھا۔ اگرچہ دونوں ہی اس حقیقت سے نگاہیں چرانے میں بضد تھے مگر محبت تو الوہی جذبہ ہے جو دل کو مسمار کر ڈالتا ہے۔ وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔ گہری خاموشی ان دونوں کے درمیاں حائل تھی پاتال جیسی۔

''میرب میں سب درست کردوں گا میرا یقین رکھنا۔ میں اس محبت سے دست بردار نہیں ہوسکتا، یہ میری متاع کل ہے۔'' وہ ٹھوس لہجہ میں بولا، اس کا لہجہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ اپنے جذبوں میں کس قدر پکا اور سچا ہے۔

''مگر میں بابا جان سے عہد کر چکی ہوں کہ اب اس سلسلے کو یہیں ختم کردوں گی۔'' میرب کا لہجہ بھیگا ہوا تھا جو سکندر کے دل کو اداس کر گیا تھا۔ اس کی آواز میں گھلی نمی اس کی محبت کا عکاس تھی۔

''اچھا جی اور جو عہد آپ کی ان خوب صورت نگاہوں نے مجھ سے باندھ رکھے ہیں ان کا کیا ہوگا؟'' سکندر نے ذومعنی انداز میں اس کو مخاطب کیا، اس کا شوخ لہجہ پا کر میرب نے قدرے چونک کر سکندر کی آنکھوں میں دیکھا جہاں سے اپنا ہی واضح عکس دکھائی دے رہا تھا۔ اس قدر خوب صورت اور پریقین محبت، وہ بھی تو اسے چاہتی تھی۔

''میرب میں بابا جان سے بھی بات کرلوں گا، سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ بس شرط یہ کہ تم میرا ساتھ دو اور ہاں ابھی یہ بات تمہارے میرے اور تمہارے بابا جان کے درمیاں ہی رہے۔ ہم اس کا ذکر ہرگز نہیں بھی کسی سے نہیں کریں گے۔ سمجھ ہی ہوناں اور رہی بات بابا جان کی تو میں خود انکل کو سمجھا دوں گا۔ کیا وہ چاہتے ہیں کہ ایک کرب جو

اپنوں کی دوری نے سہا ہے۔ اب اس کرب سے ہم دونوں دوچار ہو جائیں۔" وہ بے حد متانت سے بولا۔

"آپ کی بات درست ہے مگر یہ تو سراسر دھوکا دہی میں شمار ہوگا ناں۔" میرب ہچکچائی۔

"نہیں بالکل بھی نہیں، دھوکہ دہی تو یہ تب شمار ہوتا جب تم مجھ سے اس بابت بات ہی نہ کرتی اور سرے سے سچائی کا مجھے ادراک ہی نہ ہوتا بلکہ کسی اور کے توسط سے یا زندگی کے کسی موڑ پر مجھے معلوم ہوتا اور میرب تمہاری اس بات نے تمہارا مقام میرے دل میں مزید اونچا کردیا ہے۔" وہ اس وقت گہرے جذبات سے مغلوب ہوکر بولا، اس کی آنکھیں سچائی کا احساس لیے ہوئے تھیں۔ میرب کا سر جھک گیا تھا۔

میرب کے دل میں بھی تو اس کی ایک خاص جگہ تھی۔ اس نے دل کی مسند پر اس مہربان اجنبی کو بٹھالیا تھا۔ جواب اس کے لیے اجنبی تو دونوں طرح سے ہی نہ رہا تھا۔ وہ اس کا اپنا خون تھا۔ دوسرا محبت میں اتنی زور آوری ہوا کرتی ہے کہ وہ ہر رشتے پر بھاری ہوجایا کرتا ہے۔ محبت کا یہ جذبہ، یہ احساس ہر دل میں گھر نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے مخصوص زمینوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ زرخیزی سے محبت کی خوشبو سے معطر فضاء میں محبت کی شاخیں نکل آتی ہیں۔ جس پر احساس، مروت، وفا، طلب، ایثار اور اعتبار کے انمول پھول کھل اٹھتے ہیں۔ محبت ایک انوکھا جذبہ ہے۔ جس کی تعبیر ملے یا نہ ملے مگر اس راہ زیست میں چل کر انسان کئی منزلیں پالیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنے محبوب کی آنکھوں میں اپنا مسکن پالینا ہر کسی کی خوش نصیبی ہرگز نہیں ہوا کرتی۔ دلوں میں اس کی تاثیر گھر کرجاتی ہے اور اس میں بنجر زمین کے بجائے زرخیز زمین کا انتخاب ہی اس کو گداز کرجاتا ہے۔

"تم بس میرا کہا مان لو میرب اب تم بالکل بھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کروگی بلکہ آج اس حوالے سے میں ایک اعتراف بھی کرنا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ سب کیا سوچتے ہیں، کیا سمجھتے ہیں، ان کے دل میں کیا ہے؟ وہ میں نہیں جانتا مگر میں اپنی پھپھو کی دل سے تعظیم کرتا ہوں، محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں ہوتا اور پھر جب محبت کے حوالے سے آپ ڈٹ کر اعتراف جرم کر بیٹھیں۔ خیر پھپھو نے اپنی محبت تو پالی اور اس کا ایک سبق یہاں چھوڑ گئیں۔ محبت کو پالینا اور محبت کی تعبیر کو عملی آنکھوں سے دیکھنا خوش نصیبی نہیں تو اور کیا ہے؟ میں بھی پھپھو کی طرح ہمت نہیں ہاروں گا۔ اپنے جذبے اور دل میں عزم رکھوں گا۔" سکندر کی باتیں میرب کے دل کو گدگدا رہی تھیں۔ سکندر کی والہانہ محبت کے سامنے وہ اکثر بالکل چپ کرجاتی تھی۔ بعض اوقات محبت کا اعتراف اور اس کا اعتبار دو مشکل مرحلے ہوا کرتے ہیں مگر اسے اپنا لینے سے مشکلات حل اور خوشیاں دستک دے دیتی ہیں۔ اس وقت بھی سکندر اور میرب نے ایک نیا عہد باندھ لیا تھا۔ وفا، محبت اور خلوص کا۔

❁......❁......❁......❁

میں اس کو منتہا کیوں جانوں میں اس کو پیا کیوں جانوں......

حقیقت تو پھر حقیقت ہوا کرتی ہے دریچہ آگہی کو پسندیدہ کیوں جانوں خود اخیر عمر نبھا کر نہ سکی پھر اس کو ہی بے وفا کیوں جانوں......

عشق تو وہ ہے جو سر چڑھ بولے قرب کو اس کے نشہ کیوں جانوں......

ہر گھڑی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ خود کو اس سے جدا کیوں جانوں......

سر پھرا ہے مگر ہے تو میرا ہی، خاموشی کو انا کیوں جانوں......

بخشو اس وقت اجاڑ ویران حلیے میں چارپائی پر چت لیٹا ہوا تھا اور اس کا اداس دھلول چہرہ اس وقت اس کی ماں سمیرا کو بھی تشویش میں مبتلا کررہا تھا۔

"وے بخشو میں کہتی ہوں کب تک سوگ منائے گا؟ سوگ اگر عورت یا مرد کے مرنے کا ہو تو وہ بھی چار ماہ دس دن تک رہتا ہے۔ تو تو اب پانچ ماہ سے اسی طرح اداس پھرتا ہے۔ بتا میں ماں ہوں، کیا مجھے دکھ نہیں ہوتا۔" سمیرا کا

لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"اماں اگر ہمیں رنگ نسل اور ذات پات کے دائرے میں ہی رہنا اور جینا پڑتا ہے تو پھر یہ جھوٹی محبت کے بیج کیوں دل میں جڑ پکڑ کر اس محبت کو تناور درخت میں بدل دیتے ہیں۔ اماں محبت تو میں کر بیٹھا تھا مگر اس میں برا تب ہوا جب عابی بیگم نے بھی اس محبت پر لبیک کہا، مجھے اونچے اونچے خواب دکھائے مگر جب آزمائش کا وقت آیا تو چپ چاپ اپنے اور میرے خوابوں کو کچل کر آگے بڑھتی چلی گئی۔" بختو کے لہجے میں گہرا دکھ بول رہا تھا۔ سمیرا جانتی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل درست ہے۔

"بیٹا جو ہونا تھا اب تو ہو گیا اور ان بڑے بڑے لوگوں کی شفقت اور ہمدردی کو کبھی بھی محبت سمجھنے کی بھول نہیں کرنی چاہیے۔" وہ بے حد دکھ سے بولی۔ اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی جو کئی ماہ سے اس طرح دیوانہ بنا گھوم رہا تھا۔ اس کے انداز میں اتنا درد اور بے بسی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی حالت میں سدھار چاہتی تھی۔ اس کو زندگی کی طرف پلٹتا دیکھنا چاہتی تھی۔

"جی اماں، آپ درست کہہ رہی ہیں بس میں تو اب اتنا ہی چاہتا ہوں کہ عابی بیگم خوش اور آباد رہیں۔" وہ ملول سا ہو کر بولا۔

"تجھے معلوم ہے کہ کل عابی آرہی ہے تو ان کی آمد پر کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نہ نکال دینا کہ جو ان کی آئندہ کی زندگی کے لیے مشکلات کا سبب بن جائے۔" سمیرا بیگم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جی اماں میں اب کچھ نہیں کروں گا۔ جو ان کی زندگی میں کانٹے بو دے۔ اگر یہی کرنا ہوتا تو پہلے ہی نہ کر گزرتا مگر میں نے تو ہمیشہ ان کی دائمی خوشیوں کی دعا کی ہے، ان کی آنکھوں میں خوشیوں کے دیپ دیکھنا چاہتا ہوں، ان کو ہنستا بستا دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ ایک ترنگ میں بول رہا تھا۔ جذب کی کیفیت میں، جس میں صرف احساس اور پیار ہی تھا، وہ پیار کی مٹی سے گوندھا ہوا صرف اور صرف عابی کی خوشیوں کی تکمیل کا متمنی تھا۔ اس وقت بھی وہ اٹھ بیٹھا اور

سمیرا نے اس کے سامنے گرما گرم روٹیاں اور ساتھ میں بھنڈی کا سالن رکھ دیا تھا۔ بھنڈی اس کی پسندیدہ سبزی تھی اور وہ بھی ماں کے ہاتھوں کی لذت میں رچی ہوئی مگر اس وقت اس کا دل اداس تھا۔ لہٰذا مارے باندھے اس نے کھانا تناول کیا مگر سوچوں کا رخ عابی کی طرف ہی رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کل جب عابی اہل کے ساتھ ہنستی مسکراتی حویلی میں قدم رکھے گی تو وہ کیونکر اس کا سامنا کر پائے گا۔ اس میں تو اتنی بھی سکت نہیں ہے کہ وہ اس وقت عابی کے چہرے پر حسرت بھی دیکھ پاتا۔ اگرچہ دل کی گہرائیوں سے وہ اس کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھا مگر اس کے اندر اتنا خالی پن تھا۔ وہ اس خالی پن کا کیا کرتا۔ کل کا دن اس نے طے کر رکھا تھا کہ خود کو کاموں میں اس قدر منہمک رکھے گا کہ اس کے چہرے پر پھیکی مایوسی اور اداسی کو کوئی بھی بھانپ نہ سکے گا مگر اہم ترین مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ اس وقت زنان خانے میں واحد مرد تھا جو سارے کام کرتا تھا۔ سارے امور اور فرائض بجالاتا تھا۔ وہ سوچوں کے دھاروں میں مصروف ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

اس وقت گھر میں رونق ہی رونق تھی۔ ہر طرف خوشیوں کا سماں تھا۔ حویلی عابی کی آمد سے جگمگا اٹھی تھی۔ اہل اور عابی دونوں ہی اکٹھے آئے تھے۔ اہل کا اکھڑ سا رویہ سب نے ہی محسوس کیا تھا اور عابی کا بار بار شرم سے سرخ ہوتا چہرہ جس میں محبت کے رنگ مفقود تھے بلکہ شرمندگی کے رنگ گہرے تھے۔ وہ اپنے والدین کے سامنے اہل کی اس طرح کے رویے کی شرمساری محسوس کر رہی تھی۔

"بھئی ککڑ پکواؤ، پلاؤ پکواؤ خوشبودار اور ذائقے دار لسی کا انتظام کرو۔ میرا جوائی گھر آیا ہے۔" چودھری شاہنواز نے عابی کے سر پر دست شفقت رکھا اور چودھری اہل کے سینے لگ کر اس کو دعا دی اور پھر الگ ہوتے اس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے بولے۔

"اور برخودار کیسا مزاج ہے، سفر کیسا گزرا؟" وہ بے حد پرمسرت انداز میں گویا تھے جبکہ اہل کے چہرے پر بے حد

روکھے سے تاثرات تھے۔ یوں جیسے مارے باندھے یہاں کھڑا ہو۔

"جی سب ٹھیک ہے، دراصل میں عابی کو کچھ دنوں کے لیے ادھر ہی چھوڑے جارہا ہوں، مجھے شہر میں کچھ کام تھے اس لیے، چند دنوں بعد میں واپسی پر عابی کو ساتھ لیتا جاؤں گا۔" امل کو چوہدری شاہنواز کے سامنے وضاحت کا موقع مل گیا، دراصل چوہدری رب نواز نے امل کو سختی سے کہا تھا کہ اس کو ہر صورت میں عابی کے ساتھ جانا ہوگا اور اس کو وہ کسی صورت اکیلے میکے رخصت نہیں کریں گے کہ ایک طرح سے رسم تھی اور اس طرح کی رسموں میں ہونے والی ہر خوشی یادگار ہوا کرتی ہے۔

امل کی وہاں آمد عابی کے والدین کے لیے جہاں تقویت کا سبب بن جاتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خود عابی کا سر فخر سے بلند ہو جاتا کہ اس کا مجازی خدا اس کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اسے اپنے ساتھ لے جائے۔

"کیوں بھئی، کچھ دن تو رکتے پھر چلے جاتے۔ کم از کم ہم کسی صورت تمہیں آج نہیں جانے دیں گے۔ کل سویرے چلے جانا۔" چوہدری شاہنواز کی مسکراہٹ پر معنی تھی۔ یوں تو وہ بظاہر مسکرا کر ہی کہہ رہے تھے مگر امل جانتا تھا کہ تایا اس وقت کس ٹون میں بول رہے ہیں۔ جب چوہدری شاہنواز نے کسی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوتا تھا تو اس کے لیے وہ بظاہر مسکرا کر مگر آنکھوں میں کرختگی سے مخاطب ہوا کرتے تھے۔ برسوں سے ان کا یہی طرز عمل رہا تھا۔

ایک مرتبہ یوں ہی زمینوں کے معاملات میں کچھ تنازعات سامنے آگئے تھے۔ ان کے ساتھ والے گاؤں کا چوہدری کوئی فیصلہ کا انداز اور مفاہمت کی راہ اپنانے پر آمادگی ظاہر نہیں کررہا تھا۔ بالآخر انہیں مجبوراً خود ہی ان سے ملنے جانا پڑا تھا۔

"کیا بات ہے، یہ پانی کی باڑ کیوں روک گئی ہے؟ ملائی کے کاموں میں مسئلے نہ پیدا کرو بھئی۔" چوہدری شاہنواز نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا مگر ان کی آنکھوں میں پنہتی ہوئی نفرت اور للکار کو اس وقت بھی گیارہ سال کے امل نے شدت سے محسوس کیا تھا اور اس کا نتیجہ بھی دو دن بعد سامنے آ گیا تھا۔ ہمسایہ گاؤں کا مالک چوہدری جو اکڑ دکھا رہا تھا۔ اس کو اچانک نامعلوم افراد نے ایک ویران جگہ پر پکڑ کر اس کی خوب مرمت کی تھی۔ اس کے بعد سے پانی کا مسئلہ از خود حل ہوگیا تھا۔ بظاہر اس چوہدری کے ساتھ پیش آنے والا وہ حادثہ ایک حادثہ ہی تھا۔ جس میں کوئی جانی ومالی نقصان دکھائی نہیں ہوا تھا مگر درحقیقت اندر ہی اندر سب جانتے تھے کہ ماجرا کیا ہے؟ مگر کوئی بھی زبان زدعام اس کا اظہار کرنے سے کتراتا تھا۔ چوہدری شاہنواز کا رعب، دبدبہ اور طمطراق تھا، کوئی بھی اس کے سامنے سر اٹھا کر نہیں بول سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے تایا جیسا آپ چاہیں۔" پھر ملنے ملانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ گوٹھ سے سب عورتیں عابی کو دیکھنے اور دعائیں دینے آرہی تھیں۔ مسلسل دو گھنٹے عابی کو کھلے دالان میں سجے سنورے روپ میں بیٹھنا پڑا تھا کہ یہ ایک رسم تھی۔

سب عورتیں آتی دعائیں دیتی اور سر پر ہاتھ پھیرتی تھیں۔ کوئی مٹھائی کھلاتی اور کچھ اپنی استطاعت کے مطابق تحفہ دیتی۔ اسے بھی اچانک سمیرا وہاں دکھائی دی، اس کے عقب میں قدرے فاصلے پر عابی نے بخشو کو اداس مضمحل سا دیکھ لیا تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی کے گہرے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ سمیرا اپنی ازلی مسکراہٹ کے ساتھ عابی کے پاس آن بیٹھی تھی۔

"ماشاء اللہ دھی رانی، سدا سکھی رہ، یہ لے یہ میری طرف سے تحفہ ہے، میں تو جانہیں سکی۔ بخشو ہی شہر سے لایا ہے۔" رنگ برنگی چوڑیوں کا ڈبہ اس کے سامنے تھا۔

جھلملاتی جگمگاتی چوڑیاں آنکھوں کو خیرہ کررہی تھیں۔ چوڑیاں لانے والا کوئی اور تھا اور جس کے نصیب کی چوڑیاں کلائی میں سجائی تھیں وہ کسی اور کے نصیب کی تھیں۔ عابی کے ہاتھوں میں وہ چوڑیوں کا ڈبہ لرز کر رہ گیا اور چہرے پر دکھ کے گہرے سائے

منڈلانے لگے تھے۔ انسان کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے۔ اس کو تقدیر کہتے ہیں۔

”جیتی رہو، سدا سکھی رہو، آباد رہو۔“ سمیرا بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آنسوؤں کی نمی میں دعا دی، اس کے بعد دوسری عورتوں نے اس کے گرد بیٹھنا شروع کر دیا تھا مگر سارے تحائف سامنے میز پر سجائے گئے تھے اور وہ چوڑیوں کا ڈبہ اس کی گود میں دھرا تھا اور لفظ کہیں پیچھے ماضی میں رہے گئے تھے۔

”آپ جانتے ہیں مجھے چوڑیاں بہت بھاتی ہیں، رنگ برنگی چوڑیاں اور میں جب روٹھ جاؤں تو وہ تحفہ مجھے رام کر لیتا ہے۔“ وہ بے حد جذب سے بولی تھی۔

”اچھا جی چوڑیاں پسند ہیں آپ کو؟“ وہ اس کے پاس ہی قدرے فاصلے پر بیٹھا سوالیہ انداز میں بولا تھا۔

بخشو کی نگاہیں جانی کے روشن چہرے پر بکھری ہوئی تھیں۔ اس کی مانگ کسی قدر بھاتی تھی، اس کی نگاہوں میں جلتی ہوئی شمعیں کس بھٹکے مسافر کو روشن راہ دکھلاتی تھیں۔ وہ دل کے کتنے پاس تھی۔

”میں اس قابل تو نہیں ہوں مگر میں آپ کو شادی کے بعد چوڑیاں لا کر دیا کروں گا۔ آپ کی بھری بھری کلائیاں میرے تن مردہ میں روح پھونک دیا کریں گی اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کلائی رنگ برنگی چوڑیوں سے سجی اور بھری رہے۔“ ماضی کے گہرے سنہرے خواب آج بھی اس کی آنکھوں میں مچل رہے تھے۔ اس نے تو بہت کچھ سوچا تھا مگر تقدیر کا لکھا بھی کچھ اور تھا۔ وہ اس وقت گہرے درد کو دل میں دبائے بیٹھی تھی۔ اس وقت اس کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں بخشو کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ اس نے دیکھا چوہدری شاہنواز اس کو کچھ لانے کے احکامات صادر کر رہے تھے اور وہ سر جھکائے اثبات میں سر ہلاتا کس قدر دکھی اور اداس لگ رہا تھا۔ وہ بھی تو اس کی جدائی میں بے قرار تھی مگر اس کے نادان دل کی صدا کو بھلا کب سنوائی مل سکی تھی۔ وہ تو اپنے دل کی کہانی کو زباں سے بیاں نہ کر پائی تھی۔

اہل ناگواری سے کچھ دیر تو وہاں بیٹھا رہا، اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اہل کے دل میں اب نگینہ کو پانے کے خواب مزید شدت سے اٹھنے لگے تھے۔ وہ جلد از جلد اپنی زندگی میں آسودگی اور خوشی کا تمنائی تھا۔ اس نے نگینہ کی والدہ زرینہ سے فون پر سارے معاملات بالا ہی بالا طے کر لیے تھے۔ اسی جمعہ کو اس کا اور نگینہ کا نکاح تھا اور اس نے گواہان کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ گواہان میں نہال اور نہال کا ایک دوست شامل تھا۔ وہ اس وقت اپنے بابا جان سے اس بابت بات کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ اس کو انکار کر دیں گے یا پھر دوسرے طریقے سے حیلے بہانے سے اسے اس کے اقدام سے منع کرنا چاہیں گے۔ اس نے اپنے نام پر ساری اراضی کو بالکل خاموشی سے بیچ ڈالا تھا اور اس کے اسے منہ مانگے دام ملے تھے۔ اگرچہ بہت وسیع و عریض اراضی کے مالک چوہدری رب نواز تھے مگر انہوں نے کچھ اراضی الگ سے اہل کے نام پر بھی منتقل کر رکھی تھی تاکہ وہ بھی محفوظ رہے جو اراضی اہل کے نام تھی۔ وہ زمین سنہری زمین کہلاتی تھی کیونکہ وہاں پر پھلوں اور پھولوں کی بہتات تھی اور اس اراضی سے ہر ماہ اچھا خاصا معقول معاوضہ ملتا تھا جو اہل کے نام پر منتقل ہو جایا کرتا تھا۔ چوہدری رب نواز خوش تھے کہ اہل کے نام پر کی گئی اراضی اس قدر فائدہ دے رہی ہے۔ ان کے فرشتوں کو بھی اس بات کا مطلق علم نہ تھا کہ اہل نے چوہدری رب نواز کے شہر جاتے ہی ان کی غیر موجودگی میں دوسرے فریق کو بلوا کر زمینوں کا جائزہ کروایا تھا اور اب ان زمینوں پر دوسرے فریق کی مکمل رضامندی کے بعد ہی بالکل خاموشی سے پیپرز کی کارروائی مکمل کر لی گئی تھی۔ اہل نے اس معاملے میں بھی خاصی احتیاط کی تھی۔ اپنے ہی دوست نہال کے ساتھ مل کر سارا کام مکمل کیا تھا اور اس نے چوہدری رب نواز کے تعینات کیے گئے کسی بھی ملازم سے کوئی بھی کام نہیں لیا تھا اور نہ ہی اس نے اپنی نیت اور اپنے ارادے کی بھنک بھی پڑنے دی تھی۔ ساری رقم اب اس کے بینک اکاؤنٹ میں منتقل ہو گئی

تھی اور جائیداد کا وہ حصہ اس نے جس شخص کو سونپا تھا۔ اسے بھی بھرپور تسلی کروادی تھی کہ وہ چاہے تو اس کی سنہری زمین پر کام جوں کا توں ہوتا رہے گا۔ جیسا کہ اس کے زمین کے مالک ہوتے ہوئے ہوا کرتا تھا۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ وہ تو ان ملازمین کو سالانہ کپڑے اور مراعات دیا کرتے تھے مگر وہ دوسرے فریق کو اس پابندی سے بھی آزاد کر گیا تھا۔ درحقیقت تو یہ ایک لالچ تھی مگر اہل کے حق میں ہی تھی۔

اس طرح چوہدری رب نواز اس زمین کے بدلتے ہوئے اور فارغ کیے گئے ملازم کی طرف سے چوکنا ہوسکتا تھا اور اہل نکاح تک چوہدری رب نواز کو اس کارروائی کے حوالے سے کوئی سرا نہیں دینا چاہتا تھا۔ چوہدری رب نواز ایک نامی گرامی شخصیت بن گیا تھا۔ اس کی آمدن لاکھوں میں تھی۔ وہ تمام کاروباری داؤ پیچ بخوبی جانتا تھا اور وسیع اراضی منافع کی حکمتوں سے بھی خوب واقف تھا۔ وہ تمام ملازمین پر کڑی نگاہ رکھنے کا قائل تھا۔ اس کی روز افزوں منافع کی اصل وجہ اس کی کھلی آنکھیں تھیں۔ وہ کسی پر بھی اندھا اعتماد نہیں کرتا تھا مگر یہاں اپنے خون سے ہی مار کھا گیا تھا۔

شام کو حویلی کو دلہن کی طرح سجادیا گیا تھا، مختلف انواع واقسام کے کھانے اور ان کی دلفریب مہک دل کو شاد کر رہی تھی۔ کڑھائی گوشت، سندھی بریانی، چکن اور شامی کبابوں کے ساتھ خستہ نان اور میٹھے میں کھیر بنائی گئی تھی۔

”کیا بات ہے بیٹا تھکے ہوئے سے لگ رہے ہو؟“ بیگم رب نواز نے اہل کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر پوچھا، دل عجیب سے وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

”جی سب ٹھیک ہے بس میں ان رسموں کے لیے ذہنی طور پر آمادہ نہیں تھا، ہوسکے تو میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میرے لیے کمرا تیار کروادیں۔ سونا ہے مجھے۔“ اہل نے سخت ناگواری سے جواب دیا، یہ دیکھ کر بیگم نواز کا چہرہ تاریک سا ہوگیا۔

”ایسی ہی بات ہے تو پہلے بتانا تھا ناں، ہم لوگ جیسے ہی

آئے تھے تب ہی میں کمرہ تیار کروا چکی ہوں، سو لیتے گھڑی دو گھڑی مگر پتر اب اس وقت مت سونا، کھانے کا وقت ہو چلا ہے اور پھر رات بھر سونا ہی ہے ناں؟ مگر بہت سارے رشتوں کو نبھانا پڑتا ہے۔ پورا پنڈ یہاں جمع ہے آج تمہارے اور عالی بیٹی کے ایک ایک عمل پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں لوگ، میں نہیں چاہتی کہ لوگوں کو کسی بھی قسم کی بات بنانے کا موقع ملے۔" بیگم چوہدری نواز نے تحمل سے جواب دیا اور اہل کو بھی باپ کی نصیحت یاد آ گئی تھی۔ سو اقرار کر گیا۔

"اچھا میں کمرے سے ہو کر آتا ہوں۔" ملازم نے اہل کو ایک مخصوص کمرے کی سمت رہنمائی کی جو نئے نویلے جوڑے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

خوب صورت پھولوں، پتیوں سے کمرہ سجایا گیا تھا۔ کمرہ اس قدر مہک رہا تھا کہ ایک پل کے لیے اس کے دل میں نگینہ کا خیال سرعت سے جاگا تھا۔ یہ محبت بھی ناں کس قدر عجیب شے ہوتی ہے۔ جس کی چاہت ہوتی ہے اس کی طرف دل مائل ہو جاتا ہے پھر لاکھ چاہے دوسرا جتن کروا لے وہ آنکھوں کو بھاتا بھی نہیں ہے۔ اب اہل کو کمرے میں نگینہ کی مہک اور اس کا تصور کھینچے چلا جا رہا تھا۔
اس نے نرم گلاب کی پتیوں سے سجے بستر پر گر کر اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔ اس کی بند نگاہوں میں عیاں ہوتا وہ عکس نگینہ کا تھا۔ سبزی مائل نگاہوں میں انتظار اور شکوے نہاں تھے۔ وہ یک ٹک بند آنکھوں میں اس کے سحر میں گرفتار رہا اور دل اس کی محبت کے لیے چھلک رہا تھا اس کا جی چاہا اس وقت آنکھیں بند کیے لیٹا رہے مگر ایک جھٹکے سے اس کو چوکنا ہو کر سیدھا اٹھ بیٹھنا پڑا تھا۔
سامنے ہی عالی کھڑی تھی۔ اداس و سوگوار، اس وقت وہ عالی کی یہاں آمد کی توقع ہرگز نہیں کر رہا تھا۔ دل ایک دم بوجھل سا ہو گیا۔ وہ کسی کی محبت میں گرفتار تھا اور یہاں کون اس کے سامنے کھڑی تھی۔ جو اس کی منکوحہ اور جس کا نام اس کے نام کے ساتھ جڑ گیا تھا۔
"تم اس وقت یہاں کیا کرنے آئی ہو؟" اہل کا لہجہ تلخ ہوا۔
"آپ بھول رہے ہیں کہ یہ ہمارا مشترکہ کمرہ ہے اور میں اس وقت اپنے والدین کے گھر میں اپنی ذات کا تماشا ہرگز نہیں چاہتی ہوں۔" وہ بے حد سرد لہجہ میں بول کر ایک جانب صوفے پر بیٹھ گئی، آنکھوں میں لال ڈورے اس بات کے غماز تھے کہ وہ ایک پل کے لیے بھی سو نہیں پائی ہے اور چہرے سے تھکن ہویدا تھی۔ اس کا چہرہ بھولپن لیے تھا لیکن اسے کہیں سے بھی وہ کشش نہیں دکھائی دے رہی تھی جو اس کو نگینہ کی طرف دھیرے دھیرے کھینچتی تھی۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے دونوں کا موازنہ نہ کیا اور قدرے مایوس سا ہو گیا تھا۔
"پریشان مت ہوں، میں صرف فریش ہو کر باہر جا رہی ہوں آپ کی خلوت میں مخل نہیں ہوں گی۔" عالی کا لہجہ بھیگ ہوا سا تھا۔
وہ تو پہلے ہی بخشو کو دیکھ کر رونے کے بہانے تراش رہی تھی اور اب اہل کی غفلت اس کو یہ موقع فراہم کر رہی تھی۔ وہ اس کے پرسوچ نگاہوں کو اپنی ذات پر پا کر عجیب سے انداز میں دوٹوک بولی۔
"نہیں رہنے دو، تم فریش ہو لو اور ادھر ہی لیٹ جاؤ، ایسا بھی کیا ہو گیا ہے۔ تم لیٹ سکتی ہو، بیٹھ سکتی ہو، سو سکتی ہو۔ بس میں اتنا چاہتا ہوں کہ میرے معاملات میں زیادہ باز پرس نہ کرو اور اگر تم ایسا کرو گی تو مجھے اپنے حق میں ہمیشہ ہموار ہی پاؤ گی۔" وہ قدرے نرم لہجے میں بولا، اس کا لہجہ اس بات کا عکاس تھا کہ اس نے وقتی طور پر سارے معاملات سے مفاہمت اختیار کر لی ہے اور اس وقت سمجھوتے کی روش پر ذہن کے گھوڑے دوڑا رہا ہے پھر عالی بھی شدید تھکن محسوس کر کے آرام سے بیڈ کے ایک طرف لیٹ گئی۔ اس کی کمر اکڑ گئی تھی اور سفر کی تھکان بھی تھی مگر روح پر پڑا بوجھ اس سے سوا تھا۔ جس کی تھکن اب تا عمر اس کی روح پر رہنی تھی۔
گھنٹہ بعد وہ دونوں باہر سب کے درمیان اس قدر ہشاش بشاش بیٹھے باتیں بگھار رہے تھے جیسے دنیا کے

سب سے زیادہ خوش قسمت شادی شدہ میاں بیوی ہوں۔ جب کے اندر کے احوال کا علم صرف ان دونوں کو ہی تھا کہ وہ دونوں اندر سے کس قدر ناخوش ہیں، دونوں کے دلوں میں کسی اور کا ہی قد آور بت نصب ہے اور اس کے حصول میں دل میں ایک عجیب سی تڑپ اور لگن تھی جو بیدار ہو گئی تھی۔ عابی ایک لڑکی تھی اس لیے اپنی ناآسودہ خواہشات کو دل کے نہاں خانوں میں ہی تھپک تھپک کر سلا دیا تھا اور اس کے برعکس انل ایک مرد تھا اور اس وقت وہاں خوش گپیاں کرتے کھانے سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے بھی اس وقت صرف اور صرف اپنے نئے جیون ساتھی کے حصول کے لیے ہر ہر پہلو سے غور کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

"انی بیٹا اب کیا ہوگا؟ ہفتہ ہو گیا ہے اس کلموہی کو گئے، اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔ اس نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اس کی بیوہ ماں کہیں اس صدمے سے دوچار زندگی کی بازی ہی نہ ہار جائے...... آہ۔" اس وقت خورشیدہ بیگم آہ و بکا کر رہی تھیں۔ کومل ان کی دوسرے نمبر کی بیٹی اور اس کے بعد ارم تھی۔ کومل کے گھر سے فرار ہو جانے کے بعد وہ لوگ بے حد پریشان تھے اور انی نے خفیہ طریقے سے ہر جگہ چھان بین کر لی تھی مگر کومل کا کہیں اتہ پتہ نہیں مل رہا تھا۔ انی اتنا دلبرداشتہ ہو گیا تھا کہ اس نے اس وجہ سے بہت دنوں سے یونیورسٹی کا رخ بھی نہیں کیا تھا۔ بہن کی اس گھٹیا اور ذلیل حرکت کے بعد اس کا سر شرم سے جھک گیا تھا مگر اہل محلہ ابھی تک اصل بات سے ناواقف تھے کیونکہ انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ کومل اپنے دور پرے کے عزیزوں کے یہاں گئی ہوئی ہے مگر اب خورشیدہ بیگم اندر ہی اندر گھل رہی تھیں اور چھوٹی ارم کے بھی کالج جانے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ ایک بہن کے کرموں کی سزا دوسروں کو مل جایا کرتی ہے۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا اور گھر کی فضا بے حد بوجھل ہو رہی تھی۔

"اماں پریشان نہ ہوں، میں نے اپنے کچھ جاننے والوں میں کومل کی تصویر بھیجی ہے اور اس کے لیے ایک پولیس والے کی بھی خدمات لی تھیں۔" انی کا لہجہ تسلی بخش تھا مگر اس کی آواز بے حد کھوکھلی تھی۔ جیسے اسے خود ہی اپنی کہی گئی بات پر یقین نہ رہا ہو۔ دراصل غربت سب سے بڑا جرم بن جایا کرتی ہے۔ اور انی تو غربت میں ہی پروان چڑھا تھا اور غربت میں ہی جی رہا تھا۔

"تو یہ جھوٹی تسلیاں کسی اور کو دینا، میں ماں ہوں، کیا میں نہیں جانتی کہ یہ سب بہانے ہیں، اس کو کیا کمی تھی یہاں، ارے اس لفنگے سے شادی سے منع ہی تو کیا تھا۔ کون سا جرم سرزد ہو گیا تھا ہم سے، انکار کرنے کی پاداش میں گھر ہی چھوڑ کر دفعان ہو گئی۔ کوئی لحاظ مروت برسوں کا پاس بھی نہ رکھا اس نے۔" خورشیدہ بیگم کا لہجہ گلوگیر ہوا اور غم میں ڈوبی ہوئی آواز ان کے دکھوں کی عکاسی کر رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ مشکل کام ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ اس لڑکے کا بھی معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہے مگر اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں مل سکا، سب کا کہنا ہے کہ وہ اسی مقصد کے لیے گھر تبدیل کرتا رہتا ہے اور اس نے چند ماہ پہلے ہی یہ گھر کرائے پر لیا تھا اور اب تک اس کا کوئی سوراغ نہیں مل سکا، یہ ٹھیک کومل کے یہاں سے جانے کے بعد کا ہی وقت بنتا ہے۔ اس ذلیل انسان نے اپنی اوقات دکھا دی۔" انی بے حد دل گرفتہ سا ہوا۔

"اچھا...... اب کیا ہوگا انی؟" خورشیدہ بیگم کا چہرہ مایوسی کی شدتوں سے اٹا ہوا تھا۔ درد اور گہرا کرب، ایک ماں کا دل ایک جان ہی سمجھ سکتی ہے۔ اس وقت خورشیدہ بیگم اپنی بیٹی کو کوس بھی رہی تھیں، برا بھلا بھی کہہ رہی تھیں مگر دل ہی دل میں اس کی خیر کی بھلائی کی امیدوار بھی تھی۔ دل میں آس تھی کہ کاش وہ خیریت سے ہو۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

bazsuk@naeyufaq.com

بزم سخن

سمیہ عثمان

نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ

میری قسمت میں کہاں ناز اں حور شمائل
میں تو جیسے ٹھہرا مانند برگ آوارہ
دیکھ کر رخ زیبا حیران ہوں میں
آنکھوں میں ہے اداسی اور چہرہ ستارا

سعدیہ حورین حوری...... بنوں، کے پی کے

بکھری کتابیں، بھیگے اوراق اور تنہائی پسند سا دل
یقین مانو محبت نے میری عمر پر بھی ترس نہیں کھایا

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

ہر شام چراغوں کی طرح جلتی ہیں آنکھیں
کیا کوئی چلا جائے تو یوں بھی ہوتا ہے

سحرش نعیم...... گوجرانوالہ

روز کہتا ہوں بھول جاؤں تجھے
روز یہ ہی بات بھول جاتا ہوں

عالیہ چودھری...... لاہور

کاش محبت خواب سی ہوتی
آنکھ کھلتی تو قصہ ختم ہوتا

کلثوم ملک...... ڈونگہ بونگہ

موت کی آہٹ سنائی دے رہی ہے دل میں
کیا محبت ہے خالی یہ گھر ہونے کو ہے

بشریٰ عمران ہنگی...... میانوالی

زندگی بھی تو پشیمان ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ میرے مر جانے کا

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

صدموں سے لوگ مر نہیں جاتے
تیرے سامنے ہے مثال میری

خالدہ خالد ملک...... ملتان

میں تیرے ملنے کا معجزہ کہہ رہا تھا لیکن
تیرے بچھڑنے کا سانحہ بھی کمال گزرا

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

تمہیں بھولنا ہوتا تو کب کے بھول چکے ہوتے محسن
تم حسرت زندگی ہو کوئی مطلب زندگی تو نہیں

مریم شہزادی...... قصور

اکثر یہ احساس ہوتا ہے مجھے
تجھے کوئی احساس نہیں میرا

ہالہ سلیم...... کراچی

کاش ہم محبت سے انجان ہوتے
نہ دل ٹوٹتا نہ ہم حیران ہوتے

سیدہ تبسم بشیر حسین...... ڈنگہ

جمع تم ہو نہیں سکتے
مجھے منفی سے نفرت ہے
تمہیں تقسیم کرتی ہوں
ضرب دل پر لگتی ہے

سیدہ ماہا بشیر حسین...... ڈنگہ

تم واقعی اچھی لڑکی ہو
یا مجھ کو اچھی لگی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
تم ہنستی اچھی لگتی ہو

کنول شہزادی...... مانسہرہ

اپنے حصے کی چال تم چل بیٹھے
ہمارے منتظر رہنا کہانی ختم کرنی ہے

امبر چغتائی...... راولپنڈی

کبھی تو کھل کے برس ابر مہرباں کی طرح
میرا وجود ہے جلتے ہوئے مکان کی طرح
کبھی تو سوچ کہ وہ شخص کس قدر تھا بلند
جو جھک گیا تیرے قدموں میں آسمان کی طرح

کوثر ملک...... گجرات

اگر معلوم ہوتا کہ عشق اتنا تڑپاتا ہے

تو ہم دل جوڑنے سے پہلے ہاتھ توڑ لیتے
نورین دانش چودھری...... میرپور آزاد کشمیر
جو الجھن تھی درپیش وہ حل ہوگئی
تجھے دیکھتے ہی غزل ہوگئی
میرے دل میں جب سے مکیں تم ہوئے
یہی کوٹھری اک محل ہوگئی
عائشہ سلیم...... کراچی
مجھے بچوں کی آنکھوں میں وہ سارے رنگ ملتے ہیں
جنہیں چھونے سے آئے زندگی کی خواہش کرنا
یمنیٰ نور...... کراچی
کبھی نظر میں بلا کی شوخی کبھی سراپا حجاب آنکھیں
وہ آئے تو لوگ مجھ سے بولے حضور آنکھیں جناب آنکھیں
عجب تھا کچھ گفتگو کا عالم سوال آنکھیں جواب آنکھیں
ہزاروں ہی ان سے قتل ہوں گے خدا کے بندے سنبھال آنکھیں
نگہت غفار...... کراچی
پیغمبروں سے زمینیں وفا نہیں کرتیں
ہم ایسے کون خدا تھے کہ اپنے گھر رہتے
نورین انجم اعوان...... کراچی
فصیل شہر میں پیدا کیا ہے در میں نے
کسی بھی باب رعایت سے میں نہیں آیا
اڑا کے لائی ہے شاید خیال کی خوشبو
تمہاری سمت ضرورت سے میں نہیں آیا
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر
دشت میں ہے ایک نقش رہ گزر سب سے الگ
ہم میں ہے شاید کوئی محو سفر سب سے الگ
چلتے چلتے وہ بھی آخر بھیڑ میں گم ہوگیا
وہ جو ہر صورت میں آتا تھا نظر سب سے الگ
انجم انجم اعوان...... کراچی
ماں مجھے دیکھ کے ناراض نہ ہو جائے کہیں
سر پر آنچل نہیں ہوتا ہے تو ڈر لگتا ہے
ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ
ہم مطلب سے ملتا تھا
مجھے ملنے سے مطلب تھا
نادیہ بتول...... گجرات
ہمارا تو خیال تھا وہ ہمارے ہوں گے
خیال تو اچھا تھا مگر رہا خیال ہی
دانیہ الطاف...... حیدرآباد
اٹھا کے پھول کی پتی نزاکت سے مسل ڈالی
اشارے سے کہا ہم دل کا ایسا حال کرتے ہیں
نوشابہ انجم...... کراچی
بے حساب حسرتیں نہ پالیے
جو ملا ہے اسے سنبھالیے
دانیہ الطاف...... حیدرآباد
کانچ کے جیسا تھا رشتہ تیرا
اک آہٹ سے ٹوٹ گیا ہے
شہرین وڑائچ...... قصور
یاد اس کی اب بھی آتی ہے
بری عادت ہے کہاں جاتی ہے
فائزہ بھٹی...... پتوکی
جس قدر آپ گریزاں ہیں مجھ سے
اس قدر تو برا نہیں ہوں میں
فائزہ شاہ...... لانڈھی
ہم بہت گہری اداسی کے سوا
جس سے بھی ملتے ہیں کم ملتے ہیں
امبر رضوی...... ڈنگہ
تیری آنکھوں میں سدا پیار کے جگنو چمکیں
تیرے ہونٹوں پر سدا دھیمی سی مسکان رہے
شگفتہ خان...... بھلوال
خیال کیجیے کہیں مر ہی نہ جاؤں
بہت زہریلی ہیں خاموشیاں آپ کی

چکن کارنر

زہرہ جبین

گاجر اور آلو کا سوپ

اجزاء:

گاجر	دو عدد
آلو (درمیانے)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
لہسن کے جوئے	دو عدد
پیاز (درمیانی)	ایک عدد
چکن کی یخنی	چار پیالی
سفید مرچ	حسب ضرورت
فریش کریم	حسب ضرورت
مکھن	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:

پین میں مکھن ڈال کر پگھلا کر اس میں چوپ کی ہوئی پیاز اور چھلے ہوئے لہسن کو ہلکا سا فرائی کریں پھر اس میں آلو اور گاجر کے قتلے ڈال کر فرائی کریں اور چکن کی یخنی شامل کریں۔ جب سبزیاں گلنے پر آجائیں تو نمک شامل کرکے چولہے سے اتار لیں۔ سوپ تھوڑا سا ٹھنڈا ہوجائے تو بلینڈ کرلیں۔ گرم گرم ڈش میں نکال کر سفید مرچ چھڑکیں اور کریم سے سجا کر پیش کریں۔

ثانیہ الطاف..... حیدرآباد

چکن اینڈ ویجیٹیبل سوپ

اجزاء:

چکن (ریشہ کرلیں)	۲۵۰ گرام
بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی)	آدھا کپ
ہری پیاز (چوپ کرلیں)	۲ عدد
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
انڈا (پھینٹ لیں)	ایک عدد
پانی	آدھا لیٹر
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

سوس پین میں پانی ڈالیں پھر اس میں بند گوبھی، چکن، ہری پیاز، سیاہ مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر ۱۵ منٹ درمیانی آنچ پر پکائیں۔ پھر اس میں کارن فلور ڈال کر مکس کریں چمچہ مسلسل ہلاتی رہیں۔ پھر اس میں تھوڑا تھوڑا کرکے انڈا ڈالیں۔ جب انڈا پک جائے تو چولہے سے اتار لیں سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم سرو کریں اور سردیوں کا لطف اٹھائیں۔

رانیہ الطاف..... حیدرآباد

ہڈیوں کا سوپ

اجزاء:

گائے یا بکری کی ہڈیاں	۲۵۰ گرام
گھی یا مکھن	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	ایک درمیانے سائز کی
گاجر	ایک درمیانے سائز کی
تازہ اجوائن، نمک، کالی مرچ	ایک ایک چائے کا چمچ
پانی	ایک لیٹر

ترکیب:

ہڈیاں صاف کرکے دھولیں۔ پانی ڈال کر مدہم آنچ پر ڈھک کر ایک گھنٹہ پکائیں۔ پھر پیاز گاجر کے ٹکڑے کرکے ڈال دیں اور باقی تمام چیزیں بھی شامل کردیں اور مزید ایک گھنٹہ پکائیں۔ چھان کر پیالوں میں نکالیں۔

ثوبیہ ارجے..... گجرات

گاجر کا حلوہ

اجزاء:

گاجر (کدوکش کی ہوئی)	آدھا کلو
کھویا	ایک سو پچیس گرام
چینی	ایک سو پچیس گرام
دودھ	آدھا لیٹر
چاول کا آٹا	ایک کھانے کا چمچ
الائچی (پسی ہوئی)	چار سے پانچ عدد
بادام	پچیس گرام
پستہ	پچیس گرام
کیوڑا	دو کھانے کے چمچ
زردہ رنگ	چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب:

کدوکش کی ہوئی گاجروں کو پانی میں بھگو دیں۔ ایک پین میں دودھ گرم کرلیں، پھر اس میں چینی گاجر اور چاول کا آٹا شامل کر کے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چمچ کی مدد سے مسلسل ہلاتے رہیں۔ اب اس میں الائچی پاؤڈر شامل کر کے پندرہ منٹ تک پکنے دیں۔ جب گاجریں نرم ہو جائیں تو اس میں زردہ رنگ کیوڑا، بادام اور پستے شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں۔ پھر ڈش میں نکال کر ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

انوشا یحییٰ...... لاہور

گجریلا

اجزاء:

تازہ دودھ	ڈیڑھ کلو
گاجر (کدوکش کی ہوئی)	ایک پیالی
چاول (ابلے ہوئے)	چوتھائی پیالی
کنڈینسڈ ملک	ایک ٹن
چھوٹی الائچیاں	سات عدد
گھی	۲ کھانے کے چمچ
ساگودانہ	۲ کھانے کے چمچ
بادام، پستے	سجانے کے لیے

ترکیب:

فرائنگ پین میں گھی گرم کر کے بادام، پستے اور کشمش تل کر نکال لیں۔ دیگچی میں دودھ، الائچیاں، ساگودانہ اور چاول ڈال کر پکائیں۔ پھر گاجر ڈال دیں۔ جب گاڑھا ہونے لگے تو کنڈینسڈ ملک شامل کردیں۔ تھوڑی دیر پکا کر ڈش میں نکالیں۔ اسے بادام اور پستے سے سجا کر ٹھنڈا کریں اور مہمانوں کے سامنے پیش کریں۔

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

گلاب جامن

اجزاء:

خشک دودھ	ایک کپ
میدہ	ایک کھانے کا چمچ
انڈہ	ایک عدد
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
آئل	ایک کھانے کا چمچ
چینی	ایک کپ
پانی	۲ کپ

ترکیب:

سب سے پہلے دو کپ پانی میں ایک کپ چینی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں تاکہ شیرا بن جائے۔ ایک باؤل میں خشک دودھ، میدہ، انڈہ اور آئل ڈال کر اچھی طرح سے گوندھ لیں۔ انڈہ پہلے الگ پھینٹ لیں اور تھوڑا تھوڑا کر کے ڈالیں۔ پھر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنالیں اور گرم تیل میں فرائی کرلیں۔ زیادہ براؤن نہ کریں۔ پھر گرم گرم شیرے میں ڈال کر دو منٹ تک ڈھکن بند کر کے پکالیں پھر اس کو ایک ڈش میں نکال لیں۔ گلاب جام تیار ہیں۔

نورین انجم اعوان...... کراچی

مچھلی کا پلاؤ

اجزاء:

چاول	۳۰۰ گرام
سرمئی فش	آدھا کلو
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
گھی	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
گرم مصالحہ (ثابت)	حسب ضرورت
ہری مرچ	چار سے پانچ عدد
کڑی پتے	دس سے بارہ عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کالا زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر (ابلے چھوٹے کٹے ہوئے)	دو عدد

ترکیب:

پہلے مچھلی کے چھوٹے پیس کاٹ لیں۔ پھر ان میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پسا گرم مصالحہ اور تھوڑا سا نمک لگا کر میری نیٹ کرلیں۔ اب انہیں تھوڑے سے تیل میں شیلو فرائی کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ پھر ایک پین میں گھی گرم کر کے پیاز، ثابت گرم مصالحہ، ہری مرچ، کڑی پتے، سفید زیرہ اور کالا زیرہ شامل کر کے ایک سے دو منٹ تک بھونیں پھر اس میں سوا سے ڈیڑھ گلاس تک پانی شامل کریں۔ جب پانی گرم ہو جائے تو بھیگے

ہوئے چاول شامل کردیں۔ جب چاول پھول کر اوپر آنے لگیں تو اس میں ٹماٹر اور فرائی کری ہوئی مچھلی شامل کر کے مس کریں اور آٹھ سے دس منٹ کا دم دیں۔ تیار ہونے پر گرم گرم نکال کر سرو کریں۔

رمشا مسعود......کراچی

فرائی فش

اجزاء۔

سرمئی مچھلی	ایک کلو
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچ
لیموں	تین عدد
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
بیسن	ایک پیالی
انڈے کی سفیدی	ایک عدد
اجوائن	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ (بھون کر پیس لیں)	ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
سرسوں کا تیل	حسب ضرورت
چاٹ مصالحہ	حسب ضرورت اوپر ڈالنے کے لیے

ترکیب:۔

پہلے مچھلی کے قتلے کو دھوئے بغیر سفید سرکہ لگا کر پانچ سے دس منٹ کے لیے رکھیں۔ پھر دھو کر چھلنی میں رکھ دیں تا کہ پانی نکل جائے، اس کے بعد مچھلی کے قتلے میں دو عدد لیموں کا رس، ہلدی اور نمک لگا کر رکھیں۔ اب ایک پیالے میں بیسن، انڈے کی سفیدی، اجوائن، لال مرچ، کالی مرچ، سفید زیرہ، ادرک لہسن کا پیسٹ اور ایک عدد لیموں کا رس ملا کر گاڑھا آمیزہ تیار کرلیں۔ پھر کڑاہی میں سرسوں کا تیل گرم کریں اور ایک ایک مچھلی کا قتلہ بیسن کے آمیزے میں ڈبو کر گرم تیل میں گولڈن براؤن کرلیں۔ اب انہیں نکال کر ٹشو پر رکھیں تا کہ چکنائی جذب ہوجائے، اوپر سے چاٹ مصالحہ چھڑک کر گرم گرم نان اور املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

ماہ شیر احمد......ملتان

جھینگے کی بریانی

اجزاء۔

جھینگے (صاف کیے ہوئے)	آدھا کلو
سیلا چاول (ابلے ہوئے)	۳ پیالی
دہی (پھینٹی ہوئی)	۳ پیالی
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	۲ عدد
پسا ہوا لہسن ادرک	۲ کھانے کے چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
پسی ہوئی ہلدی	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	کھانے کے چمچ
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)	۶ عدد
لیموں کے قتلے	۶ عدد
زردے کا رنگ (پانی میں گھلا ہوا)	چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور جھینگے تل کر نکال لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں اور اس میں پیاز اور لہسن بھونیں۔ پھر لال مرچ، ہلدی، دھنیا، دہی اور نمک ملا کر تیز آنچ پر پکائیں۔ اس میں گرم مصالحہ، ہری مرچیں اور جھینگے ملا کر چولہا بند کردیں۔ اس پر لیموں رکھ دیں۔ اس کے اوپر چاول پھیلا دیں۔ زردے کا رنگ چھڑکیں اور دم پر رکھ دیں۔ پانچ سے دس منٹ بعد چولہا بند کر کے ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

نسرین اختر......اسلام آباد

alam@naeyufaq.com

موجِ سخن

زینب احمد

حمد باری تعالیٰ

یا رحمٰن تیری رحمانیت کے میں نثار
کرتا ہے فقط تو ہی ہر اک سے سچا پیار
شب میں ذکر تیرا ہو دن میں بھی تجھے پکاریں
سنتا ہے فقط تو ہی مولا دل کی ہر پکار
جس دم تجھے میں بھولوں، وہ دم ہی نہ آئے
صدقے میں تیری یاد کے دیکھی ہے بہار
تیرے نام سے ہوتے ہیں سارے ہی مرے کام
تیرا نام جو نہ لوں، یہ جینا ہے بیکار
شمس و قمر ہوں یا کہ چمکتے ہوئے تارے
کرتے ہیں ثناء تیری اور تیرا ہی اظہار
بادل ہو یا بارش یا کہ صحرا کہ چمن ہو
آتی ہے ہواؤں سے ہر سو تیری مہکار
مسلم ہو کہ نا مسلم، سب ہی تجھ سے ہی مانگیں
ہے تیری عبادت سے یہ زندگی گلزار
حمد و ثنا میں نظر آتے ہیں تیری یاد کے جلوے
نعتوں سے ہیں ملتے تیرے محبوب کے آثار
کوثر قبولیت کی سند پائے یہ مدح
آجائے مقدر میں میرے آقا ﷺ کا دیدار

کوثر خالد...... جڑانوالہ

دعا

الٰہی! آنے والے اب کے برس
میں تجھ سے یہ دعا کرتی ہوں
اب کے برس یہ معجزہ دکھا دے
بچھڑے ہیں جو ان کو ملا دے
میری ارض پاک کو خوش حال رکھنا
اس کی رونقیں سدا بحال رکھنا
میرے ہم وطنوں کے چہرے پھول رکھنا
ہر گھر پر خاص رحمتوں کا نزول رکھنا
کوئی معصوم کھلونوں کو نہ ترسے
رزق سب پر بارش کی طرح برسے
الٰہی آنے والے اب کے برس
میں تجھ سے یہ دعا کرتی ہوں
نیک لوگوں میں لکھا نام ہمارا ہو
ساری دنیا میں بلند پرچم ہمارا ہو
کسی گھر سے سسکیوں کی صدا نہ سنائی دے
کوئی آنکھ پرنم نہ دکھائی دے
کوئی دل کبھی ملول نہ ہو
دعائیں زندگی کی بھی قبول ہوں
اے رب العزت اب کے برس
میں تجھ سے یہ دعا کرتی ہوں

شبنم حنیف...... لاہور

سلام کرتے ہیں

جو بگڑ کر سنورنے آیا ہے
وہ میرا چہرہ بدلنے آیا ہے
اپنے اندر کرے یقیں پیدا
وہ جو ہم کو پرکھنے آیا ہے
کس میں ہمت ہے روک لے اس کو
نیا سورج چمکنے آیا ہے
اس کو دل سے سلام کرتے ہیں
وہ جو گر کر سنبھلنے آیا ہے
وقت کے ساتھ دوریوں کا ہجوم
ملنے آیا ہے، بانٹنے آیا ہے
چاند، سورج، ستارے، پھول کنول
خوش ہیں کوئی تو ملنے آیا ہے

یاسمین کنول...... پسرور

وعدہ پورا کر دو ناں

سنو!
انتظار کے پل بھی
گزار دیے میں نے
بہت ہی صبر سے لیکن
وعدہ ہم نے نبھا ڈالا
خوشیوں کو انتظار کی

سولی پہ چڑھا ڈالا
اب باری تمہاری ہے
تیری قربت بھی
پیاری ہے
وہ وعدہ جو آنے کا
کیا تھا پچھلے برس
تم نے
اب پورا وہ کر دو ناں
میرا نیا سال خوشیوں
سے بھر دو ناں
وہ وعدہ پورا کر دو ناں

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

نیا برس

میری دعا ہے
نیا برس ہو تمہارے جیسا
نہ کسی کا دل دکھانے والا
محبتوں کے رفاقتوں کے
چراغ ہر سو جلانے والا
جہاں میں کوئی نہیں ہے جن کا
انہیں گلے سے لگانے والا
اجاڑ آنکھوں کو زندگی کے
سپنے دکھانے والا
اداس لوگوں کے آنگن میں
خوشی کی بیلیں اگانے والا
فقط محبت، فقط محبت، فقط محبت
سکھانے والا

عائشہ پرویز...... کراچی

ماں کے نام

ماں تجھے سلام لکھتی ہوں
اپنی ساری دعائیں تیرے نام لکھتی ہوں
کبھی جو ڈر لگا، سینے میں چھپایا تو نے
راتوں کو جاگ کے ہم کو سلایا تو نے
تیری آنکھوں کو سلام لکھتی ہوں
کبھی روئے تو پیار سے بہلایا تو نے
کبھی سینے سے تو کبھی گود میں سلایا تو نے
اس ممتا بھری گود کو سلام لکھتی ہوں
آج میں یہاں ہوں اور
جس مقام پر ہوں ماں
اس کا ہر آغاز تیرے نام لکھتی ہوں
تیرے دم سے آباد ہے گھر ہمارے ماں
تیرے قدموں میں جنت کو بچھایا خدا نے
خدا کے اس کرم کو احسان لکھتی ہوں
ماں تجھے سلام لکھتی ہوں

بنت حوا...... مقام نامعلوم

آباد ہوگیا

میرے دل کو بھی اب یہ یقین ہوگیا
وہ کہیں ہوگیا میں کہیں ہوگیا
میرے سائے سے بھی لوگ ڈرنے لگے
خوں میں ڈوبی ہوئی آستیں ہوگیا
دفعتاً اسے دیکھ کر یوں لگا
وہ پہلے سے اور بھی حسیں ہوگیا
اس نے دیکھا جو میلی نظر سے مجھے
زخم ہی زخم دل کے قریں ہوگیا
کر کے وعدہ وہ آیا نہیں عمر بھر
حادثہ اس جگہ بالیقیں ہوگیا
جانے کس وقت انصر کوئی بے وفا
دل کے نگر میں آ کر آباد ہوگیا

نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ صدر

گلاب کا پھول

گلاب کا چھوٹا سا پھول ہوں میں
ہر ایک میں مقبول ہوں
بادِ صبا چرا لی ہے خوش بو میری
چاروں طرف پھیلاتی ہے خوش بو میری
قد میں چھوٹا سا پودا ہوں میں
گملوں، کیاریوں میں کھلتا ہوں میں
گلے کا ہار لوگ مجھے بناتے ہیں
اپنے گھروں دفاتر کو سجاتے ہیں
بچوں کو دیکھ کر مسکراتا ہوں میں
پودے پر لگا کھلکھلاتا ہوں میں

[illegible]

وفا نہ ہو تو

زندگی اپنی ہنس کے بسر کرنا
نفرتوں کے راستے پر نہ سفر کرنا
وفا نہ ہو تو محبت ادھوری ہے
محبت کے سفر میں وفا کی فکر کرنا
زمانہ جتنا بھی ہو ہمدرد آپ کا
زمانے کو نہ شریک سفر کرنا
محبت ہر کسی کا مقدر نہیں ہوتی ناز
ملے جو محبت تو اس کی قدر کرنا

رقیہ ناز...... ضلع وہاڑی

تمہیں آنا ہے

ہاں جانتی ہوں میں
نہیں آپاؤ گے جاناں
کہ بہت سی دشواریاں
تمہاری راہ میں حائل ہوں گی
اور سب گھڑیاں اپنے ملنے کی زائل ہوں گی
اتنی مصروفیت میں بھی تم کو
جب خیال میرا آیا ہوگا
اور بات کرنے کو مجھ سے فون اٹھایا ہوگا
اسی لمحے ہوئی ہوگی دستک تمہارے آفس میں
اور کوئی شخص نئی فائلیں لیے آیا ہوگا
بات کرنے کے ارادے کو ملتوی کر کے
تم پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے ہوں گے
اور چند لمحوں میں مجھے بھول بھی گئے ہوگے

پر یہ جو دل ہے ناں
کچھ سننے کو تیار نہیں
اس تلخ حقیقت کو ماننے تیار نہیں
یہ دھڑکتے ہوئے کہتا ہے
تمہیں آنا ہے
سانس چلتی ہے تو لگتا ہے
تمہیں آنا ہے
ایک امید کا دامن ہے چھوٹتا ہی نہیں
تیری خاموشی سے میرا دل روٹھتا ہی نہیں
دل کی معصوم سی خواہش ہے جاناں
اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر کبھی میرے گھر بھی آنا

تیرے انتظار کے لمحوں سے محبت ہے مجھے
میں تیری راہوں میں پلکیں
بچھائے بیٹھی ہوں
تیری چاہت کو دل سے
لگائے بیٹھی ہوں
بڑی آس سے
بڑی چاہ سے
بڑے مان کے ساتھ
میں منتظر ہوں جاناں
کہ تمہیں آنا ہے اب کے برس

انعم زہرہ...... ملتان

وقت رخصت

وقت رخصت درخواست کی تھی
بس اک ہی فریاد کی تھی
کہ دل کہے تو لوٹ کے آنا
آنکھیں میری انتظار میں ہوں گی
مگر زندگی کے دھندلکوں میں کھو کر
تم پھر ہم کو بھول گئے شاید
کہ اب بھی کوئی راہ تکتا ہے
تم سے ملنے کی دعا کرتا ہے

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

غفلت ہوگئی ہے

نہ جانے کیسی غفلت ہوگئی ہے
میرے دل کو وحشت ہوگئی ہے
شکایت تم سے تھی افسوس، لیکن
زمانے سے شکایت ہوگئی ہے
تڑپتے تھے ہم صدیوں سے مگر وہ
دکھا کے جلوہ رخصت ہوگئی ہے
ترا ملنا خوشی کی بات ہے پر
تیری فراقت قیامت ہوگئی ہے
دراڑیں پڑ گئی ہیں جسم و جاں میں
کہ بوسیدہ عمارت ہوگئی ہے
لگایا روگ نیر عمر بھر کا
غم فرقت کی عادت ہوگئی ہے

نیئر رضوی...... کراچی

دل کا موسم

موسم نے انگڑائی لی
بدلیوں کی اوٹ سے
جھانک کے دیکھا سورج نے
سمندروں پہ چلتی ہوئی
بادِ نسیم نے
پیڑوں سے گرتے پتوں سے
دھول اڑی تو پھولوں نے
خوشبوؤں کے بہتے چشموں پر
تیراکوں کی اک بھیڑ نے
تسلیم کیا کہ موسم بھی
عجب دوست نرالا ہوتا ہے
جو ساتھ نبھاتا ہے سدا
اور روپ بدلتا رہتا ہے
چہروں پہ چمکتی ہے فضا
آنکھوں میں کالی ڈوریاں
پھر ایسے بسنے لگتی ہیں
جو ظاہر کر دیتی ہیں کہ
دکھ سکھ کا ساتھی سچا ہے
اب دل کا موسم اچھا ہے

اقرا حفیظ..... ہری پور

وعدے وفا نہیں ہوتے

آ گئے ہو تو یوں کیا جائے
تم کو دل میں بسا لیا جائے
وہ جو وعدے وفا نہیں ہوتے
کچھ حساب ان کا بھی دیا جائے
گیت لکھے بہت ہیں چاہت کے
آؤ ان کو گنگنا لیا جائے
ہجر گر زہر ہے تو پھر اے گل
زہر یہ کس طرح پی لیا جائے

سباس گل..... رحیم یار خان

محبت کا دن

سنو!
یاد ہے ناں
محبت کا وہ دن

اظہار کی وہ باتیں

آج سالگرہ ہے اس دن کی
تم بھی آؤ ناں
اس کو مناتے ہیں
نئے خواب سجاتے ہیں

عزہ یونس..... حافظ آباد

دھوپ کا کچھ

میری طرف سے وہ رخ بدلتا گیا
پھر بھی جانے کیوں وہ سنورتا گیا
عشق کی داستاں لوگ بننے لگے
ہر کوئی پھر آہیں بھرتا گیا
میں نے سوچا دکھاؤں اسے کچھ زخم
وہ وار خنجر کے پھر سے کرتا گیا
وقت کی دھوپ کا کچھ اثر ہو گیا
وہ برف کی طرح پگھلتا گیا
اس نے رسماً پوچھا میرا حال
میں خوش گمانیوں میں گھرتا گیا
سانس رکنے لگی راج پھر سے میری
جب یہ دیکھا وہ سمت بدلتا گیا

سید عبادت راج..... ڈیرہ اسماعیل خان

دسمبر مٹ گیا شاید

میری آنکھوں میں یہ موتی
دسمبر دے گیا تھا تب
کہ جب تم نے کہا تھا
دسمبر میں ملیں گے اب
سنو جاناں
میرے سالوں کے مہینوں میں
دسمبر اب بھی آتا ہے
تیرے سالوں کے مہینوں سے
دسمبر مٹ گیا شاید

شبنم کنول..... حافظ آباد

shukhi@naeyufaq.com

ہماذوالفقار

پہاڑ کا کانپنا

ایک دفعہ حضورﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ہمراہ احد کے پہاڑ پر چڑھے تو احد کا پہاڑ کانپنے لگا حضورﷺ نے فرمایا۔

”اے احد! آرام کر کانپ نہیں تیرے اوپر اللہ کے نبیﷺ، صدیق اور دو شہید ہیں۔“ حضورﷺ کا اتنا کہنا تھا کہ پہاڑ نے کانپنا چھوڑ دیا۔

سنیاں زرگر، اقصیٰ زرگر...... جوڑہ

حضرت فاطمہؓ

آپ کا نام فاطمہؓ اور کنیت ام محمدﷺ تھی۔

آپؓ کے القابات، بتول، زہرہ، راضیہ، سیدۃ النساء العالمین، سیدۃ النساء اہل جنت، زاکیہ، طاہرہ، مطہرہ۔

آپ کے والد ماجد حضرت محمدﷺ اور والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ تھیں۔

آپ کے بھائی حضرت قاسم و حضرت عبداللہ اور حضرت ابراہیم تھے۔

آپ کی بہنیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم تھیں۔

آپ کی شادی حضرت علی سے ہوئی اور آپ کی اولاد میں حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت محسن ہیں جبکہ بعض مورخین حضرت محسن کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔

اقصیٰ نگین...... گجرات

معرفت الٰہی کی حقیقت پر صوفیا کے اقوال

✿ امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔ جس نے اللہ کی معرفت حاصل کرلی وہ غیر اللہ سے کنارہ کش ہوگیا۔ (نفس اور دنیا غیر اللہ ہیں جو معرفت الٰہی کے طالب ہیں انہیں ترک کردینا یعنی لذات دنیا و نفس ترک کرکے قناعت اختیار کرنی چاہیے)

✿ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں جب تک عارف غیر سے کنارہ نہ کرے گا اس وقت تک عارف نہ ہوگا۔ مزید فرمایا کہ خاوند کی معرفت اور شناخت میں تقلید نہ کرنی چاہیے اور اس کو کامل صفتوں سے پہچاننا چاہیے اور یہ بات بھی اللہ کی عنایت کے بغیر ممکن نہیں اور دلیلیں اور عقلیں سب اللہ کے تصرف میں ہیں۔

✿ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ بندے کو یہ معلوم ہوجائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خالق کائنات کی طرف سے ہے۔

✿ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں معرفت اس بندہ کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ کی عنایت ہو وہی دل کو کھولتا اور بند کرتا ہے۔

حمید انور...... سرگودھا

مجنوں

مجنوں ایک نمازی کے آگے سے گزر گیا۔ نمازی نے نماز توڑ کر مجنوں کو دو تین تھپڑ رسید کردیے۔ ”تو نے نہیں دیکھا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں تو میرے آگے سے کیوں گزرا۔“ مجنوں نے کہا۔

”مجھ سے غلطی ہوگئی ہے میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔“ نمازی نے کہا۔

”کیوں نہیں دیکھا۔ کیا تو اندھا ہے؟“ مجنوں نے کہا۔

”اے نمازی میں اندھا نہیں ہوں میں تو عشق میں اتنا اندھا ہوکے جارہا تھا کہ تجھے نہ دیکھ سکا مگر تم یہ بتاؤ تم نے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر مجھے کس طرح دیکھ لیا، کیا یہی تمہاری نماز ہے؟“

فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی

سنہری باتیں

○ مرد شرم کرے تو اچھا ہے، لیکن عورت کرے تو بہت اچھا ہے۔

○ شریف علم پڑھ کر متواضع ہوجاتا ہے اور رذیل علم پڑھ کر متکبر ہوجاتا ہے۔
○ زبان کو شکایت سے بند کرو، خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔
○ عدل جو بھی کرے بہتر ہے لیکن امید کریں تو زیادہ بہتر ہے۔
○ حکمران دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ بدبخت ہوتے ہیں۔
○ کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بلائیں عذاب عام کردیتا ہے۔
○ امیر تکبر کرے تو برا لیکن غریب کرے تو بہت برا ہے۔
ملالہ اسلم...... خانیوال

عورت

عورت ذات کو قدرت نے عجب مٹی سے بنایا ہے۔ جس گھر میں پیدا ہوئی، پرورش پائی اور جس گھر کی دہلیز پر جوان ہوئی، جس آنگن میں چہکتی رہی، جہاں نجانے کتنے خواب بنے، کتنے قہقہے بکھیرے اور کتنے لاڈ اٹھوائے، جب جوانی کا دور آیا تو رخصت کردی گئی۔ عورت واقعی ایک بے مثال ہیرو ہے کہ جس کی چمک نگاہوں کو خیرہ کردے۔
مجھے بیٹیوں کی ہمت پہ رشک آتا ہے جو جیتے جی پرائی ہوکر دور کے دیسوں میں چلی جاتی ہیں اور پھر ان کی قبر بھی وہی بنتی ہے۔
اے عورت تیری عظمت اور ہمت کو سلام۔
ثوبیہ نواز اعوان...... کنڈان سرگودھا

باتیں یاد رکھنے کی

❁ جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی وہ ٹھہرنے سے حاصل ہوجاتی ہے۔ جو سکون پیسے جمع کرنے میں نہ پایا جائے وہ خرچ کرنے میں ضرور پایا جائے گا۔
❁ حال کے عمل سے ماضی کا عمل بدل سکتا ہے ماضی کفر ہو تو حال کلمہ پڑھ کے مومن ہوسکتا ہے حال مومن ہوجائے تو ماضی بھی مومن۔
❁ انسان جس کیفیت عقیدے میں مرے گا اس میں دوبارہ اٹھایا جائے گا دعا کریں کہ وقت رخصت کلمہ نصیب ہو۔
❁ عزت کرو عزت ملے گی، صدقہ دو بلائیں جائے گی توبہ کرو گناہ معاف ہوجائیں گے۔
❁ ضمیر ہمارے جسم میں ایسی مقدس آواز ہے جو ہم سے کہتا ہے ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ، کوئی ہستی تمہیں دیکھ رہی ہے۔
طیبہ نذیر...... شادیوال، گجرات

مسکراہٹیں

”میں شرط لگاتا ہوں کہ تم خرگوش کو نہیں مار سکتے۔“ ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا۔
دوسرا دوست بولا۔ ”تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟“
پہلا دوست۔ ”کیونکہ تمہاری بندوق میں گولی نہیں ہے۔“
دوسرا دوست۔ ”یہ تو تمہیں معلوم ہے خرگوش کو تو نہیں۔“
رانا ثناء اللہ...... چھانگا مانگا

استاد: ”ریاضی کسے کہتے ہیں؟“
وجاہت: ”ریاض کی بیوی کو۔
استاد: ”انگریزی کسے کہتے ہیں؟“
وجاہت: ”انگریز کی بیوی کو۔
دلکش چودھری...... لاہور

عبدالغفور قیصر ”بیٹا ایک اور آئس کریم کھاؤ گے؟“
بیٹا: ”ابو ابھی تو آپ نے ایک آئس کریم بھی نہیں کھلائی۔“
عبدالغفور قیصر: ”بیٹا آپ بھول رہے ہیں پچھلے سال ہم نے یہاں ایک آئس کریم کھائی تو تھی۔“
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

سنہری باتیں

☐ غلطی ایک پیج ہے جبکہ رشتے پوری کتاب اس لیے ایک پیج کے لیے پوری کتاب کو کبھی رد مت کریں۔
☐ دوست کی حفاظت کروں خواہ وہ آگ ہی کیوں نہ ہو۔
☐ کسی سے اس حد تک ناراض نہ ہوں کہ منانے والا مایوس ہوکر لوٹ جائے۔
رخ کومل شہزادی...... سرگودھا

کون سی مخلوق کون سے دن پیدا کی گئی

صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔ مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن پیدا کیا، پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم کو جمعے کے دن۔

نادیہ اسلم...... ننکانہ صاحب

باتیں ہیں خوشبو جیسی

- ہلکی سی رنجش خونی رشتوں کو ختم کرسکتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تیز دھوپ شجر کو تو جھلسا دے مگر اس کی جڑیں محفوظ ہوتی ہیں۔
- زندگی کی سب سے بڑی فتح نفس پر قابو پانا ہے اگر نفس نے دل پر فتح پائی تو سمجھو کہ وہ دل مردہ ہوگیا ہے۔
- زمین اور اہل زمین کے درمیان بکھری اچھی باتوں کو یوں چنے جیسے پرندے زندگی کے لیے رزق چنتے ہیں۔
- جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔

الفت اینڈ فائزہ عباسی...... چناری آزاد کشمیر

حیرت انگیز

- شہد کی مکھی شہد کے علاوہ موم بھی تیار کرتی ہے۔
- ہیومنگ برڈ ایک ایسا پرندہ ہے جو اڑ سکتا ہے مگر چل نہیں سکتا۔
- کیٹ فش ایسی مچھلی ہے جو پشت کے بل تیرتی ہے۔
- جانوروں میں سب سے بڑا انڈہ وہیل شارک کا ہوتا ہے۔
- دنیا کا قدیم ترین کیڑا لال بیگ کو کہتے ہیں۔
- کالفرفل فش سمندر میں کتے کی طرح بھونکتی ہے۔
- وہیل مچھلی دو سال تک بغیر کھائے پیئے رہ سکتی ہے۔
- دو دماغ بندر کے ہوتے ہیں۔
- سمندر کا سب سے بڑا پرندہ البٹراس ہوتا ہے۔
- کیکڑا ایک ایسا کیڑا ہے جس کے دانت اس کے پیٹ کے اندر ہوتے ہیں۔

سنیاں زرگر بانصیٰ زرگر...... جوڑہ

اقوال خلیل جبران

- میں ان لوگوں میں چھوٹا بن کر رہنا چاہتا ہوں جو تصورات اور تصورات کی تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں۔
- لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں، اس لیے کہ میں اپنی زندگی کے درد، درہم و دینار کے بدلے نہیں بیچتا اور میں لوگوں کو پاگل سمجھتا ہوں اس لیے کہ وہ میرے غم کو درہم دینار کے بدلے بک جانے والی چیز سمجھتے ہیں۔
- انسانیت کی معراج فضول گوئی نہیں بلکہ خاموشی ہے۔
- بغض ایک بے جان لاش ہے پھر تم میں کون ہے، جو اس کی قبر بننا پسند کرے؟

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

سال نو کا کارڈ

آج میں نے بھی خریدا ہے
سال نو کا یہ بہت سادہ سا کارڈ
تیری جانب سے پھر اس کو میں نے
اپنے ایڈریس پہ ارسال کیا
تا کہ کالج کی سب سکھیوں کو
جا کے دکھلا تو سکوں یہ تحفہ
جس میں تحریر بدل کر میں نے
اپنے ہاتھوں سے یہ لکھا خود کو
سال نو تم کو مبارک جاناں

شاعرہ: فاخرہ بتول

انتخاب: عائشہ پرویز...... کراچی

شادی سے پہلے

شادی سے پہلے کسی نے شادی شدہ شخص سے پوچھا۔ "آپ شادی سے پہلے کیا کرتے تھے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بولا۔ "جو میرا دل کرتا تھا۔"

وقاص عمر...... حافظ آباد

انمول باتیں

☆ کچھ لوگوں سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ ان کی کچھ باتیں سوچ کر ان کو محبت دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

☆ عورت کی میت کو نامحرم نہیں دیکھ سکتا تو زندہ عورت

کیوں اپنی نمائش کرتی پھرتی ہے۔

زیلش ارشمان...... گجرات

تلخ میٹھی

جب سانپ زندہ ہوتا ہے تو چونٹیوں کو کھا جاتا ہے لیکن جب یہ مر جاتا ہے تو چونٹیاں اس کو کھاتی ہیں۔ وقت کسی بھی لمحے ختم ہوسکتا ہے۔

زندگی میں ہر چیز کی عزت کرو، کسی چیز سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

جب سیلاب آتا ہے تو مچھلیاں چونٹیوں کو کھاتی ہیں جب سیلاب چلا جاتا ہے تو چونٹیاں مچھلیوں کو کھاتی ہیں کیونکہ اللہ ہر ایک کو موقع فراہم کرتا ہے۔

یمی خان...... ناگرا

انمول موتی

۞ اپنوں کے ساتھ وقت کا پتا نہیں چلتا پر وقت کے ساتھ اپنوں کا پتا ضرور چل جاتا ہے۔

۞ بچپن میں ہم دوستوں کے پاس گھڑی نہیں تھی لیکن ٹائم سب کے پاس تھا مگر آج ہم سب دوستوں کے پاس گھڑی یا موبائل میں وقت ہے مگر ٹائم کس کے پاس نہیں ہے۔

۞ تو مجھے نوازتا ہے یہ تیرا کرم ہے یا اللہ ورنہ تیری رحمتوں کے قابل نہ میری بندگی ہے نا میری زندگی ہے۔

۞ اتنا قیمتی نہ کر خود کو کہ تو میری حیثیت سے باہر ہوجائے لوگ اکثر مہنگی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں اپنی حیثیت کو دیکھ کر۔

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

اچھا برا

کبھی کبھی یہ دنیا بروں کی وجہ سے اتنی بری نہیں ہوتی جتنا برا اسے ہم جیسے اچھے بنادیتے ہیں۔

سائرہ داؤد...... ڈی جی خان

باتیں سوچنے کی

♥ زندگی کی کتاب پڑھ کر صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جن کی توجہ اگلے باب پر ہوتی ہے۔

♥ انسان بہت کچھ تقدیر پر جبکہ تقدیر بہت کچھ انسان پر چھوڑ دیتی ہے۔

♥ حقیقتاً اچھا انسان وہ ہے جو ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جن کو لوگ برا کہتے ہیں۔

♥ جھکو وہاں جہاں کسی کے دل میں تمہیں جھکانے کی ضد نہ ہو۔

منیبہ نواز...... صبور شریف

دعا

بیوی نے نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن دعا مانگے بغیر ہی نیچے گرادیے۔

شوہر: ”یہ کیا ہوا کیوں نہیں مانگی؟“

بیوی: ”مانگنے لگی تھی کہ اللہ آپ کی تمام پریشانیاں ختم کردے لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں میں ہی نہ مرجاؤں۔“

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

یادگار باتیں

✤ اگر زندگی میں سکون چاہتے ہو تو کسی سے کبھی توقع مت رکھو، کیونکہ توقع کا پیالہ ہمیشہ ٹھوکروں کی زد میں رہتا ہے۔

✤ جتنا کسی کا ساتھ پرانا ہوا اتنا ہی اس کی بے وفائی کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ تبدیلی کائنات کا خمیر ہے۔

✤ زخم ہمیشہ اس سے ٹھیک ہوتے ہیں جو انہیں عنایت کرتا ہے۔

✤ قبرستان ایسے لوگوں سے بھرے پڑے ہیں جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے بغیر یہ دنیا اجڑ جائے گی۔

✤ عقل مند اپنے خیالات میں تبدیلیاں کرسکتا ہے مگر احمق میں اتنی لچک بھی نہیں ہوتی۔

✤ رشتے اپنائیت کے ہوں یا پھر خلوص کے اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جیسے آبگینے کہ ذرا سی ٹھیس لگے تو ٹوٹ گئے بدگمانی نے سر اٹھایا تو چکنا چور ہوگئے پھر ان پر فخر کیسا؟

نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

husan@naeyufaq.com

حسن خیال

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بابرکت نام سے ابتدا کرنے والا ہے۔ نئے سال کا سورج طلوع ہوگیا ہے اور بہت سی امیدیں بھی ہمارے ہاتھ میں تھما رہا ہے۔ بے شک ہمارا رب ہم سے بہت محبت کرنے والا ہے۔ اس لیے اس نے ہر تکلیف کے بعد راحت رکھی ہے۔ ان شاء اللہ یہ سال ہمارے لیے راحت ثابت ہوگا۔ اب بڑھتے ہیں آپ کے تبصروں کی جانب۔

دمشا آصف...... خانگڑھ ۔ السلام علیکم تمام پڑھنے والوں کو اس بار حجاب بارہ تاریخ کو مل گیا۔ ٹائٹل دومن بالکل اچھی نہیں لگی۔ سفید بالوں والی بوڑھی اماں کو بیٹھا دیا۔ ثناء کی جیولری اچھی تھی مجھے پسند آئی اور دور سے صدا لگائی (قریب ٹھہرتے تو جوتا اٹھا کر زور سے ماردیتی) ارے او بوڑھی اماں ہمیں دیتی جا جیولری۔ جواب میں بوڑھی اماں نے وہ گھوریاں دکھائیں کہ سردی میں بھی پسینے چھوٹ گئے۔ (ہاہاہاہاہا) آگے بڑھے ''بات چیت'' کی طرف تبدیلیوں کو ہم ضرور پسند کریں گے۔ بس آپ یہ خیال کرنا کہ ''آنگن کی چڑیا'' والا سلسلہ نہ ختم کردینا۔ ''حمد ونعت'' ہمیشہ کی طرح بیسٹ رہی۔ کوثر خالد کا انٹرویو بس ٹھیک تھا۔ ہم دونوں بہنوں کا ''آنگن کی چڑیا'' اکٹھے ہی لگا دینا اور تب تک کے لیے یہ ہمارا آخری خط ہے جب تک آنگن کی چڑیا میں ہمارا تعارف شامل نہیں ہوجاتا۔ اگر ہو سکے تو اگلے ماہ ہی لگا دینا پورا پلیز پلیز پلیز۔ ''مرگ تمنا'' کافی اچھی اچھی سی اسٹوری ہے۔ مجھے اس کہانی میں بس عزت فاطمہ کا کردار سمجھ میں آتا ہے۔ ''عشق نگر کے مسافر'' اس کہانی سے فی الحال رابطہ توڑ دیا ہے۔ اس کہانی کو پڑھنا اب میرے بس میں بالکل نہیں ہے۔ ''دل کو کس کا ملال تھا'' شرجیل کی انتہا درجہ کی مکاریوں کا (ہاہاہاہاہاہا)۔ ''میرے سکندر'' بہت زبردست تحریر ہے۔ ''عشق اللہ ہو'' یہ اسٹوری بہت بہت اچھی تھی۔ بہت بہت مبارک ہو مونا شاہ کو اتنی اچھی کہانی لکھنے کے لیے۔ ''تجدید وفا'' ابتسام کی امی کی اتنی مکاریاں۔ ہم تو حیران رہ گئے۔ وہی حال ثمن کا بھی تھا۔ ''ملکہ داستان'' یہ اسٹوری اچھی نہیں لگی۔ ''چھوٹی بہو'' رائٹر کو بھی اتنی جلدی نہیں ہوگی۔ جتنی ہمیں تھی کہ یہ کہانی جلدی شائع ہو مگر موضوع پڑھ کر منہ بسور کر رہ گئے۔ ''تیرے بنا اب جینا ہے'' شاہنواز کی محبت کھوکھلی تھی۔ پچھلے ماہ بھی ایک ایسی ہی کہانی تھی۔ ''دل تشنہ لب کیوں'' جس میں ایک پڑھی لکھی اور باشعور لڑکی بنا کسی وجہ کے گھر سے بھاگ گئی اور اس میں بھی ماہ رخ کو گھر سے بھاگ جانے پر شاہنواز نے مجبور کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس لڑکی کو شاہنواز کی ماں شادی سے پہلے پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ شادی کے بعد اسے کیسے اپنی بہو مان لیتی۔ ان مردوں کو کیا لڑکی کو لا کر گھر بیٹھا دیا۔ لوگوں کی باتیں تو عورت کو ہی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ پلیز اس قسم کے موضوعات پر کہانیاں لکھنا بند کردیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اچھی نہیں لگی یہ کہانی۔ ''میرے ہاتھوں کی لکیر'' شک رشتوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ بہت اچھی لگی یہ اسٹوری۔ ''لفظوں کے دکھ'' ایمان کی کہانیاں شہریار حسن کے پاس کیسے پہنچ گئیں اور شعروں کا مجموعہ بھی ایمان کا شہریار کے ساتھ کیا رشتہ تھا۔ جب ایمان کی لکھی ہوئی اسٹوریز مدیرہ نے ہی ریجیکٹ کردی تو وہ شہریار کے پاس کیسے گئیں کچھ بھی اس کہانی میں واضح نہیں کیا۔ اس کہانی کے آخر میں جو نظم لکھی ہوئی تھی وہ مجھے بہت بہت اچھی لگی۔ اس کہانی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ لڑکیاں لڑکوں کی نسبت زیادہ ذہین ہوتی ہیں۔ حسن شہریار چیٹر

کہیں کا، اس کی وجہ سے ایک لڑکی کی جان چلی گئی۔ کتنا مسرور ہو رہا تھا ناں (نالائق) اپنی کامیابی پر۔ ''چاہت کی راہیں'' حمیرا گوندل آپ نے دل خوش کر دیا میرا فنٹاسٹک کہانی تھی۔ ''بزم سخن'' سے طیبہ سعدیہ، انعم زہرہ، زینب زہرہ (کیا آپ دونوں بہنیں ہیں) ایم سحر، ارم صابرہ، شبانہ امین، حافظہ کیمرا، ایس آر مسکان اور ثمینہ مغل نے بہت اچھا لکھا۔ ''دوست کا پیغام آئے'' اس بار شامل کیوں نہیں تھا۔ کچن کارنر نہیں پڑھا۔ ''موج سخن'' سے صبا ناز، ماہ رخ چودھری، چودھری شاہد کی دعائے محبوب (غلط فہمی ہے یہ آپ کی) آسیہ نذیر، ایس اے مسکان، کرن شبیر، عادل مصطفیٰ، رقیہ امیر، روبی علی، تبسم بشیر، مدیحہ نورین اور آسیہ شاہین نے بہت عمدہ لکھا۔ ''شوخئ تحریر'' سے نور سحر، مشی خان، ثانیہ عبدالغفور، عشرت فاطمہ، بشریٰ باجوہ، ارم کمال، ثمرہ گلزار، رشک وفا، نگہت شبیر اور شیز البلوچ نے بہت ہی اچھا لکھا۔ ''حسن خیال'' سے شانزہ پرویز شانو، عائشہ شکیل، ایمن غفور نے بہت اچھا تبصرہ کیا۔ جو ہی آپی بات تو بتائیں کہ ڈاکٹر ہما جہانگیر کا ''شب ہائے ویرانی دل'' یہ ناول کتابی صورت میں آ گیا ہے اگر آ گیا ہے تو اس کی قیمت کتنی ہے؟ ڈیئر ایمن غفور آپ ہمیں جتنا پسند کرتی ہو اس سے کہیں زیادہ ہم آپ کو پسند کرتے ہیں۔ اتنی شدت سے میں آپ کو اور حرا کو لائک کرتی ہوں، جس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ کبھی آ جانا ہمارے گھر ملنے کے لیے۔ ایمن غفور بات آپ نے بالکل ٹھیک لکھی ہے کہ آج کے دور میں مخلص دوست ملنا مشکل ہے۔ آج کل کے دور میں مخلص ساتھی اور میٹھے مالٹے بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ ڈیئر رقیہ ناز جب آپ اپنی امی کے گھر آؤ تو خط لکھ کر پوسٹ کر دیا کرو۔ مجھے آپ کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ میری بیسٹ فرینڈ بریرہ کی برتھ ڈے فروری میں ہوتی ہے۔ اس لیے ایڈوانس میں سالگرہ کی مبارک باد قبول کرو۔ اللہ تمہاری عمر دراز کرے، آمین۔ آٹھ سال ہو گئے ہیں ہم دونوں کو اکٹھے پڑھتے ہوئے اور پانچ سال ہو گئے ہماری دوستی کو چوتھی کلاس میں ہم نے ایک دوسرے کا دوستی کرنے کے لیے ہاتھ تھاما تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری دوستی کو ہر بری نظر سے بچائے آمین۔ سب قارئین کی نذر ایک شعر اس کے ساتھ اجازت دیں۔ اللہ حافظ۔

تھا کوئی جو میرے دل کو زخم دے گیا
زندگی بھر جینے کی قسم دے گیا
لاکھوں پھولوں میں سے ایک پھول چنا تھا میں نے
جو کانٹوں سے بھی گہری زخم دے گیا

☆ پیاری رمشا! پہلے دفتر کی منتقلی اس کے بعد بارش نے نئے دفتر کا بے حد برا حال کیا، کیا ہی کہیں۔ بس رونے کی کسر رہ گئی ہے وہ تم پوری کر دو اس خبر کو سننے کے بعد کہ تمہارا اور ارم کا آنگن کی چڑیا بارش کے پانی میں بہہ گیا۔ اس پر فاتحہ پڑھ کر دوسرا ارسال کر دو۔

ارم آصف ملک...... خانگڑھ ۔السلام علیکم! جو ہی جانو کیسی ہو؟ لو جی ہم ایک مرتبہ پھر حاضر ہو گئے۔ آپ کی محفل میں جو ہی جانو کیسا لگا؟ (ہاہاہا) حجاب بارہ تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل پر پہلی نگاہ پڑتے ہی ایسا لگا جیسے چڑیل بیٹھی گھور رہی ہے۔ (ہاہا) مگر جی ہم نے ٹائٹل کو تنقیدی اور تعریفی نگاہوں سے دیکھا۔ جیولری ماشاءاللہ سے بہت پیاری تھی اور ناخن تو جیولری سے بھی زیادہ پیارے تھے مگر جب ذرا غور سے دیکھا تو اس کے ناخن نقلی تھے ناخن خود تو پیاری نہیں لگی۔ میک اپ کی وجہ سے آنکھوں والا میک اپ پیارا نہیں کیا ہوا تھا۔ پلیز جو ہی جانو نیلم منیر یا کنول علی کا

ٹائٹل لگادیں پیارا پیارا سا۔ ''بات چیت'' میں سعیدہ آنی اپنے شگفتہ انداز میں مخاطب تھیں ضرور آنی ہم بھی حجاب میں تبدیلی دیکھنا چاہتے ہیں۔ آنی کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ رائٹرز کے انٹرویو کا سلسلہ شروع کردیں؟ اور آنگن کی چڑیا سلسلہ بند نہیں کرنا پلیز پلیز اور ذرا کہانی کے موضوعات کو بھی زیر غور لائیں پلیز جیسے کچھ کہانیوں میں یہ ہوتا ہے ہیرو اور ہیروئن کی ملاقات یونیورسٹی یا کالج میں ہوتی ہے وہیں سے ان کا پیار شروع ہوتا ہے یا پھر یہ کہ لڑکیاں گھر سے بھاگ جاتی ہیں جیسے پہلے ماہ کے حجاب میں کہانی تھی ''دل تشنہ لب کیوں'' اس میں پڑھی لکھی باشعور لڑکی گھر سے بھاگ جاتی ہے اس قسم کی کہانیاں زیر غور لائیں پلیز پھر اس قسم کی کہانیاں پڑھ کر والدین اپنی بچیوں کو رسالے نہیں پڑھنے دیتے کہ ایسی کہانیاں پڑھ پڑھ کے ان کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ آنی جی میری بات کا برا نہیں ماننا۔ اب ہر کسی کا دماغ ایک جیسا تو نہیں ہوتا ناں۔ ''حمد ونعت'' ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت انداز بیاں۔ ''آنگن کی چڑیا'' میں نے اس آس کے ساتھ کھولا کہ اس مرتبہ میرا نام آئے گا پر ہائے رے سو ٹوٹے ہوگئے دل کے خیر۔ کوثر خالد جی آپ کا بے ساختہ انداز اچھا لگا۔ ''شادی کا احوال'' نزہت جبین ضیاء جی اتنی دھوم دھڑکے والی شادی میں تو پڑھ کے اتنی خوش ہوئی کہ کیا بتاؤں اور حیران اس بات پر کہ جیولری آپ خود بھی بنالیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے، آمین۔ ''مرگ تمنا'' نادرا آپی جی آپ یقیناً بہت اچھا لکھ رہی ہوں گی کیونکہ میں نے ابھی تک ایک قسط بھی نہیں پڑھی۔ پڑھوں گی ضرور ان شاء اللہ۔ ''عشق نگر کے مسافر'' میں صبیحہ بیگم کی دوبارہ شادی ہوگی یاور بخت کے ساتھ اور یہ شبنم کو کیا مسئلہ ہے فاریہ کے ساتھ؟ ندا آپی آپ کی اسٹوری مجھے کبھی کبھی پراسرار سی لگتی ہے۔ ''دل کو کس کا ملال تھا'' (یعنی کہ پچھلے ماہ یہ کہانی کہاں غائب تھی؟) نادیہ آپی آپ نے تو بیٹھے بٹھائے ہی لاکھوں کی شاپنگ کراڈالی (ہاہاہا) منحوس شرجیل تجھے کیڑے پڑیں، شرجیل کا دماغ ہے یا شیطانی گھر۔ یہ تو اذان کو بھی نہیں معلوم کہ فضیلت بی بی کی سرجری ہوئی ہے یا نہیں۔ نادیہ آپی آپ کی کہانی اچھی ہے پر آپ لکھتی بہت کم ہیں تھوڑی سی زیادہ لکھ لیا کریں۔ ''چاہت کی راہیں'' حمیرا گوندل کے قلم سے نکلی یہ تحریر بہت پسند آئی، اس میں امامہ کا کردار بہت پسند آیا۔ ''تجدید وفا'' مجھے ایسی ساسیں زہر سے بھی بری لگتی ہیں جو پہلے تو پیار محبت سے بیاہ کے بہو لے آتی ہیں اور بعد میں ان کی زندگی اجیرن کردیتی ہیں جبکہ وہ اپنی بیٹی کو سسرال میں خوش وخرم دیکھنا چاہتی ہیں۔ چلو ٹھیک ہے ابتسام فخر کو کسی نہ کسی طریقے سے عقل آ تو آ گئی۔ انمول کا کردار بہت اچھا لگا۔ ''ملکہ داستان'' از صباحت رفیق چیمہ بہت ہی انٹرسٹنگ کہانی تھی پر مجھے شروع میں کچھ سمجھ میں نہیں آئی عمر کا یوں چھوڑ کر جانا۔ ''عشق اللہ ھو'' اس ماہ کی نمبرون اسٹوری رہی۔ مونا شاہ قریشی آپی قسم سے آپ نے بہت عمدہ کہانی لکھی۔ مجھے بہت پسند آئی۔ پتا ہے آپی مجھے شروع میں ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ ہیرو میثم نہیں بلکہ وہ ریسٹورنٹ والا ہی ہوگا جبکہ مشکوۃ نام بہت اچھا لگا۔ جویہ آپی مشکوۃ نام کا اگر مطلب پتا ہے تو پلیز بتادیں جبکہ عبدالمعیز نام بھی بہت پیارا ہے۔ ''میرے سکندر'' از قرۃ العین سکندر واہ آپی جان کیا مزیدار کہانی لکھی ہے آپ نے مجھے لگتا ہے کہ میرب اور سکندر آپس میں کزن ہیں ماضی میں جو سکندر کی پھوپو گھر چھوڑ کر چلی گئی تھیں وہ یقیناً میرب کی مما ہوں گی اور وہ نگینہ مجھے لگتا ہے کہ اس کا بھی کوئی نہ کوئی رشتہ ہے چوہدری شاہنواز کے ساتھ اور عابی اور بختو کو ضرور ملانا آپی عابی اور ال کی شادی نہیں ہونی چاہیے۔ ''میرے ہاتھ کی لکیریں'' عالیہ بلگرامی شاید نئی رائٹر ہیں پر افسانہ بہت اچھا لکھا۔ ''چھوٹی بہو'' بھی خوب رہی نام سے تو کچھ فنی سی لگ رہی تھی بس فرق یہ تھا کہ بڑی بہو زبان چلاتی تھی اور چھوٹی بہو ہاتھ۔ ''تیرے بنا اب جینا ہے'' کہانی کا نام پڑھ کر مجھے راحت فتح علی کا گانا میرے

پاس تم ہو یاد آ گیا (ہاہاہا) مجھے اس کہانی میں ماہ رخ کا فیصلہ اچھا لگا۔ اگر شاہنواز کے دل میں کھوٹ نہ ہوتا تو وہ کسی نہ کسی طرح اپنے والدین کو ماہ رخ کے لیے راضی کر لیتا نہ کہ ماہ رخ کو گھر سے بھاگنے کے لیے مجبور کرتا۔ ”لفظوں کے دکھ“ مجھے یہ افسانہ بہت اچھا لگا پر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایمان کی لکھی ہوئی چیزیں حسن شہریار تک کیسے پہنچتی ہیں؟ ایماب علی جی نے واضح نہیں کیا اس چیز کو۔ ”بزم سخن“ سے مجم انجم اعوان، اقصیٰ تگین، طیبہ سعدیہ، انجم زہرہ کے علاوہ بھی سب نے بہت خوب صورت لکھا۔ سمیہ عثمان جی میرا نام شامل کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ ”کچن کارنر“ میں نورین انجم اعوان کی ریسپی اچھی لگی ان شاء اللہ ٹرائی کروں گی اسی ہفتے، میں نے بھی پچھلے ہفتے ایک نئی ڈش ایجاد کی ہے خود جس کا نام ہے آلو کی چٹنی۔ ”موج سخن“ زینب احمد جی کے سلسلے میں ماشاء اللہ سے سب نے خوب صورت لکھا پر سیدہ جیا عباس کاظمی اور آسیہ شاہین نے تو لاجواب لکھا۔ ”شوخئ تحریر“ بھی لاجواب رہا۔ ”حسن خیال“ شانزہ پرویز شانو بھی اپنے تعریفی اور تنقیدی تبصرے کے ساتھ پہلے نمبر پر براجمان تھیں۔ شانو ڈیئر اور ایمن غفور ڈیئر میں کہیں بھی غائب نہیں تھی۔ آنچل اور حجاب ہر ماہ لیتی تھی پر شامل ہونا مشکل تھا کیونکہ ایک تو ڈاک خانہ دور پڑتا ہے اب گھر سے تو دوسرا میں مصروف تھی بہت۔ دل تو بہت کرتا تھا شامل ہونے کو کچھ ماہ پہلے تک تو بالکل فری تھی پر اب پہلے کپڑے سلائی نہیں ہوتے تو دوسرے آ جاتے ہیں کڑھائی بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ اب ہر ماہ کوشش کروں گی کہ شامل ہو جاؤں ان شاء اللہ۔ ایمن کی بچی اتنا پیار کرتی ہو ہم سے؟ تو سوچو ہم کتنا کرتے ہوں گے۔ آپ سب سے ڈبل ٹرپل باقی سب کے تبصرے بھی شاندار تھے اس بات کے ساتھ اجازت کہ جیو تو ایسے کہ مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو جاؤ اور اللہ پاک آپ سب کو جہاں بھی رکھے ہمیشہ اپنی رحمت کے سائے تلے رکھے آمین۔

☆ پیاری ارم! آپ کے شعر کے لیے کچھ کہنا مناسب نہیں، کہانیاں اتنی دلچسپی سے پڑھ رہی ہو کہ اختتام دوسروں پر واضح کر رہی ہو۔ مشکوٰۃ کے معنی چراغ اور روشنی کے ہیں۔

اللہ رکھا چوہدری...... ہارون آباد۔ جو ہی آپی اور حجاب کے تمام قارئین کو السلام علیکم! اس ماہ حجاب سات دسمبر کو ملا جو مجھے دیر سے لگ رہا ہے کیوں کہ پہلے تو ہر ماہ سات، آٹھ تاریخ کو تبصرہ بھیج بھی دیتا تھا اور اب مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کے میں تبصرہ سینڈ کروں اور جو ہی آپی کا میسج آ جائے۔ ”بھیا وقت ختم اور جگہ بھی۔“ اس سے پہلے کے جو ہی آپی کو غصہ آ جائے چلتے ہیں، ۲۰۲۰ء کے آخری شمارے کی طرف۔ سرورق کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا بس کاشف بھائی سے یہ ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ اتنا خوب صورت ہیرا کہاں سے نکال لائے ہیں؟ اس ماہ سرورق نے تو کمال ہی کر دیا۔ ثنا خان ایسا لگ رہا ہے جیسے ہمیں ہی دیکھ رہی ہیں۔ فہرست کو دیکھتے ہوئے ”بات چیت“ پڑھی سعیدہ نثار آپی نے بہت زبردست باتیں لکھی ہیں۔ اب نائب مدیرہ کون ہیں یہ سسپنس اب اگلے ماہ تک رہے گا کہ آخر وہ کون سا ہیرا ہے۔ اللہ پاک اس ہیرے کی آمد مبارک کرے آمین۔ ”حمد و نعت“ پڑھ کر ”آنگن کی چڑیا“ میں کوثر خالد سس کے سوالوں کے جواب پڑھ کر داد دینے کو دل چاہا ماشاء اللہ بہت ہی بہادر ہیں۔ اللہ پاک لمبی خوشیوں والی عمر عطا فرمائے آمین۔ ”نزہت جبین ضیاء“ میری بڑی آپی ہیں اس ماہ ”پیا کا گھر“ پڑھ کر بہت ہی مزہ آیا کمال کر دیا آپی ہر ہر بات ہر ہر کام یاد رکھا اور پھر ایک ساتھ لکھا بہت ہی اچھا لگا پڑھ کر ویسے مجھے پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوا جیسے میں خود اس شادی میں شریک ہوں۔ ایک مزے کی بات میری بہن جیولری سیٹ تیار کرتی ہے اور مجھے پتا ہی نہیں۔ آپی اب جلدی سے تین سیٹ اپنی بھابی کے لیے بھی تیار کریں ایسا نہ ہو کہ پھر دیر ہو جائے ویسے ابھی

تک منگنی نہیں ہوئی۔ (ہائے یہ شادی اور بربادی کے خواب ہاہاہاہا) ''میرے ہاتھوں کی لکیروں میں''
لکھا ہے تیرا نام پیا
ہوگئی میں بدنام پیا
عالیہ بلگرامی سس نے کہانی شروع ہی ہاتھ کی لکیر سے کی ہے لیکن مجھے یہ بات اب سچ نہیں لگتی مجھے بھی ایک بابا جی نے بتایا تھا کے آپ کی شادی اس سے ہی ہوگی اور اب اس کی شادی بھی ہوگئی ہے لیکن ہمیں تو اپنی شادی دور دور تک نظر نہیں آرہی، مجھے لگتا ہے بابا جی نے اس کی شادی کا ہی بتایا تھا کہ ہوگی اور تم دیکھ دیکھ کر جلتے رہنا (ہاہاہا) کہانی شروع سے لے کر آخر تک زبردست رہی شک ایک ایسی بیماری ہے جو اسی فیصد لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اللہ پاک اس بیماری سے ہر ایک کو بچائے آمین۔ ''چاہت کی راہیں'' حمیرا گوندل سس نے اپنی کہانی میں بیان کردیا ہے کہ چاہت چاہیے جتنی بھی اچھی اور پیاری ہو لیکن اس کی راہیں کانٹوں بھری ہوتی ہیں۔ امامہ کا کردار بہت ہی پسند آیا ویسے جو کچھ بھی ہو جائے بات آخر قسمت پر ہی آ کے ختم ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے ہر غلطی کو قسمت سے محبت ہے جو آخر میں آ کہ اس کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اختتام بھی ہی کیا جو بہت اچھا لگا۔ ''مرگ تمنا'' ماروا طلحہ آپی اب آہستہ آہستہ ناول کو کھول رہی ہیں۔ شاید اگلی دو قسطوں میں معلوم ہو جائے کہ کون کس کا ہے اور کس کا ہوگا یہ جاننے کے لیے پڑھتے رہیں مرگ تمنا کی ہر آنے والی قسط۔ یہ آخر میں مجھے لگ رہا ہے بی جان اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں کیونکہ اٹیک کا پہلا حملہ بہت ہی خطرناک ہوتا دیکھتے ہیں اب آگے کیا ہوتا ہے۔ ''چھوٹی بہو'' فرحت جبین سس چھا گئی ہیں آپ تو بہت ہی عمدہ اور ہر ساس کے لیے سبق آموز تحریر۔ ویسے بڑی بہو کی زبان کا پڑھ کر ایسا لگا کے چھوٹی میسنی ہے لیکن مجھے آخر میں چھوٹی بہو پر پیار آ گیا۔ اللہ پاک ہر بچی کے نصیب اچھے کرے، آمین۔ مونا شاہ قریشی سس کو سب سے پہلے تو اتنے زبردست عنوان پر بہت سی داد میری طرف سے کتنا خوب صورت عنوان ہے۔ شروع میں ہی بہت ہنسی آئی جب سب نے میثم سے پوچھا۔ مجھے مشکوٰۃ کا کردار بہت پسند آیا شروع سے آخر تک خوش رہی۔ ''عشق نگر کے مسافر'' ندا حسنین سس ناول تو اپنی جگہ سہی ہے لیکن شاعری کیا کمال کرتی ہیں مجھے کہانی سے زیادہ شاعری پسند آرہی ہے ہر نظم تین تین بار پڑھتا ہوں۔ ''تیرے بنا اب جینا ہے'' صباء احمد خان سس کو میں اتنی خوب صورت منظر نگاری اور کرداروں کی جگہ ان کے بیٹھنے کا اسٹائل لکھنے پر بہت سی داد دیتا ہوں۔ کہانی بھی زبردست رہی ویل ڈن۔ ''تجدید وفا'' نے تو مجھے ''عہد وفا'' کی یاد دلا دی مجھے اس میں دعا کا کردار بہت پسند آیا ہے اور اس میں مجھے انمول کا کردار بہت زیادہ پسند آیا۔ بہت ہی عمدہ تحریر لکھی ہے زارا رضوان سس نے۔ ''دل کو کس کا ملال تھا'' نادیہ احمد آپی سب سے پہلے تو بہت بہت مبارک ہو، ماشاء اللہ سے آپی آپ ڈراما لکھ رہی ہیں، بہت خوشی ہوئی شاید اس لیے ہی ''دل کو کس کا ملال تھا'' کی ایک ماہ قسط آتی ہے اور ایک ماہ نہیں۔ اس قسط کے شروع میں ہی گیم الٹ ہوگئی ہے مجھے تو ترس آرہا ہے ویسے مجھے اب لگ رہے کہ باپ کے کیے کی سزا اب عائشہ کو ملے گی لیکن دیکھتے ہیں اب آگے کیا ہوتا ہے۔ ایک ایسی تحریر اس ماہ کے حجاب میں ہے کہ میں اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے مجھے ایسا لگا جیسے یہ ایک بار نہیں بلکہ بار بار ہو چکا ہے۔ یہ بات سچ ہے کے عورت جس پر بھروسا کرتی ہے اس پر اپنا سب کچھ قربان کردیتی ہے لیکن کچھ منافق لوگ بھی ہوتے ہیں جو ان کی معصومیت کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو استعمال کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ تحریر ہر اس لڑکی کے لیے سبق آموز ہے جو لکھتی ہیں اور پھر اپنی کہانیاں شائع کروانے کے لیے دوسروں سے مدد مانگتی ہیں۔ میں کہانی پڑھ رہا تھا تو

ایک دم سے پتا نہیں کہاں سے آنسو آنکھوں میں آگئے اتنا بڑا ظلم لیکن آخر میں ایمان نے خودکشی کرلی اور دکھ ہوا۔ جی تو میں بات کررہا ہوں اس ماہ ہی ایک سبق آموز کہانی "لفظوں کے دکھ" ایماب علی آپی میری طرف سے سیلیوٹ ہے سچ میں جو بھی یہ کہانی پڑھے گا کچھ سبق حاصل ضرور کرے گا بہت سی داد۔ قرۃ العین سکندر آپی کا ناول "میرے سکندر" کیا کمال لکھ رہی ہیں آپی پلیز سکندر کے ساتھ اچھا کرنا نہیں تو پھر میں تو سکندر کا ساتھ ہی دوں گا۔ اگلی قسط کا شدت سے منتظر ہوں۔ صباحت رفیق چیمہ سس جب بھی آتی ہیں کچھ نیا ہی لاتی ہیں اس ماہ "ملکہ داستان" پڑھ کر بہت ہی اچھا لگا حسن نے آخر اپنی ملکہ کو حاصل کر ہی لیا بہت خوشی ہوئی ویل ڈن۔ "بزم سخن" میں سب کے دو لائن اور چار لائن کے شعر زبردست تھے۔ "کچن کارنر" میں انڈوں کا مغز، چکن ٹماٹر سوپ، بوٹی اسٹک اور عربی مچھلی پڑھ کر منہ سے پانی آنے ہی والا تھا کہ میں نے جیب سے ٹافی نکال کر کھالی کیوں کے پہلے ہی پتا تھا ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی منہ میں پانی ہی آئے گا (ہاہاہا) "موج سخن" میں تو موجیں لگی ہوئی ہیں بس میری نہیں لگی لیکن کوشش بھی جاری ہے اس لیے سب کی موجیں دیکھ کر مزے کررہے ہیں۔ سب کی اپنی شاعری اور شعر پڑھ کر بہت اچھا لگا سب کو بہت سی داد اور دعائیں۔ "شوخی تحریر" میں دعا، دسمبر، رنگ برنگی باتیں، کھوج، کیسے بھولیں، چمکیلے حروف، محبت اور ایمان زبردست تھے ویل ڈن پڑھتے پڑھتے ہم آگئے جو ہی آپی کی محفل میں سچ میں ہر ماہ انتظار رہتا ہے شمارے کا دل چاہتا ہے حجاب کے ایک ایک لفظ کے بارے میں لکھوں لیکن پھر خیال آجاتا ہے کہ باقی سب کو بھی جگہ دینی ہوتی ہے۔ اس ماہ کرسی صدارت پر شانزہ پرویز شانو آپی تھی بہت بہت مبارک ہو آپی بہت ہی عمدہ تبصرہ پڑھ کر مزہ آگیا۔ میرا تبصرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ آپی۔ ثمرہ گلزار آپی بہت ہی عمدہ تبصرہ پڑھ کر خوب ہنسی آئی اور مجھے انکل بنادیا آپی اللہ پوچھے گا ابھی تو اس دنیا میں آیا ہوں۔ وہ تو صباء ایشل آپی اور ماروا طلحہ آپی کا شکریہ کہ مجھے حجاب تک آنے میں میری مدد کی اور کررہی ہیں۔ اللہ پاک میری تمام بہنوں کے نصیب اچھے کرے اور باغ میں لگے گلاب کے پھولوں کی طرح مہکتی رہیں۔ اللہ پاک نصیب اچھے کرے آمین والسلام۔

☆ پیارے بھائی اللہ رکھا! آپ کی محبت پر افسوس ہوا اگر ہاتھ کا جادو نجومی بھائی کو دکھا دیتے تو یقیناً محبت مل ہی جاتی تھی پر کیا کریں اب ویسے محبت کے ملنے پر بھی رونا ہی تھا۔ اب دل کھول کر رولو۔ میرا مشورہ ہے بہنیں اتنی مت بناؤ کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔

ظہیر ملک ...... هارون آباد ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پیارے حجاب کے مصنفین اور قارئین کرام امید کرتے ہیں کہ آپ سب ٹھیک ہوں گے۔ معذرت خواہ ہوں ایک ماہ کی چھٹی کرلی مصروفیت کی وجہ سے تبصرہ نہ بھیج سکا لیکن نومبر کے شمارے کا مطالعہ ضرور کیا تھا زبردست تھا ماشاء اللہ۔ اس بار حجاب ملا تو سوچا پچھلی بار کی معذرت کے ساتھ محفل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سرورق کی بات کریں تو ہر بار کی طرح زبردست تھا خوب صورت دوشیزہ سے سجا سرورق اچھا لگا۔ فہرست پر پہنچے میری طرف سے تمام مصنفین بہنوں کو بہت مبارک باد جن کی تحاریر شائع ہوئیں اور یقیناً بہت ساری داد کی مستحق ہیں۔ "بات چیت" میں سعیدہ نثار آپی کے سلام کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بہت پیاری باتیں لکھیں آپ نے اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، ارے یہ تو میں بھول گیا یہ شمارہ حجاب کا سالگرہ نمبر ہے پیارے حجاب کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ یہ سفر ہمیشہ جاری وساری رکھے آمین۔ "حمد ونعت" سے دل کو منور کیا ماشاء اللہ بہترین کلام چنا گیا شعراءکرام کے لیے بہت سی داد۔

خالد صاحبہ کے بارے میں جان کر اچھا لگا ماشاء اللہ آپ کے سب سوالات کے جواب پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی سلامت رہیں اور لکھتی رہیں۔ ''پیا کا گھر'' نزہت جبین ضیاء صاحبہ ماشاء اللہ شادی کے متعلق بہترین تحریر تھی بہت سی داد لکھتی رہیں قلم میں آپ کے روانی آئے۔ عالیہ بلگرامی صاحبہ کو پہلی بار پڑھا ماشاء اللہ بہترین رائٹر ہیں آپ کی تحریر ''میرے ہاتھوں کی لکیروں میں'' زبردست تھی چاہت کی راہیں حمیرا گوندل صاحبہ بھی کیا کمال لکھتی ہیں ماشاء اللہ کہانی کا پہلا پہرہ ہی سید حادل پر لگا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ محبت اتنی ظالم بھی ہوسکتی ہے اور زندگی میں تکلیفوں کے انبار لگا سکتی ہے۔ بقایا تحریر بھی کچھ کم نہ تھی۔ ''چھوٹی بہو'' فرحت جبین صاحبہ کی کہانی اچھی لگی بالکل ایسا ہوتا ہے جب کوئی آپ کے پاس اور وہ بات نہ کرے آپ سے یا منہ بنا کہ پھرتا رہے تو بندہ اپنے آپ کو قابل ترس سمجھنے لگتا ہے کہانی کی کوشش اچھی تھی ماشاء اللہ۔ ''عشق اللہ ھو'' بھی اپنی طرز کی بہترین کہانی تھی ماشاء اللہ منظر نگاری بھی اچھی تھی مونا شاہ قریشی صاحبہ کے لیے بہت سی داد اور دعائیں۔ ''عشق نگر کے مسافر'' کی قسط زبردست تھی۔ ماشاء اللہ ناول اپنے دو سال اور ایک ماہ مکمل کر گیا لیکن کردار ابھی تک وہی ہیں کیا بات ہے ندا حسنین آپی ویلڈن۔ ''تیرے بنا اب جینا ہے'' صباء احمد خان آپی کی کہانی نام میں ہی پوری کہانی چھپی تھی اور مجھے اپنی ماضی کی تلخ یادوں میں لے گئی مگر کہانی کے لیے بہت سی داد قبول کریں۔ ''تجدید وفا'' زارا رضوان صاحبہ کی کہانی بہت اچھی لگی اچھا لکھتی ہیں بہترین جملوں کے استعمال نے کہانی کو خوب صورت بنا دیا بہت سی داد آپ کے لیے ویلڈن۔ ''دل کو کس کا ملال تھا'' کہانی بھی بہترین جا رہی ہے نادیہ احمد آپی کی شاعری بھی کمال ہوتی ہے یہ غزل تو سید حادل پہ وار کر رہی تھی۔

بہار رت میں اجاڑ رستے
تکا کرو گے تو رو پڑو گے

بقایا ناول کے لیے بہت سی داد۔ ''لفظوں کے دکھ'' ایمان علی آپی کیا لکھ دیا آپ نے یقین نہیں آ رہا اپنے پڑھے پر دو بار پڑھی لی ماشاء اللہ ہر لحاظ سے کہانی زبردست اور لاجواب تھی گڈ آپی آپ کے لیے بہت سی داد اور دعائیں اللہ مزید ترقیوں سے نوازے آمین۔ ''میرے سکندر'' قرۃ العین سکندر صاحبہ کی کہانی کی پہلی قسط لاجواب تھی ماشاء اللہ اگلی قسط کا منتظر ہوں۔ ''ملکہ داستان'' صباحت رفیق چیمہ صاحبہ کی کہانی بہترین منظر نگاری اور سب سے بڑھ کر الفاظ کا استعمال خوب صورت تھا بہت سی داد بہترین کہانی کے لیے۔ ''بزم سخن'' میں سمیعہ عثمان آپی کا سلسلہ ہمیشہ کی طرح رنگ برنگے اشعار سے سجا تھا تمام شعراء کرام کے لیے بہت سی داد اور دعائیں۔ ''کچن کارنر'' زہرہ جبین آپی کا سلسلہ پڑھ کر دل کرتا ہے روز پکا پکا کہ کھاؤں لیکن کیا کروں اکیلا میں سب نہیں کر سکتا ناں کوئی ہمسفر ساتھ ہو موسم سرما کی بارش ہو اور اپنی خوب صورت بیوی جواب منگیتر ہے اس کے ساتھ مل کر پکاؤں اور انجوائے کروں دعا کریں ساری بہنیں مل کر آپ سب کو بھی بھیجوں گا۔ ''موج سخن'' زینب احمد آپی کا بہترین سلسلہ جس میں شعراء کی اپنی شاعری ہوتی ہے اس بار بھی یہ سلسلہ زبردست رہا۔ ''شوخئ تحریر'' ہما ذوالفقار صاحبہ کا سلسلہ بھی بہترین ہے بہت پیاری پیاری سبق آموز تحریریں ہر بار پڑھنے کو ملتی ہیں بہت سی داد سب کے لیے۔ ''حسن خیال'' جو کہ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے سب سے پہلے تو جوہی احمد وعلیکم السلام آپ اپنے حالات بتائیں کیسی ہیں آپ۔ اس دفعہ فرنٹ سیٹ پر ہماری پیاری شانزہ پرویز شانو آپی براجمان تھیں ماشاء اللہ بہت پیارا تبصرہ کرتی ہیں ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی کمال کا تھا میرا تبصرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ عائشہ شکیل آپی آپ کا تبصرہ پڑھ کر بھی خوشی ہوئی ماشاء اللہ۔ گلشن چودھری آپی آپ کو ایک بار

پھر بہت سارا ویلکم آپ کا آنا مبارک ہو مختصر لیکن اچھا تبصرہ کیا آپ نے۔ ایمن غفور آپی کو دل کی انتہا گہرائیوں سے حجاب کی دنیا میں ویلکم کرتے ہیں اب آ گئی ہیں تو ہر دفعہ محفل میں شرکت کیجیے گا آپ کا تبصرہ زبردست تھا ماشاء اللہ میرا تبصرہ آپ کو پسند آیا اس کے لیے بہت شکریہ۔ اللہ رکھا چودھری کا تبصرہ بھی کمال تھا زبردست پیارے میرا تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ ثمرہ گلزار آپی پہلے تو بہت افسوس ہوا کہ آپ کو ڈائجسٹ دیر سے ملتا ہے اللہ کرے جلدی مل جایا کرے آپ کا تبصرہ بہت زیادہ پسند آیا میرا تبصرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ اب اس امید کے ساتھ اجازت چاہوں گا اگلے ماہ حاضری ہوگی ان شاء اللہ اپنا اپنے پیاروں کا بہت سا خیال رکھیں اللہ حافظ۔

☆ پیارے بھائی ظہیر! ہمیں امید ہے کہ ہماری بھابی ان شاء اللہ جلد آ کر آپ کو کچن کے کاموں میں ضرور کردیں گی پھر ہم ان کی دعوت پر اپنے دلہا بھائی کے ہاتھ کا کھانا کھانے ضرور آئیں گے۔

اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب پر فضل فرمائے اور ہمارے صغیرہ، کبیرہ گناہوں کو معاف فرمائے کہ ہماری پریشانیوں اور مشکلوں کو آسان کرے آمین۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے ان پیج کی فائل ہو ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیو ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 81 بہادر یار جنگ ہاؤسنگ سوسائٹی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

پھر بہت سارا ویلکم آپ کا آنا مبارک ہو مختصر لیکن اچھا تبصرہ کیا آپ نے۔ ایمن غفور آپی کو دل کی انتہا گہرائیوں سے حجاب کی دنیا میں ویلکم کرتے ہیں اب آ گئی ہیں تو ہر دفعہ محفل میں شرکت کیجیے گا آپ کا تبصرہ زبردست تھا ماشاء اللہ میرا تبصرہ آپ کو پسند آیا اس کے لیے بہت شکریہ۔ اللہ رکھا چودھری کا تبصرہ بھی کمال تھا زبردست پیارے میرا تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ ثمرہ گلزار آپی پہلے تو بہت افسوس ہوا کہ آپ کو ڈائجسٹ دیر سے ملتا ہے اللہ کرے جلدی مل جایا کرے آپ کا تبصرہ بہت زیادہ پسند آیا میرا تبصرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ اب اس امید کے ساتھ اجازت چاہوں گا اگلے ماہ حاضری ہوگی ان شاء اللہ اپنا اپنے پیاروں کا بہت سا خیال رکھیں اللہ حافظ۔

☆ پیارے بھائی ظہیر! ہمیں امید ہے کہ ہماری بھابی ان شاء اللہ جلد آ کر آپ کو کچن کے کاموں میں ضرور کر دیں گی پھر ہم ان کی دعوت پر اپنے دلہا بھائی کے ہاتھ کا کھانا کھانے ضرور آئیں گے۔

اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب پر فضل فرمائے اور ہمارے صغیرہ، کبیرہ گناہوں کو معاف فرمائے کہ ہماری پریشانیوں اور مشکلوں کو آسان کرے آمین۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے ایمج کی فائل ہو ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام، مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیو ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹر ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 81 بیچر بیرکس ہاکی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510